انتساب

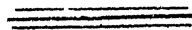
یہ سلسلہ نہایت فخر و مباہات کے ساتھ حسب
اجازت اعلیٰحضرت بندگانِ عالی متعالی ہز اگزالٹڈ
ہائنس آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ
نواب میر سر عثمان علی خاں بہادر
فتح جنگ جی سی ایس آئی، جی سی بی خلد اللہ ملکہ
وسلطانہ و ادام اقبالہ کے نامِ نامی و اسمِ سامی
کے ساتھ منسوب و معنون کیا جاتا ہے

ہشت بہشت

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون

متن





التماس

فقیر کے جو خدمت کہ سپرد کی گئی تھی اُس میں کہاں تک کامیابی ہوئی اس کے متعلق صرف اسقدر گزارش ہی کہ حق تعالیٰ نے جو کچھ چاہا اور جیسا کچھ چاہا وہی ہوا۔ اگر مضمون تشنہ ہی یا بیان ناقص تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا اکمال کسی اور کے قلم سے مقدر ہو چکا ہی۔ یہ سعادت جب کہ میرے حصّہ میں نہ تھی تو پھر اُس کا تکملہ میرے ہاتھوں سے کیونکر ہوتا۔ کوئی اللہ کا بندہ لکھ کر طالبین کی پیاس بجھا دیگا۔ فقیر گوشہ نشین بھی اُس سے استفادہ کر لیگا۔ اس کے بعد یہ گزارش ہی کہ پہلے محض تنقید ہشت بہشت کا کام سپرد ہوا تھا۔ اُس کے بعد کتاب کی تصحیح متعلق ہوئی۔ لیکن دل یہ چاہتا تھا کہ اس ایک کتاب کی تنقید مفصّل اور دیگر اصناف نظم پر خسرو علیہ الرحمہ کے ایک مجمل تبصرہ لکھا جائے۔ اور تبصرہ سے پہلے فارسی شاعری کے ادوار دکھائے جائیں

گو بعض اصحاب اس تبصرہ اور ادوار شاعری کے مضمون کو تنقید سے بے تعلق سمجھینگے لیکن کسی نہ کسی حیثیت سے اُن مضامین کا پیوند تنقید سے ضرور صحیح ہو سکتا ہی۔ میں اسی فکر میں تھا کہ شیدائے علم و فن و نقاد سخن **نواب حاجی محمد اسحٰق خاں** متع اللہ المسلمین بطولِ بقائہٖ نے بھی اس کی تحریک فرمائی۔

اُن حضرات کی خدمت میں جو کسی کتاب کی تنقید کا دائرہ اُسی کتاب میں محدود سمجھتے ہیں اور اُن کی تحقیق میں اُس سے سرِ مو تجاوز کرنا یا متعلقات سے بحث ایک ناقابل معافی گناہ ہی یہ گزارش ہی کہ فقیر کو مورد عتاب نہ قرار دیں اور چین بجبیں نہوں حصص ماقبل کو چھوڑ دیں۔ اور صفحہ ۱۶۹ سے کتاب کا مطالعہ شروع فرمائیں۔ یہ بحث پھر بھی ہو رہیگی کہ تنقید کا کیا مفہوم ہے اور اُس کے اجزاء و لوازم کیا ہیں۔ اس وقت صرف اس ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں

حافظؔ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود　　اے شیخ پاکدامن معذور دار ما را

اب میں مخدوم قوم عالی جناب **نواب حاجی محمد اسحاق خاں** صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے اشفاق و الطافِ گوناگوں نے مجھ جیسے ناکارہ و ہیچ کارہ کو اس سعادت کا موقع دیا۔

اپنی حالت تو اس شعر کی مصداق ہے ؎

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ درختِ سایہ دارم　　ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت ما را

ایک وجود معطّل ہے جو کام کرنے سے ہمیشہ گریزاں و ترساں رہا۔ جبلۃً جو کاہل و سست طبیعت میں کبھی کسی کام کی ہمت ہی پیدا نہ ہوئی۔ پھر ایسا مہتم بالشان کام جس کی نہ اپنے میں قابلیت نہ صلاحیت اس کے انجام کا کیا سامان تھا۔ لیکن ممدوح موصوف الصدر نے اپنے عنایاتِ بزرگانہ کے ایسے مینھ برسائے کہ کاہلی کے خوابِ گراں سے نفس کو مجبوراً بیدار ہی ہونا پڑا اور اپنی عادت کے خلاف کام کرنے پر یہ کہتا ہوا آمادہ ہوا ؎

بے چوں ما ہ زانو زدمی چیں لعل پیش آورد　　تو گوئی تائبم حافظؔ ز ساقی شرم دار آخر

خسرو علیہ الرحمۃ کا کلام اور اس کے احیاء پر نواب صاحب جیسا علم پرور آمادہ و کمربستہ پھر سستی اور کاہلی! توبہ!! توبہ!!!

آخر کتاب کی تصحیح لغات کا حل مشکلات اشعار کی تشریح سب سے مقدم کی گئی اس کے بعد کتاب کی تنقید تمام کی۔ پھر مقابلہ کی سخت کشاکش سے فرصت ملی۔ اب ایک تبصرۂ اجمالی خسرو کی عام شاعری کے متعلق لکھا گیا۔ آخر میں مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر اپنے کار مفوضہ سے سبکدوشی پائی۔

لیکن تصحیح کا کام ہرگز انجام نہ پاتا اور اپنے دیگر خیالات خانۂ تخیل سے ہرگز آگے نہ بڑھتے اگر ایک پیکرِ علم کی مدد فرمائی نہ ہوتی۔ یعنی مولانا **محمد احتشام الدین** صاحب ایم اے سلالۂ خاندان حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں جہاں جذبات گوناگوں رکھنے والے اشخاص پائے جاتی ہیں وہاں یہ ایک وجود علم و فن کا دالہانہ شیدا گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہوا مشرقی و مغربی مصنّفین سے محققانہ مشورہ میں محو رہا کرتا ہی۔

یہ فقیر کی بڑی خوش قسمتی ہی کہ ایسے مجسّمۂ علم سے ابتداء تعلق کالج سے آج تک مسلسل نیازمندی و ارادت کا سلسلہ قایم ہی۔ اور اُس جانب سے کرم فرمائی و ذرّہ نوازی۔

کتاب ہشت بہشت کا پہلا نسخہ جو خاص کتب خانہ کالج کا تھا مجھے جس وقت ملا تو اُس کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو کتاب اہلِ علم کی خدمت سے محروم رہی اور گروہِ کملا کی صحبت اُسے نصیب نہوئی وہ ظاہر آرا صحبتوں میں پھنسکر سیرت کی خوبی کھو بیٹھی۔ طرفہ یہ کہ کالج کا یہ نسخہ کرم خوردہ بھی تھا جس کی ہر سطر میں کوئی نہ کوئی حرف یا لفظ کیڑوں کی نذر ہو گیا تھا۔

اب معلوم ہوا کہ یہ کتاب دوبار مطبع نولکشوری میں طبع ہوئی ہی۔ میں نے لکھنؤ اپنے عزیز دوست ملک محمد علی افضل بی اے کو اس کے بھیجنے کی تکلیف دی۔

ایک ہفتہ میں کتاب پہنچی شوق کے ہاتھوں لیا اور نہایت بیتابی سے تارِ نظر سطور پر پڑنے لگے لیکن دو ہی تین اشعار کے بعد جو نااُمیدی کی تلخی محسوس ہوئی ہی اُس کا کیا اظہار کیا جائے۔ خیال گذرا کہ شاید پہلا مطبوعہ نسخہ کچھ صحیح ہوگا اب اُس کی تلاش ہوئی آخر وہ بھی ملا لیکن ایک سے دوسرا غلطی زیادہ پیش کرنے میں مستعد و آمادہ تھا۔

اب پھر خیال قلمی نسخوں کی طرف گیا ایک نہایت ہی نایاب نسخہ نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب نے اپنے خاص کتب خانہ سے عنایت فرمایا دوسرا نسخہ خمسہ کا بانکی پور لائبریری سے منگوایا۔ تیسرا کتب خانہ حبیب گنج سے حاصل ہوا اس کے بعد اور نسخے بھی رامپور، سہارنپور، حیدرآباد، دیوبند وغیرہ سے وقتاً فوقتاً ملتے گئے۔

قریب قریب ہر ایک نسخہ حسین نقش و نگار پاکیزہ حروف و نقاط سے آراستہ تھا لیکن جو جتنا حسین تھا اُتنا ہی صحت سے بعید۔ چنانچہ بانکی پور کا نسخہ حسنِ خط میں لاجواب و بے مثل دیگر

اوصافِ ظاہری میں بھی بے نظیر لیکن ایسی فاش غلطیاں اُس میں قدم قدم پر ملتی تھیں کہ حسن ظاہر بھی اُس کا بدنما معلوم ہونے لگتا تھا۔ غرض کتاب کی تصحیح کیا تھی چیونٹیوں بھرا کباب تھا۔ اگرچہ دس نسخے موجود تھے لیکن اُن کانٹوں میں سے پھول چننا میرے لیے نہایت ہی دشوار تھا آخر اپنے اُسی کرم فرما شیدائی علم وفن کی طرف دستِ استمداد پھیلانا پڑا اور اُس علم دوست نے بھی اپنے کرم کریمانہ سے اس سائل کے دامن کو اُمید سے کہیں زیادہ بھر دیا۔ تصحیح و مقابلہ نسخ کا نہ صرف طریقہ بتایا بلکہ پانچ ماہ کامل تک اپنے مشاغل علمیہ کا ایک کثیر حصہ برابر تصحیح و مقابلہ میں صرف کرتا رہا۔ میں حیران ہوں کہ اپنے مکرم کا کیونکر شکریہ ادا کروں جزاھم اللہ خیرالجزاء۔

کسی کتاب کی تصحیح واقعی طور پر جس نے کی ہوگی وہی سمجھ سکتا ہے کہ تصحیح کا کام کسقدر اہم ہے۔ کامل برس روز کی محنت کا نتیجہ ہے جو آج ہشت بہشت کا صحیح نسخہ ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ کاپی و پروف تین تین اور چار چار بار دیکھے گئے ہیں جس میں ہمارے عزیز طلبائے کالج کی یاوری کا بہت بڑا حصہ ہے۔ خاصکر سیّد منظور حسن و سیّد وصی احمد رضوی متعلم بی اے کلاس و حافظ غلام غوث کا میں تہِ دل سے دعا گو ہوں کہ ان عزیزوں نے بہت گراں بہا امداد کی ہے۔

منیجر مطبع مولانا محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی کا بھی دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے کاپی و پروف کی تصحیح میں بہت مُبالغہ سے محنت کی ہے۔ جو دیدہ سوزی و عرق ریزی کہ مولانا محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی نے فرمائی ہے کوئی منیجر مطبع تو کیا کر سکتا ہے بعض مالک مطابع و مصنفین و مولفین بھی اس دماغ کاوی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

اب باوجود اس سعی و کوشش کے اگر نقاط و حروف یا مرکز کی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو وہ بشریت کا اقتضا ہے۔ حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ یقینی طور پر وہی الفاظ ملجائیں جو خسرو علیہ الرحمہ کے قلم سے نکلے ہیں۔ اصح و انسب الفاظ متن میں رکھے گئے ہیں اختلاف نسخ علامت ن دیگر فٹ نوٹ میں لکھ دیئے گئے ہیں ؎ نشان حل کا ہے اور ن نسخہ کی علامت ہے۔

سہولت کے لیے ہندسہ بھی دے دیا گیا ہے جس نسخہ کا لفظ فٹ نوٹ میں لیا گیا ہے وہاں اُس کا حوالہ بھی حرفِ اوّل سے دیدیا گیا ہے۔ مثلاً ج علامت کتب خانہ جہانگیر آباد ریاست نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب ح علامت کتب خانہ حبیب گنج ریاست مولنا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی۔ ر علامت رام پور۔ س علامت سہارن پور۔ ب علامت کتب خانہ بانکی پور وغیرہ

خسرو علیہ الرحمہ کی تصنیف تصحیح و تنقید کی لئے چھ سو برس سے ان باہمت علم دوست حضرات کی منتظر تھی یتیمی ایسا داغ ہے جس سے سینکڑوں داغ اور بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ خسرو علیہ الرحمہ جب سایۂ بے پدری میں آئے تو انکے نانا عماد الملک نے کنارِ عاطفت میں لے لیا اور اُن کی تربیت و نگرانی میں یہ پودا نہالِ کمال بن کر پھولا اور پھلا۔

لیکن اُن کا کلام جو معنوی اولاد کہلانے کا اصل مستحق تھا سایۂ خسروی سے محروم ہوا تو کسی نے ان یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ نہ رکھا آخر نسّاخوں اور کاتبوں کی بیدردِ صحبت میں ایسے پھنسے کہ اپنے اصلی اور دلکش جوہر کو کھو بیٹھے حتیٰ کہ جوہر شناس اور نکتہ رس نگاہیں صحت و سقم کی تمیز میں مضطر و پریشان ہو گئیں۔

خدائے پاک نواب عماد الملک سید بلگرامی کا بھلا کرے جن کی علم دوست نگاہوں نے خسرو کے فرزندانِ معنوی کو اس خستہ و خراب حالت میں دیکھکر اُن کی تہذیب و تربیت کا خیال کیا لیکن یہ خیال خانہ تخیل سے آگے نہ آتا اگر شاعری اور کمال کے اصلی وارث نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب آنریری سکریٹری مدرسۃ العلوم علی گڑھ کمربستہ و آمادہ نہو جاتے۔

اس طرح کے علمی کام کا جنھیں اتفاق نہیں ہوا ہے وہ تو اُن انتھک اور حوصلہ شکن صبر آزما کوششوں کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے لیکن اگر کسی کو اس دورِ ایام میں اس قسم کے کام کرنے کا اتفاق پڑا ہے تو وہی اس کو سمجھ سکتا ہے کہ اہلِ علم کی تلاش اُن کی طرح طرح کی نازبرداریاں اور پھر نتیجہ نفی میں دیکھکر کسی اور کی جستجو میں سرگرداں پھرنا، پیہم مایوسیوں سے نہ تھکنا اور سعی کا مسلسل جاری رکھنا کسقدر اہم و معرکۃ الآرا ہے۔

زمانے کا دستور ہے باغ عالم میں دورِ خزاں کے بعد فصلِ بہار ضرور آتی ہے خوابِ غفلت میں تنگ لباسوں کے مسکنے اور آنکھ کے کاجل پھیل جانے اور زلفِ تا کمر رسیدہ کے اُلجھنے سے جو بے ترتیبی پیدا ہو جاتی ہے نیند کھلنے کے بعد دوسرے کپڑوں کا بدلنا کاجل کا پوچھنا بالوں کا سلجھانا کچھ اور نکھار پیدا کر دیا کرتا ہے۔ جس پر حسنِ خداداد کے سوا مشاطہ کی سحر آفرینیاں اور بھی ستم ڈھاتی ہیں۔ حضرت خسرو کے کلام پر جسے بے ترتیبی کی گرد نے غازۂ جمال بنکر اور بھی چمکا دیا تھا زمانہ کی غفلتوں اور اہلِ کمال کی انقلابی صعوبتوں نے اُنھیں بہت کچھ قابلِ آراستگی بنا رکھا تھا جس کا مخصوص شرف خدا نے **نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب** کے لیے ازل میں ودیعت کر رکھا تھا۔ طباع کا حسنِ صورت اور تصحیح کا حسنِ سیرت، تنقید کا ہر ہفت کرنا یہ وہ چیزیں ہیں کہ لطائف معنوی اگر اہلِ مذاق کے دل موہ لینگے تو صفائیِ طبع و عمدگی خط دکاغذ اربابِ بصر کو بھی متحیر کرنے میں کمی نہ کرینگے۔ اب اُس ارحم الراحمین سے یہ دعا ہے کہ خدا اپنے اُن بندوں کی اس علمی خدمات کو شرفِ قبول عطا فرمائے جنھوں نے اُس میں کسی نہ کسی طرح کی معاونت کی ہے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

یا رب ز جنس ما چہ خیر آید
تو کرم کن کہ رب اربابے

حررہٗ بقلمہٖ
فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہٗ
بہار شریف
محلہ میرداد
ضلع پٹنہ

۱۲ ذوالقعدہ سنہ ۱۳۳۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

مقدمہ

شاعری

مدارِجِ نطق | کائنات کا ایک ایک ذرہ جس طرح قانونِ ارتقا کا پابند ہے اسی طرح زبان بھی آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ اپنے مرتبۂ کمال تک پہنچتی ہے۔ ایک طفلِ شیرخوار جب اپنی زبان کھولتا ہے اگر اُس کی گویائی کی تدریجی ترقی کی طرف ایک حکیمانہ نگاہ ڈالی جائے تو فلسفہ بہت اچھی طرح حل ہو سکتا ہے کہ قانونِ ارتقا کی ہمہ گیری کس طرح زبان کے کامل بنانے میں جاری ہے۔

ابتدا میں بچے جب نطق سے زبان آشنا ہوتے ہیں اور اپنے جذبات اور خواہشات کا اظہار اپنے تکلّم سے کرنا چاہتے ہیں تو اُس وقت اُن کی کمزور زبانیں جن کے

یا ان اظہار مدعا کے وسائل بعض برائے نام ہوتے ہیں، صرف چند حروف پر اکتفا کرتی ہیں مثلاً
اگر بھوک نے انھیں بیتاب کردیا ہے اور دودھ پینے کی طرف طبیعت مضطر ہے تو صرف لفظ "دودو"
کا شور مچاتے ہیں اور روتے جاتے ہیں۔ اگر پیاس نے تڑپا دیا ہے تو "مم مم" کہتے جاتے ہیں اور
بابا بتاتے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر ماں کی آغوشِ شفقت نے یاد آکر بیکل کردیا ہے یا باپ کے کنارِ عاطفت میں راحت
پانے کو جی چاہا ہے تو "مم مم ب ب" کہکر اپنی دلی تمنا کا اظہار کرتے ہیں۔ اس سے دو
باتوں کا پتہ چلتا ہے ایک تو یہ کہ جو چیزیں قریب تر ہوتی ہیں اور جن کی طرف حاجت مضطر
کرتی ہے سب سے پہلے وہی چیزیں خیال میں آکر الفاظ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ دوسرے
یہ کہ ابتدائے امر میں جب کہ اظہارِ خیال پر اس قدر قدرت بھی نہیں ہوتی کہ اپنے مطلوب و
مرغوب کا کم از کم نام ہی بتا دیں تو اس وقت اس کمی کو اپنے حرکات و افعال سے پورا
کرتے ہیں۔

اب وہی لڑکا ذرا بڑھتا ہے زبان میں اس کے طاقت کچھ زیادہ ہوتی ہے والدین و
دیگر اہل خاندان کے گفتگوئیں پیہم اس کے کانوں میں پہنچتی رہتی ہیں۔ اس وقت
اس کی قوتِ آخذہ اشیاء کے اسما سیکھ لیتی ہے اور اب وہ بچہ حروف کے بجائے اظہارِ مطالب
میں اسما استعمال کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ نہ فعل ہوتے ہیں اور نہ حروف کا انضمام
ہوتا ہے۔ اگر ماں یا باپ کے متعلق اسے کچھ کہنا ہے یا خود انھیں متوجہ کرنا ہے تو صرف "اماں"
اور "ابا" کا پیارا لفظ اس کی زبان سے نکلتا ہے۔ پھر کچھ اور بڑھتا ہے اور اب اسما کے ساتھ
افعال بھی ملاتا ہے "اماں آؤ" "ابا جاؤ"۔ اس کے بعد سن تمیز کو پہنچ کر اسما، افعال و حروف

سے کامل مرکب جملے اُس کے مُنھ سے ادا ہوتے ہیں۔ تاہم ہنوز اس کے جملوں میں الفاظ کی نشست صحیح نہیں پائی جاتی ہے۔ تلفظ میں ہمواری پیدا نہیں ہوتی ہے۔ موقع و وقت کی مناسبت سے اس کی باتیں نہیں ہوتی ہیں۔ اُس کے خطاب کرنے میں فرق مراتب پایا نہیں جاتا۔ لیکن وہ اب تعلیم پاتا ہے، بزرگوں کی صحبت سے مستفیض ہوتا ہے۔ مختلف مدارج و حیثیات کے انسانوں سے اسے ملنا پڑتا ہے جن میں کوئی اُستاد ہے، کوئی دوست ہے، کوئی باپ ہے، کوئی بزرگ ہے اور کوئی خادم ہے۔ غرض ہر ایک کا اندازِ خطاب و تکلم مختلف دیکھتا ہے جس کے مطابق اپنی گفتگو میں اصلاح کرتا جاتا ہے۔ کچھ کتابوں کی تعلیم اور کچھ عملی زندگی کا سبق مل جل کر اُس کی اس کمی کو پورا کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جوان ہو کر اب وہ فرق مراتب بھی اپنے کلام میں قائم کرتا ہے اور موقع و مصلحت کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔

جس قدر تعلیم کا دائرہ وسیع اور مہذب و شایستہ صحبتوں کا اثر قوی ہوتا جائے گا اُسی قدر اُس کے الفاظ میں قوت، جملوں میں زور کلام میں حسن و دل آویزی بڑھتی جائیگی اور جس قدر الفاظ کے ذریعہ سے خیال کی ترجمانی پر قدرت بڑھتی جائیگی اُسی قدر حرکات (جو اب تک ادائے مطلب کے ایک عنصرِ اعظم تھے) کم ہوتے جائینگے اور اُن میں بھی ایک معتدل شایستگی و شان پیدا ہو جائے گی۔

اس تمہید کا مدعا یہ ہے کہ جس طرح ایک بچے کی زبان آہستہ آہستہ تمدن و تعلیم و تربیت کے سہارے درجۂ کمال کو پہنچتی ہے یہی حال ہر ایک ملکی زبان بلکہ بنی نوع انسان کی زبان کا ہے۔ انسان میں جذبات رکھے گئے ہیں اُس میں قوتِ متخیلہ کا خزانہ ودیعت کیا گیا ہے وہ

تاثیر و تاثر کا مجسمہ بنایا گیا ہے۔ گرد و پیش کی چیزیں اس کی حاجت روائی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ پس وہ ابتدا میں خیالات کی مصوری اپنے حرکات اور غیر موضوع الفاظ سے شروع کرتا ہے۔ پھر جیسے جیسے تعلیم و تمدن اس میں آتا جاتا ہے وہ الفاظ وضع کرتا ہے اور ہر مفہوم و ہر شے کے لئے ایک اسم قرار دیتا ہے۔ جب الفاظ کا ذخیرہ کافی ہو جاتا ہے اور نازپروردگی بڑھ جاتی ہے تو اس وقت الفاظ کے قالب پر نظر کی جاتی ہے۔ نفاستِ طبع الفاظ کی درستگی کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اب ان کی ثقالت و خفت دیکھی جاتی ہے، اختصار مطبوع خاطر ہوتا ہے غرض اسی طرح بتدریج زبان میں لطافت و روانی پیدا ہو جاتی ہے اور خیالات کی دھندلی تصویر الفاظ کے آئینہ میں اپنا جلوہ دکھانے لگتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان خیال کا آئینہ ہے، مگر کچھ زنگ آلود۔ انسان چاہتا ہے کہ خیالات و جذبات کی کامل ترجمانی الفاظ سے ہو جائے، مگر نہیں ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ تعلیم، تہذیب اخلاق، تمدن و سیاست اگر سب مل کر اس کی مدد کریں تو بہت کچھ اس آئینہ کا زنگ دور ہو جاتا ہے لیکن حرکاتِ اعضا و جوارح کے بغیر اس تصویر کے خط و خال واضح طور پر نمایاں نہیں ہوتے۔ الغرض انسان کی یہ کوشش کہ خیالات یا جذبات کی بعینہٖ و بجنسہٖ تصویر الفاظ کے قالب میں منعکس ہو جائے ایوانِ شاعری کے در کی کنجی ہے۔

شعر او شاعر | موزوں و مناسب الفاظ میں جو حقایق کی تصویر کشی کی جاتی ہے وہی شاعری کی سنگِ بنیاد ہے۔ شاعر خیالات، جذبات، کیفیات، محسوسات و معقولات کو یوں کہ اپنے بیان سے اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ سننے والوں کے سامنے اس کا نقشہ کھنچ جاتا ہے دلوں پر

کیفیت طاری ہوجاتی ہے اس لئے اُسے شاعر کہتے ہیں۔ اب جس قدر کلام میں یہ وصف زیادہ ہوگا اُسی قدر اُس کی شاعری کامل سمجھی جائیگی۔ لفظ شاعر کا مادّہ (یعنی حروفِ اصلیہ) ش ع ر ہیں یہ مادّہ جہاں جہاں پایا جائے گا اُس میں ظہور کے معنی کا لحاظ ضرور ہوگا۔ اس لئے عربی میں بال کو شعر کہتے ہیں جو جسم پر ظاہر ہوتے ہیں جسم سے اوپر جو کپڑا پہنا جائے اُسے شعار کہتے ہیں۔ حواس جو قوتِ مدرکہ کے سامنے موجودات کو ظاہر کرتے ہیں اُنھیں مشاعر کہتے ہیں۔ وہ کلمات جو خیال کے لئے صاف آئینہ ہوں اور واضح شکل میں خیالات کو ظاہر کریں وہ شعر ہیں۔ اسی بنا پر وزن وقافیہ کو بعضوں نے شعر کی حقیقت سے خارج رکھا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ شعر کے یہ اجزا ہیں ہی نہیں بلکہ اُس کے شرائط ہیں۔ مثلاً ؎

اکتر بھتر تہتر چوہتر پچھتر چھہتر ستتر اٹھتر

دیکھو اس میں وزن وقافیہ موجود ہے، لیکن اسے شعر کہنا کیا حماقت نہیں؟

اجزا، لوازم و شرائطِ شعر | پس باعتبارِ حقیقت شعر کے دو اجزا ہیں، دو لوازم ہیں، اور دو شرائط ہیں۔ محاکات و تخیل اجزا ہیں اکتنارِ الفاظ و مطالعۂ صحیفۂ کائنات لوازم ہیں وزن وقافیہ شرائط ہیں۔

۱۔ محاکات | محاکات کے معنی نقالی ہے یعنی جو واقعہ جس طرح دیکھا جائے یا سنا جائے یا جو اثر و کیفیت کہ دل پر گزرے اُس کو اس طرح ادا کردیا جائے کہ غائب اُسے سن کر اپنے کو حاضر سمجھنے لگے۔ لیکن صرف اسی قدر شعر ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔ مثلاً ؎

چشمانِ تو زیرِ ابرو انند دندانِ تو جملہ در دہانند

۲۔ تخیل | بلکہ محاکات کے ساتھ تخیل کا انضمام بھی لابد و ضروری جز ہے تاکہ شعر تُک بندی کا

مصداق نہو۔ مثلاً خسرو اُس حالت کو بیان کرتے ہیں جب کہ برسات میں پانی برستا ہی۔ اور درختوں کی لچک دار شاخیں پیہم پانی اور ہوا کے جھونکوں سے جھک جھک جاتی ہیں زمین پر پانی بہتا ہوتا ہی اور ان شاخوں کا لچکنا ایک خاص لطف پیدا کرتا ہی۔ اِس منظر کو امیر خسرو شاعرانہ تخیل کے ساتھ یوں دکھاتے ہیں ؎

نگوں سر شاخہاے سبز گوئی دُر ہمی چینند زبس کابر دُر افشاں لولوے غلطاں ہمی بارد

یعنی سبز شاخیں جو زمین پر جھکی پڑتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ابر نے جو بے انتہا موتی برسائے ہیں اُن کے رولنے کو جھکی جاتی ہیں۔ یا مثلاً ایک عاشق جو اپنے محبوب کی ایک ایک ادا پر مٹا ہوا ہی اور اُس کی نزاکت و لطافت پر والہانہ فریفتہ و شیدا ہی وہ کاغذ کے اُن چاک شدہ ٹکڑوں میں بھی ایک لطافت محسوس کرتا ہی جسے اُس کے معشوق نے ریزہ ریزہ کردیا ہو۔ اب وہ اپنے اس لطیف کیف کی حکایت کرتا ہی ؎

ہر کجا برگِ گلے افتادہ بینم در رہت از تو پارہ کردنِ مکتوب یاد آید مرا

یعنی اگر گلاب کی پتیاں کہیں بکھری ہوئی میں دیکھ لیتا ہوں تو مجھے مکتوب کے وہ ٹکڑے یاد آجاتے ہیں جو تیرے ہاتھوں سے چاک ہو کر برگِ گل جیسے نازک و خوشبو ہو جاتے ہیں

۳۔ اکثار الفاظ و مطالعۂ صحیفۂ فطرت | لیکن تخیل و محاکات اُس وقت تک اپنا فرض پورا نہیں ادا کر سکتے جب تک اُن کے پاس الفاظ کا کافی ذخیرہ نہو، تاکہ نازک سے نازک پہلو بھی واقعہ کا قلتِ الفاظ کے سبب چھوٹ نہ جائے یا لطیف سے لطیف جذبہ صرف الفاظ کی کم یابی کے نذر ہو کر ظاہر ہونے سے نہ رہ جائے۔ جیسے کہ بہار کا موسم جس نے دیکھا نہو

یا اُس وقت جو سرورمستی کہ دلوں پر چھا جاتی ہے اُس سے لذت آشنا نہو تو پھر بہار کے متعلق اُس کی شاعری کیا ہوگی مُنہ چڑھانا ہوگا۔ اور اگر لفظ کی بھی کمی ہو تو پھر بہار کا نقشہ کھینچنا بالکل ہی ناممکن ہو جائے گا پس حکایت و تخیل کے لئے اکثار الفاظ و مطالعہ صحیفہ کائنات لوازم میں سے ہیں۔

۴- وزن و قافیہ اب جب کہ کلام میں حکایت و تخیل مع اپنے لوازم کے پائے جائیں تو اُس وقت وزن و قافیہ کا ہونا بھی ایک ضروری شرط ہے اس لئے کہ جس اسلوب میں ایک قادر البیان فصیح اللسان اپنا کلام مخاطب کے سامنے پیش کرتا ہے جب اُنھیں اسلوبوں میں وزن کی کھچاوٹ اور قافیوں کا تناسب پایا جاتا ہے تو کلام شعر کے سانچے میں ڈھل کر مخاطب کے لئے ایک نوع کا تعجب اور تعجب کے ساتھ خوشی پیدا کر دیتا ہے، اور یہی مخاطب کے دل کی شگفتگی متکلم کے خیالات کا کامل نقش دل پر بٹھا دیتی ہے۔ مثلاً پانی برس رہا ہے عاشق سے معشوق رخصت ہو رہا ہے مدتوں بعد جو لذتِ دیدار ملی تھی یوں ہاتھ سے جا رہی ہے عاشق کی آنکھیں بے اختیار بہ نکلتی ہیں۔ جذبِ کامل و محبتِ صادق رنگ لاتی ہے معشوق کے دل پر بھی اس فراق کا صدمہ گزرتا ہے۔ اسی کو امیر خسرو یوں کہتے ہیں ؎

ابر باراں و من و یار ستادہ بوداع   من جدا گریہ کناں ابر جدا یار جدا

شعر کیا ہے واقعہ کی ایک بولتی تصویر ہے۔ ہم نثر میں ادا نہ کر سکے اور خسرو نے ایک شعر میں ادا کر دیا۔ ایک ایک لفظ پر غور کرو۔ اُس حالت و کیفیت و موقع کا لحاظ کرو۔ اور پھر شعر کی بلاغت کو دیکھو۔ بہر حال محاکات، تخیل، اکثار الفاظ مطالعہ صحیفہ کائنات، وزن و قافیہ شعر کے لئے

یہ امور بمنزلہ شئہ ضروریہ ہیں جن کے بغیر شعر کامل نہیں ہو سکتا لیکن کلام ایسا ہو جس میں جابجا بجلیاں کوندتی نظر آئیں اور اس کی ہر تجلی دلوں کو تڑپا دینے والی ہو اس کے لئے صرف شعر کا مجسمہ ہیولانی ہی کافی نہیں ہے۔ ان کے علاوہ چند اور جزئیات ہیں جن کی رعایت شعر کے حسن کو نکھار کر دل آویز و دل پذیر بناتی ہے۔ اور یہی ایک باکمال شاعر کی آخری منزل ہے اور بڑی کڑی منزل ہے۔ وہ چار چیزیں ہیں بلاغت، سلاست، اصلیت اور جوش۔

بلاغت | بلاغت تو یہ ہے کہ کلام وقت اور حال کے مطابق ہو۔ انسان میں گوناگوں خیالات و جذبات پائے جاتے ہیں کبھی غم و غصہ ہے اور کبھی مسرت و مہربانی ایک وقت بیتابی و بیقراری ہے تو دوسرے وقت راحت و سکون کبھی مستی و بیہوشی ہے اور کبھی باخودی و ہوشیاری پس جس حالت و کیفیت کا بیان ہو کلام اگر اس میں اس طرح ڈوبا ہوا ہے کہ کہنے والا کہہ رہا ہے اور سننے والے کی آنکھوں کے سامنے اس کا نقشہ کھنچا جاتا ہے تفصیل کی جگہ وضاحت ہے اور اجمال کی جگہ اختصار تو وہ کلام بلیغ کہا جائے گا۔ اور اسی کو بلاغت کہتے ہیں۔

سلاست | سلاست کے یہ معنی ہیں کہ الفاظ وہ ہوں جو روزمرّہ کے استعمال میں ہوں۔ محاورہ وہ ہو جو عام طور پر زبانوں پر جاری ہو۔ استعارہ و تشبیہ ایسے ہوں کہ سامع کا ذہن فوراً اُس طرف منتقل ہو جائے۔ اضافات کی کثرت و پیچیدگی نہو۔ ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ ہر شخص اپنے فہم و مرتبے کے مطابق برابر کا لطف اُٹھائے۔ اسی مضمون کو خاتم الشعرا غالبؔ دہلوی نے کہا ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا　　میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

صاحب عقد الفرید شعر کے محاسن بیان کرتے ہوئے آخر میں قول فیصل یہ لکھتے ہیں کہ اس باب میں سب سے بہتر زہیر ابن سلمی کا قول ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

وَاِنَّ اَحْسَنَ بَیْتٍ اَنْتَ قَائِلُہٗ   بَیْتٌ یُّقَالُ اِذَا اَنْشَدْتَّہٗ صَدَقَاً

یعنی سب سے بہتر وہی شعر ہے کہ جب تو اُسے پڑھے تو سُننے والا بے اختیار کہہ اُٹھے کہ سچ کہا۔ یہی شعر ایک جگہ حضرت حسّان انصاری کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے جس سے اس رائے کی موافقت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن فقیر کے خیال میں بہترین فیصلہ ابن رشیق کا ہے۔ سلاست شعری کی جو تصویر اُس کے قلم نے کھینچی ہے اُس سے بہتر ناممکن ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

فَاِذَا قِیْلَ اَطْمَعَ النَّاسَ طُرّاً   وَاِذَا رِیْمَ اَعْجَزَ الْمُعْجِزِیْنَا

یعنی جب شعر پڑھا جائے تو اُس کی سلاست و سادگی سے ہر شخص کو یہ طمع ہو کہ ایسا میں بھی کہہ سکتا ہوں، لیکن جب کہنے کا قصد کریں تو ادنیٰ اور اوسط کا تو کیا ذکر ہے معجز بیان بھی عاجز آجائیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابن رشیق کا یہ فیصلہ فیصلۂ ناطق ہے۔ ایک قصّہ مشہور ہے کہ مفتی صدر الدین مرحوم آزردہ کے مکان پر مومن خاں، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ وغیرہ کا مجمع تھا۔ کسی نے انھیں میں سے میر کا یہ شعر پڑھا ؎

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے   دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

ہر ایک نے قلم ہاتھ میں اُٹھایا کہ جواب اس کا لکھیں لیکن گھنٹوں گزر گئے اور قلم نے ہاتھ سے صفحۂ کاغذ تک آنے کی جرأت نہ کی۔ اسی عرصہ میں کوئی دوسرے بے تکلف دوست آگئے اُنھوں نے ایک مجمع سراپا محو استغراق دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ مومن نے کہا ہار قبل ہو، اللہ کا جواب لکھا جاتا ہے

اصلیت | اصلیت کے یہ معنی ہیں کہ جس چیز کا بیان ہو وہ باعتبار واقعہ یا شاعر کے عندیہ میں یا مخاطب کے عقیدے میں ویسا ہی ہو جیسا کہ اُس کے الفاظ اس کو کہہ رہے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو کلام کا اسی قدر نقص اُسے بے اثر بنا دے گا۔

جوش | جوش کے یہ معنی ہیں کہ شعر کو سنکر یہ اثر پیدا ہو کہ مضمون نے شاعر کو مضطر کر دیا ہے۔ شاعر مضمون نہیں لایا ہے۔ یہ وہ امور جزئیہ ہیں جن سے شعر کا آب و رنگ کھلتا ہے۔ اور زبانوں سے نکل کر دلوں کو تڑپا دیتے ہیں

فارسی شاعری

اقسام شاعری | اب آیئے فارسی زبان کے نشو ونما اور فارسی شاعری کے اوج کمال پر ایک نظر ڈالیں کتابوں میں زبان فارسی کی سات قسمیں پائی جاتی ہیں۔ فارسی، دری، پہلوی، ہروی، سگزی، زاولی، سغدی۔ ہمارے مصنفین جب ان زبانوں کی حقیقت بیان کرتے ہیں تو اُن کا اضطراب عجیب عجیب پہلو سے کروٹیں لیتا ہے۔ حالانکہ بات صرف اس قدر ہے کہ یہ تقسیم کچھ تو باعتبار اُن ملکی خصوصیات کے ہے جو بعض بعض حصص ملک میں پائے جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو شہر اور دیہات کی وجہ سے ہوئیں مثلاً ملک ہندوستان کو لو۔ یہاں ایک زبان تو وہ ہے جو تقریباً تمام ہندوستان میں سمجھی جاتی ہے اور جس سے کاروبار میں، لین دین میں، تبادلۂ خیالات میں کام لیا جاتا ہے۔ اُسے تھوڑی دیر کے لئے اُردو کہہ لیجئے لیکن جب اس کو باعتبار حصص ملک یا شہر اور گاؤں کے آپ تقسیم کیا چاہیں گے تو بے شمار اس کی قسمیں پیدا ہو جائینگی کلکتہ کی اُردو کو دہلی کی اُردو سے کیا مناسبت اور بمبئی کی زبان کا لکھنؤ کی اُردو سے کیا علاقہ۔

اُردو زبان دھلی میں پیدا ہوئی اور اسی جگہ اُس نے نشو و نما پایا اپنے آخر عہد میں یہ لکھنؤ پُہنچی اس لئے یہ کہنے کا حق ہی کہ اُردو وہی ہی جو ان دونوں شہروں میں بولی جائے لیکن اگر اُردو ایک نئی زبان نہ ہوتی تو کیا ملک کے مختلف گوشے کچھ اپنی خاص خصوصیت نہ رکھتے۔ یہ ہر زبان کا قاعدہ ہی کہ تھوڑے تھوڑے بُعد مسافت سے کچھ کچھ متغیر ہوتی جاتی ہی۔ عربی زبان جو نہایت ہی کامل زبان ہی اُس کو دیکھئے یہی اختلاف آپ کو وہاں بھی نظر آئے گا۔ اہل عرب جہاں باعتبار قبائل آپ کو باہم ایک دوسرے سے ممتاز ملیں گے وہاں اُن کے محاورے الفاظ بلکہ حروف تہجّی کے اصوات و تلفظ میں بھی ایک علیحدہ شان ہوگی پس یہی حال ایران کے اقسام ہفت گانہ زبان کا ہی۔ عہدِ قدیم میں فارس کا علاقہ کنارۂ جیحون سے فرات تک اور باب الابواب سے کنارۂ عمّان تک پھیلا ہوا تھا۔ اب یہ ظاہر ہی کہ ملک کا علاقہ جب اس قدر وسیع ہوگا تو ہر وہ گوشۂ ملک جو دوسرے ملک کے ٹکرے سے پیوستہ یا قریب ہوگا یا جن غیر ممالک کے باشندوں سے معاشرتی کاروبار میں سابقہ رہتا ہوگا اُن کی زبان کا اثر اس گوشۂ ملک کی زبان پر ضرور پڑیگا۔ پھر اُس کے ساتھ ہی ایک ایسی عام زبان ملکی ہوگی جو ہر گوشۂ ملک میں سمجھی جاسکے یا بولی جاسکے۔ اب خیال فرمائیے۔

فارسی تو وہ زبان ہوئی جو تمام ملک میں بولی جاتی یا سمجھی جاتی تھی۔

پہلوی بیرون شہر کی زبان تھی اس میں قصبات و دیہہ و درۂ کوہ کے باشندے متفق اللسان تھے۔

دری دربار کی زبان تھی جس میں صفائی اور نزاکت حروف کو گھٹا بڑھا کر پیدا کی گئی تھی

زاؔولی قندھار وغزنی وزابلستان کی گفتگو کا نام ہی۔

سگزؔی۔ یہ وہ زبان ہی جو سیستان میں بولی جاتی تھی۔ عہدِ قدیم میں سیستان کا نام سکزی تھا۔

سؔغدی۔ سمرقند کے قرب و جوار میں سرسبز و شاداب قطعہ پر ایک نامور اور آباد شہر تھا یہ زبان اُس شہر کی طرف منسوب ہی۔

ہرؔوی ہرات و ماژندران کی زبان ہی۔

قدیم و جدید زبان | جسے عہدِ قدیم کی فارسی زبان دیکھنے کا شوق ہو وہ ژند و پاژند و دساتیر کو دیکھے۔ ان کتابوں کے جو فقرات یا کچھ حصص ملتے ہیں اُن کو جب عہدِ جدید کی فارسی سے مقابلہ کیا جاتا ہی تو صاف طور پر دکھائی دے جاتا ہی کہ یہ لفظ کیوں کر کیا سے کیا ہوتے گئے محض تفننِ طبع کے طور پر ہم پانچ چار لفظ لکھے دیتے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سخندانِ فارس

فارسی	پھلوی	ژند	پاژند
انبار	ابنار	ہاں بار	ابنار
شرم	شرم	فشارما	شرم
ناسپاس	اسفاکس	.	ان سپاس
اکنوں	اکنی	.	اکنین
خان	خوانو	.	اخان

انھیں چند لفظوں کو دیکھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ تعلیم تہذیب تمدن و سویلیزیشن اس طرح

آہستہ آہستہ زبان میں تصرف کرتے رہتے ہیں کہ ایک صدی کے اولٹ پھیر کے بعد زبان کچھ سے کچھ ہو جاتی ہی۔ اہل شہر اور اربابِ علم کی زبان صفائی اور لچک رکھتی ہی۔ قریہ و دیہہ کے باشندے اپنی زبان میں سختی اور لہجے میں درشتی رکھتے ہیں ان کی ضرورتیں تھوڑی ہوتی ہیں اور ضرورت کی پوری کرنے والی چیزیں ضرورت سے بھی کم خیالات محدود، واقفیت کا دائرہ بہت ہی چھوٹا اس لئے الفاظ کا ذخیرہ بھی ان کی زبانوں میں قلیل ہوتا ہی لیکن ان کی خالص ملکی زبان ہوتی ہی۔ اس لئے شعرائے ایران کبھی کبھی پہلوی زبان کی مدح کا راگ گاتے ہیں۔ چوں کہ وہ اصلیت پر قائم ہی شہر کے باشندے تمدن کے گہوارے میں زندگی بسر کرتے ہیں نازپروردگی و تنعم ضروریات روز افزوں کرتی رہتی ہی تبادلۂ خیالات سے دماغ میں وسعت پیدا ہوتی ہی، علمی مضامین صیقل و جلا کرتے رہتے ہیں۔ اسی سے الفاظ کا اکتار رہتا ہی اور اُن میں لطافت پیدا ہوتی ہی۔ پس شعرا جب زبان کی لطافت و نزاکت کا خیال کرتے ہیں تو دری زبان کی ثنا میں رطب اللسان پائے جاتے ہیں۔ نظامی فرماتے ہیں

نظامی کہ نظمِ دری کارِ اوست　　چنیں نظم کردن سزاوارِ اوست

اُردو کی مثال اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہندوستان کی سرزمین میں جب اُردو پیدا ہوئی ہی اُس وقت کے الفاظ کو دیکھئے پھر جو اُن میں تغیر پیدا ہوا اُس کو دیکھئے مثلاً سوں بجائے سے۔ ہمن کو بجائے ہم کو۔ نمن بجائے طرح یا مثل۔ بھیتر بجائے اندر اسی طرح جب انگریزی سلطنت مع اپنے تمدن و علوم کے ہند پر حکومت کرنے لگی تو کتنے لفظ نئے داخل ہو کر اُردو کے وسیع کرنے والے ہوئے اور کتنے الفاظ کے مفہوم و معنی

متغیر و متبدل ہو گئے مثلاً گلاس، لالٹین، فلالین، کوچبان وغیرہ یہ سب لوگ رپ سے آئے ہوئے ہیں جنہوں نے ہندی لباس پہن لیا ہے۔

تغیر معنی کی مثال کوٹھی پہلے مہاجنوں اور تاجروں کی کاروبار کی جگہ کو کہتے تھے اب اس کے زیادہ مستعمل معنی ایسے مکان کے ہیں جس میں یورپ کی شان باعتبار ساخت و آرائش ہو۔ صاحب ایک تعظیمی لفظ تھا معزز القاب کے ساتھ بولا جاتا۔ مولوی صاحب خانصاحب اب اس کے معنی یوروپین یا ہندی یوروپین وضع و معاشرت رکھنے والا۔ اسی طرح تعلیم یافتہ کے اصلی معنی ظاہر ہیں لیکن اب اس کا اطلاق انگریزی داں پر ہوتا ہے بشرطیکہ کچھ مغربیت کی اداؤں پر فریفتگی رکھتا ہو۔

غرض جس طرح اردو زبان امتداد زمانہ و انقلاب حالات سے متغیر ہوتی رہی اسی طرح ایران کی زبان بھی موقع بموقع متبدل ہوتی گئی۔ اگر تحقیق کی نظر سے اُن اوراق کا مطالعہ کیا جائے جو جابجا بکھرے ہوئے اب بھی پائے جاتے ہیں تو صاف طور پر یہ واضح ہو سکتا ہے کہ ایرانی زبان بھی ٹھیک اُسی طرح جیسا کہ ایک طفلِ شیرخوار ہوں ہاں غوں غاں سے دیباچہ اپنی گویائی کا شروع کرتا ہے فارسی زبان بھی اپنے عہدِ طفلی کی منازل کو طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی جاتی ہے۔ لیکن مرتبۂ کمال تک پہنچنے کے لئے شاعری کی محتاج ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ زبان میں اصلی حسن و خوبی اور نزاکت شاعری سے پیدا ہوتی ہے۔ اور کلام شعر کے ہی سانچے میں ڈھل کر سچا اور صحیح فوٹو جذبات کا ہوتا ہے پس اس کے لئے زبان فارسی ہمہ تن عربوں کے مبارک قدم کی منتظر معلوم ہوتی ہے۔

فارسی شاعری پر عربی شاعری کا اثر | اس میں شک نہیں کہ بعض محبانِ ایران کو یہ بات تلخ

گزرتی ہے کہ عرب کو شاعری میں ایران کا اوستاد کیوں کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ واقعہ یوں ہی ہے۔ پس مجبوری ہے۔ بعضوں نے اس ثبوت میں جو متفرق اشعار یا بعض مصطلحات شعریہ پیش کیے ہیں وہ خود اُن کے ردِ دعویٰ کے دلائل ہیں یا شہادت میں ناقص۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے بہرام نے اور اُس کی معشوقہ نے مل کر ایک شعر برجستہ موزوں کیا تھا، اور یہی شعر سنگِ بنیاد ایران کی شاعری کا ہے۔ بہرام نے جب ایک شیر کو زندہ پکڑ لیا اور اُسے اس قدر زیر و مجبور کیا کہ دونوں کانوں کو اُس کے کھینچکر گرہ باندہ دی تو بہادری کے جوشِ فخر میں بے ساختہ اُس کے مُنھ سے یہ مصرع نکلا

منم آں پیلِ دماں و منم آں شیر یلہ

اُس کی معشوقہ جو بہت ہی حاضر جواب تھی اور جو ہمہ دم اُس کے ساتھ رہتی تھی اُس کی طرف بہرام نے ایک نگاہ تحسیں طلب ڈالی۔ اُس نے برجستہ یہ مصرع کہا

نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ

اگر اس واقعہ کو بعینہٖ اسی طرح مان لیا جائے تب بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لفظِ بوجبلہ عرب کی اوستادی کا کیا ثبوت نہیں دے رہا ہے؟ اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ بہرام نے دیارِ عرب میں پرورش پائی تھی اور مصرع یوں ہے نام بہرام مراد پدرم بوجبلہ یوں ہی سہی۔ پھر بھی تو مجیب نے عرب کی اُستادی ہی ثابت کی۔

اس کے علاوہ چند اور متفرق اشعار ہیں۔ من جملہ اُن کے ایک یہ شعر ہے ؎

هزبرا بگیہاں انوشہ بدے　　　جہاں را بدیدار توشہ بدے

اِس کے متعلق ہمدردانِ ایران یہ روایت کرتے ہیں کہ عضدالدولہ دیلمی کے عہد میں بعض جو عمارتیں قصرِ شیریں کی قائم تھیں اُن کے کسی دروازہ پر یہ شعر کندہ تھا۔لیکن اس شعر کا انداز خود اپنی قدامت سے انکار کرتا ہے۔ یہ دعائیہ شعر اور عمارت کے در پر کندہ۔ یہ تو موزوں فقرات ہیں جو شعر کے قالب میں لائے گئے ہیں۔اہل ایران حضور شاہ میں انھیں فقرات سے سلام و تحیۃ پیش کرتے تھے۔

اسی طرح خانِ آرزو کا یہ کہنا کہ "سلاطینِ قدیمہ میں سے فرہوش نام ایک عالی شان بادشاہ تھا اس کے دربار میں گروہِ کثیر اہل سخن کا حاضر رہتا تھا۔ ان میں سے شیدوش شاعر نے ایک موقع پر بادشاہ بیگم کے حق میں کہا ؎

زنِ شاہ ہست درداوَر گردا   گوزر گرد ندارد بیم از کس

(زبانِ قدیم میں درداوَر بمعنی شجاعت۔گردا بمعنی سمندر۔گوز بمعنی ہرن) یعنی بادشاہ بیگم شجاعت میں سمندر ہے ہرن کی طرح پھرتی ہے اور کسی سے نہیں ڈرتی"۔فارس جیسا ملک جس میں چار سلسلے سلاطین با آئین کے گزر گئے اور ایسے شان و شکوہ کے ساتھ سلطنت کر گئے جس کی باتیں آج افسانے ہیں علوم و فنون اس کے یونان و روما کا پہلو مارتے ہیں۔گلزار زمین، خدا داد حُسن تفریح کے سامان اور عیش و طرب میں پرستان طبیعتیں زندہ اور شعر کی قوت یہ۔شاہی دربار کا شاعر بادشاہ بیگم کی مدح سرائی کرے اور وہ مدح ایسی ہو اگر ایران جیسے ملک کے لئے ایسی شاعری مایۂ ناز و فخر ہے اور ملک کی سرسبزی و شادابی آب و ہوا کی تازگی و ولولہ انگیزی نے اسلام سے قبل ایسے ہی شاعر دربار شاہی کے لئے

پیدا کئے تو کسی کو اس کے ماننے میں کوئی عذر نہیں کہ ایران ہمیشہ سے شاعر تھا۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھائیے تو دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ ملے گا جو ایسے باکمال شاعر ہر وقت تعداد کثیر میں پیش نہ کردے۔ یادش بخیر قوم افغان جو آج ہند کے مختلف گوشوں میں آباد ہے اُس میں رامپور کے بے پڑھے پٹھان چار بیتی کہتے ہیں۔ وہ سماں دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ پھر ہر فریق جو کچھ کہتا ہے وہ ان اشعار سے کہیں زائد پُرمعنی ہوتا ہے۔

افسوس ایران کو عربوں کا شاعری میں شاگرد کہنا اُس کے پایۂ منزلت کو کچھ کم نہیں کرتا ہے۔ لیکن ایسے باکمالوں کا کلام اور پھر شعرا کی فہرست میں اُن کے اسمار کا شمار بیشک اُن کی شان کے منافی ہے۔ یہ خان آرزو کی ذاتی آرزو ہے جس نے چند متروک لفظوں کے ساتھ شعر کی صورت میں ظہور کیا ہے۔ دیکھئے ارباب یورپ کی جستجو نے پہلوی زبان کی متعدد کتابیں بہم پہنچائیں۔ جو علوم و فنون کہ ایران میں تھے اُن کا نہ صرف سُراغ ہی ملا بلکہ حکما و ارباب فن کے اقوال و اسمار تک معلومات کی رسائی ہوئی۔ لیکن نظم کے متعلق نہ تو ایک شعر مل سکا نہ کسی شاعر کا نام ہی معلوم ہو سکا۔ کیا زبان قدیم اور علوم و فنون تو اپنا نشان دینے کے لئے زندہ رہ گئے مگر فنِ ادب و انشار کا بہترین سرمایہ لٹریچر کا نادرالوجود گنجینہ (یعنی نظم)، خود قوم کے گنج خانۂ دماغ اور اہل وطن کے حافظوں سے اس طرح محو و سہو ہو گیا کہ ایک دھندلا سا نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ پس جس طرح ایران عربوں سے مفتوح ہونے کا انکار نہیں کر سکتا اُسی طرح اُن کے اس احسان کو بھی مٹا نہیں سکتا کہ دینِ صحیح کی تلقین کے بعد شاعری بھی فاتح و جواد عرب کا ہی عطیہ ہے۔

دوسری بدیہی دلیل یہ ہے کہ شاعری زبان کو بہت جلد تراش خراش کر گھٹا بڑھا کر مہذب و نازک بنا دیتی ہے۔ ایران پر چار خاندانوں نے مسلسل صدیوں تک حکومت کی میدانِ کارزار کی جوگرما گرمی رہی وہ شاہنامہ سے ظاہر ہے۔ شاہنامہ جہاں اُن کے طرزِ جنگ و فنِ سپاہگری کو بتاتا ہے وہاں وہ ایران کا دائرۃ المعارف یعنی انسائکلوپیڈیا کہے جانے کا بھی مستحق ہے۔ اہلِ ایران کی معاشرت باہمی تعلقات مآکل و مشارب لباس و پوشاک ان سب کا جہاں اُس سے سُراغ ملتا ہے وہاں شاعری کا نام و نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ جس عہد کی داستانیں ہیں اُس وقت کے کسی شاعر کا ذکر بلکہ اسم تک نہیں پایا جاتا۔ پھر خود شاہنامہ کی زبان ایسی ہے جس میں بہت کچھ سختی و سنگینی ہے جس کو فردوسی سے بعد آنے والوں نے بنا سنوار کر اُس درجہ تک پُہنچایا جہاں پُہنچ کر وہ مسندِ کمال پر مستقر ہو گئی اور یہ ساری ترقی چوتھی صدی سے شروع ہو کر پانچویں صدی پر ختم ہو جاتی ہے۔

دورِ اوّل کے شعرا کے کلام کو پڑھئے بندش ڈھیلی الفاظ پھس پھسے۔ بے ضرورت حروف کا بڑھنا گھٹنا بے قاعدہ متحرک کو ساکن ساکن کو متحرک بنا دینا نہایت بے موقع لفظ فارسی کو مشدد کر دینا آپ جا بجا پائیں گے۔ اُس پر الفاظ کا ثقل اور بھی غضب ڈھاتا ہے۔ اضافتِ تشبیہی کا نام نہیں استعارہ خال خال جس میں کوئی ندرت نہیں اگر وزن کو توڑ دیجئے تو ڈھیلی عبارت نثر کی ہو جائے۔ شعر میں وہ چستی نہیں کہ الفاظ تھوڑے اور معنی وسیع کو محیط۔ یعنی ایک شعر کا مضمون اگر نثر میں لایا جائے تو دو سطریں ہوں یہ سب اس امر کے بین ثبوت ہیں کہ ابھی شاعری کی مشقِ اوّل ہے زبان ترقی پا کر شاعری تک آ گئی لیکن شاعری

اپنے عہد طفولیت میں ہی۔ اس سے بھی بڑھکر یہ ثبوت ہی کہ اس وقت جو کلام دوراوّل کے شعرا کا پایا جاتا ہی اُس میں اگر کوئی شعر اپنے معنی کی وجہ سے بلیغ ہی تو وہ بعینہ ترجمہ کسی عربی شعر کا ہی۔ اس کثرت سے عربی اشعار کا ترجمہ قدیم شعرائے ایران کے کلام میں پایا جاتا ہی جس سے بعضوں کو یہ شبہ ہوا کہ ابتدائی مشق اس طرح شعر کی گئی ہی کہ عربی اشعار کو فارسی میں ترجمہ کیا ہی۔ پھر اُسے نظم میں لے آئے ہیں۔ اگر شاعری ایران میں قبل از اسلام موجود ہوتی تو ناممکن تھا کہ جہاں عرب کے کلام کو منظوم کیا تھا وہاں اپنے شعرائے سلف کے کلام کو بھی موجودہ زبان کا لباس نہ پہناتے۔ دیکھئے کعب ابن زہیرؔ جو عرب کے مشہور شعرا میں سے ہیں سبعۂ معلقہ کے سات قصیدوں میں سے ایک ان کا قصیدہ بھی ہی وہ ایک شعر میں کہتے ہیں ؎

مَا اَرَانَا نَقُوْلُ اِلَّا مُعَارًا ۔۔۔ اَوْ مُعَادًا مِنْ قَوْلِنَا مَکْرُوْرًا

یعنی ہم جو کہتے ہیں وہ اگلوں سے مستعار لیا ہوا خیال ہوتا ہی یا اپنے ہی ایک بار کے کہے ہوئے کو پھر دوہرا دیتے ہیں۔ جیساکہ شراب کی مدح میں اعشیٰ کا ایک شعر ہی ؎

وَکَاسٍ شَرِبْتُ عَلٰی لَذَّۃٍ ۔۔۔ وَاُخْرٰی تَدَاوَیْتُ مِنْہَا بِہَا

یعنی پہلا ساغر تو میں نے لذت و سرور کے لئے پیا، لیکن دوسرے جام سے اُس درد کی دوا کی جو پہلے پیالے سے پیدا ہوگیا تھا۔ اسی مضمون کو بغداد کا مشہور شاعر ابو نواس عجب مستانہ طرز سے ادا کرتا ہی ؎

دَعْ عَنْکَ لَوْمِیْ فَاِنَّ اللَّوْمَ اِغْرَاءٌ ۔۔۔ وَدَاوِنِیْ بِالَّتِیْ کَانَتْ ہِیَ الدَّاءُ

یعنی ملامت کرنا چھوڑ اس لئے کہ ملامت شراب نوشی پر تو اور بھی برانگیختہ کرتی ہی۔ ہاں جو مرض ہی اُسی سے دوا کر (یعنی شراب لا) اسی ابو نواس کا دوسرا شعر وہ ہی جو اُس نے فضل بن ربیع کی شان میں کہا تھا جس میں بلا کا اچھوتا تخیل ہی ؎

لَیسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُستَنکَرٍ   اَن یَّجمَعَ العَالَمَ فِی وَاحِدٍ

یعنی قدرت خداوندی کے نزدیک یہ کیا محال ہی کہ وہ ایک شخص واحد میں ایک عالم کو جمع کر دے۔ بغداد کی گلی گلی میں اس شعر کا چرچا پھیل گیا۔ لوگوں نے ابو نواس سے پوچھا کہ یہ نادر خیال تمھاری قوتِ متخیلہ نے کیوں کر پیدا کیا۔ اُس نے کہا کہ جریر کے ایک شعر سے یہ مضمون ماخوذ ہی۔ اُس نے قبیلہ بنو تمیم کے مدح میں جو قصیدہ کہا ہی اُس کا ایک شعر یہ ہی ؎

اِذَا غَضِبَت عَلَیکَ بَنُو تَمِیمٍ   حَسِبتَ النَّاسَ کُلَّھُمُ غِضَابَا

یعنی جب تم سے بنو تمیم غصہ ہو جائیں تو سمجھ لو کہ تمام بنی آدم تم سے غصہ ہو گئے۔ اب اسی مضمون کو عنصری کہتا ہی ؎

کس از خدا نے ندارد عجب اگر دارد   ہمہ جہان را اندر یکے تنِ تنہا

کیا یہ ابو نواس کے شعر کا ترجمہ نہیں کیا اس کی بندش ڈھیلی نہیں۔ پورے شعر میں ابو نواس کے جس قدر الفاظ ہیں اُس قدر یہاں ایک مصرع میں موجود ہیں پس اگر ایران میں شاعری پہلے سے ہوتی تو جس طرح ابو نواس نے جریر یا اعشیٰ کے شعر سے ایک مطلب لیکر اپنی چست بندش سے شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اسی طرح اہلِ ایران بھی اپنے اسلاف کے کلام کو بلند کر دکھاتے۔ لیکن جب کہ اسلاف کا خزانہ اس گنج سے خالی ہو تو یقیناً دوسروں

کی طرف دستِ تمنا دراز کرنا ہوگا۔ اسی بنا پر انوری نے اپنے محسن و معطی کی سپاس گزاری اور اُن کی تقلید و تلمذ کا نہایت فراخ حوصلگی سے اقرار کیا ہے وہ کہتا ہے ؎

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود اولِ شاں امرالقیس آخرِ شاں بونواس

اب صرف اس امر کو مقام دلیل میں لانا کہ اصنافِ سخن کے لئے اصطلاحیں خالص فارسی لغات میں موجود ہیں یہ اسلام کی بے تعصبی و نصفت پسندی سے چشم پوشی کا نتیجہ ہے۔ اسلام نے کبھی کسی کے مذہب یا زبان سے تعرض نہیں کیا۔ یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے جو براہین و دلائل کا محتاج نہیں ع

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

لیکن اب اس کو کیا کیا جائے کہ خود ہی باطل صدق و حق میں آہستہ آہستہ جذب ہوتا گیا۔ اور اس طرح ایرانی مذہب نیست و نابود ہو کر تقریباً ایرانی مسلم کا مرادف ہو گیا۔ اسی طرح عربی زبان (جو بولتی زبان ہے) اپنی گویائی و نطق سے بے معنی صداؤں کو خاموش کرتی گئی۔ اُس وقت کہ اسلام کا مبارک قدم ایران میں آیا ہے اُن کی اپنی زبان پوری قوت کے ساتھ زندہ تھی۔

فارسی میں اصطلاحات شعریہ

اسلام کی بے تعصبی اور زبان کی زندگی دونوں نے مل کر اہل ایران سے اصطلاحات وضع کرائیں۔ فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ایران فتح ہوا۔ اُس وقت سے لیکر ابتدائے عہد حجاج تک دفتر کی زبان فارسی رہی۔ دفاتر جب خلیفہ کے سامنے معائنہ کے لئے پیش ہوتے تو اُن کا ترجمہ عربی میں ہو کر ملاحظہ کے لئے آتا۔

خدا کی بے شمار رحمت اُن نفوسِ قدسیہ پر جنھوں نے براہ راست بارگاہ نبوت سے تزکیہ و تصفیہ حاصل کیا تھا جس کی بدولت ان میں اس قدر بے تعصبی و شفقت علی الخلق پیدا ہو گئی تھی۔ اُن کے حوصلے کی بلندی و دماغ کے وسعت نے کبھی اس طرح کی تنگ خیالی کا وہم بھی ہونے نہ دیا۔ یہ تو صرف عربی زبان کے ذاتی محاسن و کمال کا نتیجہ تھا جو فارسی زبان نے غریب الوطن بدیسی عربی مہمان کو اس فراخ دلی سے اپنے ہم وطن جیسا بنا لیا۔ حکومت عربوں کی تھی عمال و گورنر عرب ہی ہوتے تھے۔ رعایا کو آئے دن جو ضرورتیں پیش آتی تھیں اُن کے انصرام کے لئے نیز حکام کے ساتھ تعلقات و روابط کو صحیح طور پر مستحکم بنانے کے لئے عربی سیکھنے کی اُنھیں ضرورت پیش آئی۔ جب عربی کی تعلیم شروع ہوئی اور اس زبان سے اہل ایران مانوس ہوئے تو اُس کے ہر لفظ میں جو فلسفہ تھا اُس کی خوبی نے انھیں اپنا والہ و شیدا بنا لیا۔ اب جو دیکھا تو عربوں کے پاس اظہار جذبات کا فوٹو بھی تھا جسے وہ شاعری کہتے تھے۔ فارسیوں نے زبان عربی کے ساتھ اس نقاشی اور فوٹو گرافی کو بھی سیکھنا شروع کر دیا۔ اہل ایران کے لئے شاعری ایک عجیب و غریب شئے تھی جس کی لذت سے قبل میں وہ قطعاً آشنا نہ تھے۔ پس ملک کے ہر فرد کو اس کی حقیقت سمجھانے کے لئے تعلیم یافتہ اشخاص نے اُسی وقت فارسی زبان میں ہر صنفِ سخن کے لئے ایک علیحدہ اسم قرار دیا اور اس طرح اصطلاحاتِ شعریہ کا وجود عالمِ لغت میں آگیا۔ نظم کا نام "چامہ"، نثر کا "چکامہ"، غزل کا "پیوستہ" قصیدہ کا "پرگندہ"، وزن شعر کا "پساوند" اسم و رسم قرار پایا۔ لیکن عربی زبان کا ایک ایک لفظ جو فلسفہ و حکمت سے لبریز تھا اور جس میں اپنی وسعت و حلاوت کے سبب یہ کمال تھا

کہ ہر طرح کے خیالات بلاتخصیص بہت سہولت سے پوری طرح ادا ہو جاتے تھے۔ اُس نے اپنی حلاوت و شیرینی سے بہت سے مواقع پر فارسی کے لب بند کر دیے اور بہت سے الفاظ فارسیہ اُس کے وسیع دامن میں گم ہو گئے۔ جب میزبان و مہمان باہم شیر و شکر ہو کر مل گئے تب روزمرہ کی گفتگو میں بھی چاشنی الفاظ عربی کی ہوئی۔ وہ کلام بے نمک ہوتا، وہ تقریر بے مزہ ہوتی جس میں عرب و عجم کی آمیزش نہ ہوتی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اب اپنی زبان کے الفاظ ایک معتدبہ مقدار میں اُن سے متروک ہو گئے اور اُن کی جگہ صرف عربی الفاظ رہ گئے۔ اب نہ نظم کا نام چامہ رہا نہ نثر کا چکامہ۔ ہاں ان مصطلحات کا وجود صرف لغات میں مثل دیگر متروک الفاظ کے رہ گیا۔ اب باوجود ان قرائنِ واضحہ کے پھر بھی یہ دعویٰ اور اس پر غلو کہ ایران میں شاعری پہلے سے تھی یہ تو محض خوش اعتقادی و وہم پرستی اور دَورِ آخر کے تعصب کا نتیجہ ہے جس کے سامنے تمام دلائل بے سود ہیں۔

آب و ہوا کا اثر شاعری پر ہاں یہ ضرور ہے کہ ایران میں جب شاعری آئی تو اس نے یہاں پہنچکر نئی نئی حسین شکلیں پیدا کرلیں اور ملک کی آب و ہوا نے اپنی شادابی و تازگی سے بہت جلد فارسی شاعری کو ایک عروسِ دل آرا بنا دیا۔ لیکن پھر بھی بعض خصوصیاتِ عرب ایران میں نہ آسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعری پر ملک کی آب و ہوا کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے جو چیزیں کہ نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں اور خصوصیات ملکی جس طرح کے جذبات و کیفیات قلوب میں پیدا کیا کرتی ہیں اُسی کو شاعری کا مایۂ خمیر سمجھنا چاہیے۔ اِس لئے ہر ملک کا باشندہ اپنے پسند کا معیار جداگانہ رکھتا ہے۔ ایک ہندی عاشق زلفِ معشوق کی

تشبیہ و توصیف میں بھونرے اُڑاتا ہی، برسات کی رات اور کالی گھٹا کو اُس کا عکس بتاتا ہی۔ عرب نے غال یعنی کو ئلہ کو شرمندہ کرتا ہی۔ جی چاہتا ہی تو عنبر و مُشک سے بھی دماغ معطر کر لیتا ہی۔ ایرانی سنبل سُنگھاتا ہی۔ اہل یورپ سونے کو مقابل میں لاتے ہیں۔ یہ اپنے اپنے ملک کی خصوصیتیں ہیں قاعدہ ہی کہ جس چیز سے انسان کو راحت ملتی یا فرحت و انبساط حاصل ہوتا ہی تو اُس چیز کے ساتھ ایک گونہ دل کا لگاؤ ہو جاتا ہی۔ پھر جب کہ وہ چیزیں اپنے ہی ملک کی ہوں تو پھر دلی میلان کا کیا پوچھنا۔ دیکھئے عرب کا ملک ریگستان اور کوہستان ہی۔ پتھریلی خاکی، ہموار ناہموار نشیب و فراز متعدد اقسام کی زمین اُس میں تھی۔ پھول اور پھل کے درخت کا وہاں نام تک نہ تھا۔ جو درخت پائے جاتے تھے وہ روکھے سوکھے اور اکثر خار دار تھے۔ زراعت کے لئے نہ زمین قابل تھی، نہ پانی میسر تھا۔ عربوں کا اسی ملک میں رات دن رہنا سہنا اور خانہ بدوش پھرنا کام تھا۔ قدرت نے ان کے زندہ رہنے کے لئے دو چیزیں دے دی تھیں۔ حیوانوں میں اونٹ اور نبات میں کھجور۔ انھیں دو چیزوں سے عربوں نے ہر طرح کے سامان عیش و حیات اپنے لئے پیدا کر لئے تھے۔ دشوار گزار کوہستانی و ریگستانی منازل کو اس عجیب الخلقت جانور کی مدد سے طے کرتے تھے اس کی اُون سے کپڑے بناتے اس کی کھالوں کا خیمہ بنتا اس کے دودھ سے پورا کنبہ پرورش پاتا۔ ذبح کر کے اس کے گوشت سے پورے قبیلہ کی دعوت کرتے اور دادِ سخاوت لیتے۔ یہی حال کھجور کا تھا۔ اُس کو کھاتے اُس کے شیرے سے ہر طرح کی شیرینی بناتے اُس کی شاخوں سے مکان چھاتے اُس کو کاٹ کر ستون بناتے

غرض یہ اونٹ اور کھجور چونکہ عربوں کی ہر طرح کی راحت کا سامان تھے اور ان کا کوئی جز اُن کے لئے بے کار نہ تھا اس لئے اُن کے کلام میں ان دونوں کے لئے بکثرت لغات وضع ہوئے۔ استعارے اور تشبیہ میں ان دونوں سے کام لیا گیا۔ ان دونوں کی مدح میں طرح طرح کے راگ گائے گئے۔ یہ سب اس لئے کہ ان دونوں نے عربوں کو بہت ہی آرام پہنچایا تھا اور خود اُنکے ملک کی چیزیں تھیں پھر کیا وجہ جو عربوں کو محبوب نہ ہوتیں۔ عرب کی آب و ہوا جس طرح کے جذبات دلوں میں پیدا کرتی ہے وہی شعرائے عرب کے گلزارِ کلام کا شگفتہ چمن ہے اب اگر کسی ملک کا باغ اس تختۂ چمن سے محروم ہو تو یہ کون سے تعجب کا مقام ہے۔

اقوام و امم کا مورخ جب عرب کی وادیوں میں قدم رکھتا ہے تو اُسے عربی قوم کے خون کا نظام تمام اقوام عالم سے جدا اور غرت و شرافت انسانی سے مالا مال دکھائی دیتا ہے۔ آزاد عرب حریت کے والہ و شیدا شجاعت و سخاوت کے دلدادہ جفاکشی و محنت کے عادی غیرت و حمیت کے فدائی کاہلی و بزدلی سے نفور بخل و دناءت سے بمراحل دور۔ غرض یہ کہ محکومیت کے شکنجے سے مامون رہ کر آزاد زندگی بسر کرنے والے اور فضائے حریت میں جذباتِ فطری کو نشو و نما دینے کے عادی تھے۔ ہمت کی وہ پستی اور حوصلے کی وہ تنگی جو مسلسل محکومیت سے قوم میں پیدا ہو جاتی ہے اُس سے قطعاً آشنا نہ تھے۔

اس لئے ایام جاہلیت کے قصائد دوسروں کی تعریف میں بہت کم ہیں اور جو کچھ ہیں وہ ممدوح کے واقعی اوصاف کے مظاہر ہیں۔ حرص و آز عرب کی قوتِ بیانیہ کو جنبش دے نہیں سکتے تھے۔ جیسا کہ بنو تمیم نے جب کہ ایک شاعر جاہلیت سلامہ بن جندل کے سامنے یہ درخواست

پیش کی کہ مجدنا بشعرک یعنی اپنے اشعار مدحیہ سے مجھے عزت بخش تو اُس نے نہایت صفائی سے یہ جواب دیا کہ اِفعلوا حتّٰی اَقُولَ یعنی کچھ کر دکھاؤ تو ہم بھی کچھ کہیں۔

عربی شاعری کی بنیاد کمالات ذاتی پر ہے

عرب کی شاعری ہمیشہ اس عیب سے پاک و صاف رہی کہ اُس کی فصاحت و بلاغت اور اُس کا جوشِ بیان سلاطین و امرا کے خوف و طمع سے مرعوب و مرہون نہ رہا۔ عربوں میں شاعری کی ابتدا رجز خوانی سے ہوئی اور یہ صنفِ کلام کمالاتِ ذاتی چاہتی ہے، نہ تنا لیے ملوک و اہل دول۔ اس لئے شعراے عرب کے قصائد اُن کے محاسن و فضائل کے روشن آئینے ہیں جن میں جوہر ذاتی کے تمام خط و خال جھلک رہے ہیں اور اُن پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

نے گلم نے بلبلم نے شمع نے پروانہ ام　　　عاشقِ حسنِ خودم بر حسنِ خود دیوانہ ام

عربی شاعری اسی پیمانے پر اُس وقت تک رہی جب تک عرب کا تمدن ایران کی دل فریب معاشرت سے ہم آغوش نہ ہوا۔ دیکھئے عرب جب بے یار و مددگار رہ جاتا ہے اور حوادثِ دہر اُس سے خویش و اقارب احباب و اعزہ کو چھین لیتے ہیں تو وہ اپنی اُس بیکسی و تنہائی کو بھی اپنی اُسی شجاعت و خودداری عزم و استقلال کے لہجے میں بیان کرتا ہے ؎

ذَهَبَ الَّذِينَ اُحِبُّهُمْ　　　وَبَقِيتُ مِثْلَ السَّيْفِ فَرْدًا

(جن لوگوں کو میں دوست رکھتا تھا۔ وہ سب کے سب چل بسے اور میں مثل تلوار کے تنہا رہ گیا)

اسی طرح مصیبت کے وقت دوسروں کا دست نگر ہونا یا مضطر و بے قرار ہو کر اپنے پایۂ استقامت کو متزلزل کرنا عرب کی غیور طبیعت گوارا کر نہیں سکتی وہ شرافتِ نفس کو بدرجۂ غایت عزیز

رکھتا ہی اور حریت جیسے گراں مایہ جوہر کو سنگِ مصائب و اضطرار سے چکنا چور ہونے نہیں دیتا وہ کہتا ہی ؎

فَلَوْ کَانَ یُغْنِی اَنْ یُّرَی الْمَرْءُ جَازِعًا　　بِحَادِثَةٍ اَوْ کَانَ یُغْنِی التَّذَلُّلُ

لَکَانَ التَّعَزِّیْ عِنْدَ کُلِّ مُصِیْبَةٍ　　وَنَائِبَةٍ بِالْحُرِّ اَوْلٰی وَاَجْمَلُ

[اگر نزول حادثہ کے وقت مرد کا مضطر ہونا یا لوگوں کے روبرو ذلیل ہونا مفید معلوم ہو۔ تب بھی آزاد مرد کے لئے مصیبت میں صبر ہی زیبا تر و لائق تر ہی]

جنگ کی گرما گرمی میں جب کہ تلوار اور نیزوں کی چمک تیروں کی بارش لڑنے والوں کو فرار کی راہ بتا رہی ہو اُس وقت عرب کا شاعر یوں کہتا ہی ؎

فَلَسْنَا عَلَی الْاَعْقَابِ تُدْمٰی کُلُوْمُنَا　　وَلٰکِنْ عَلٰی اَقْدَامِنَا تَقْطُرُ الدِّمَاءُ

(یعنی ہم وہ نہیں ہیں جن کی ایڑیوں پر خون بہے۔ بلکہ ہمارے خون کے قطرے بہہ کر قدم پر گرتے ہیں)

عرب جس طرح کہ تذلیل نفس اور جُبن و بزدلی کو اپنی شان کے خلاف جانتا ہی اُسی طرح بخل و مال اندوزی اُس کے علو ہمتی و شرافت عربی کے خلاف ہی۔ اُس کو مالکِ گنج و خزانہ کہنا اُس کی سخت توہین کرنی اور کھلی گالی دینی ہی ؎

اَعَیَّرْتَنَا اَلْبَانَهَا وَلُحُوْمَهَا　　وَذَالِکَ عَارٌ یَا بْنَ رَیْطَةَ ظَاهِرٌ

(ہم پر اونٹوں اور اُن کے دودھ و گوشت کے بکثرت ہونے کا تو نے عیب لگایا ہی۔ اے ابن ریطہ اُس کا مصرف جب ہم بیان کرینگے تو تیرا یہ الزام جاتا رہے گا)

نُحَابِیْ بِهَا اَکْفَائَنَا وَنُهِیْنُهَا　　وَنَشْرَبُ فِیْ اَثْمَانِهَا وَنُقَامِرُ

[اونٹوں کو ذبح کرکے اعزہ و اقارب فقرا و مساکین کو کھلاتے ہیں اور ان کی قیمتوں سے ہم شراب پیتے ہیں اور
جوا کھیلتے ہیں]

ایک دوسرا شاعر اپنے اور اپنے قبیلہ کی نفرت و بریت بخل سے یوں بیاں کرتا ہے

وَاللُّومُ دَاءٌ لِوَبْرٍ یُقْتَلُونَ بِهِ ۔۔۔ وَلَا یُقْتَلُونَ بِدَاءٍ غَیْرِهِ اَبَدًا

[یعنی بنی وبر کے لئے بخل ہی ایک قاتل مرض ہے۔ اور بجز اس درد کے کسی اور مرض سے کبھی نہیں مرتے]

ایک تیسرا شاعر اپنے عزم بالجزم کا اظہار کرتے ہوئے اس طرح قسم کھاتا ہے

بَقِّیْتُ وَفْرِیْ وَانْحَرَفْتُ عَنِ الْعُلٰی ۔۔۔ وَلَقِیْتُ اَضْیَافِیْ بِوَجْهٍ عَبُوْسٍ

[میں بہت مال چھوڑ کر مروں اور بلندی مراتب کی طلب سے انحراف کروں اور اپنے مہمانوں کا استقبال ناگواری
ترش روئی سے کروں]

اسی طرح وہ شرافتِ نسب کو اپنے اخلاق و شریفانہ جذبات سخاوت و شجاعت کا محافظ جانتے
تھے نسب کی بربادی کو اپنے لئے اپنے قبیلہ و خاندان کے لئے ایک مصیبتِ عظمیٰ جانتے اگر کہیں
سلسلۂ نسب میں کچھ بھی نقص نکل آتا تو ساری عزت کا خاتمہ ہو جاتا۔ اخلاق و سیرت میں
نسب کا دخل و اثر وہ یہاں تک تسلیم کرتے تھے کہ گھوڑے اور اونٹ کا نسب نامہ بھی ان کے
پاس ہوتا۔ اور حیوانوں میں بھی شریف و اعلیٰ نسب کو خراب و تباہ نہ ہونے دیتے۔ عرب
کہتا ہے

لَعَمْرُكَ مَا اَخْزٰی اِذَا مَا نَسَبْتَنِیْ ۔۔۔ اِذَا لَمْ تَقُلْ بُطْلًا عَلَیَّ وَمَیْنًا

[تیری جان کی قسم میں رسوا نہ ہوں گا جب کہ تو میرا نسب صحیح صحیح ٹھیک بلا دروغ و افترا بیان کرے گا]

مضامین کے اعتبار سے یہ وہ خصوصیات ہیں جن کو ایرانی شاعر اپنے آپ میں پا نہیں سکتا صدیوں تک پیہم جو اُن پر زبردست حکومت رہی اُس نے اُن کے اُن جذبات کو فنا کر دیا جو عرب میں بدرجۂ کمال موجود تھے اور جس کا تلاطم اُن کے سینوں میں جب موجیں مارتا تو ایسے اشعار بے ساختہ اُن کے مُنہ سے نکلتے اور طرفہ یہ کہ اُن کے افعال اُن کے اقوال سے بھی بڑھکر آزاد و غیور رہتے۔

آب و ہوا کا ایک اور اثر | ملکی آب و ہوا کا ایک یہ بھی اثر تھا جو عرب اپنے اسلوب بیان کا انداز خاص رکھتا ہی۔ عموماً جب قصیدہ شروع کرتا ہی تو سامع کی دلچسپی اور اپنے مقصد کی دل آویزی کے لئے پہلے دیارِ یار کا ذکر کرتا ہی۔ وہاں کے کھنڈروں اور آثار کو اپنی شاعرانہ نگاہ سے دیکھتا ہی۔ خود روتا ہی دوسروں کو رولاتا ہی۔ شکستہ در و دیوار کو کبھی خطاب کرتا ہی اور کبھی اُن پتھروں کو دیکھکر جن سے چولھے کا کام لیا جاتا تھا ایک نالۂ جگر دوز کرتا ہی۔ وہاں کی ہودج نشین مستورات کا تذکرہ تصویر درد و غم ہو کر کرتا ہی۔ مصیبت کی داستان جب کہ ایسے دل گداز پیرایہ میں بیان کی جلئے تو سامع کی ہمدردی قائل کے ساتھ ہو ہی جاتی ہی۔ اب وہ یہاں سے مضامین عشقیہ کی طرف رجوع کرتا ہی جسے اصطلاح شعرا میں نسیب کہتے ہیں وُس میں اپنے عشق کے ولولے اور محبت کے جوش کو ظاہر کرتا ہی۔ فراق کے درد سے آہ سرد بھرتا ہی۔ یہ عشق و حُسن کی داستان اُن غم خوار سامعین کو اور بھی متوجہ و مائل بنا دیتی ہے۔ وہ کونسا دل ہی جو حُسن کا خواہاں نہیں اور کس کا قلب ہی جس میں عشق کی چاشنی نہیں۔ اِس قدر کلام کا حصہ جب سامع کو ہمہ تن گوش بنا دیتا ہی تو وہ

اپنے شعر میں سفر کرتا ہی۔ راتوں کی بیداری، تمازت آفتاب کی گرمی، لو کی لپٹ تند و تیز ہواؤں کے ہوش رُبا جھونکے، راستے کی ناہمواری، اونٹ کی مضبوطی و تیز روی اُس کی بعد مسافت و شدائد سفر سے اُس کی لاغری۔ غرض ایسی ایسی باتیں کہتا ہی جن سے اُس کی جفاکشی استقلال ہمت و مردانگی ظاہر ہوتی ہی۔ اب وہ اپنے قصیدے میں گریز کرتا ہی اور کہتا ہی جو کچھ کہنا چاہتا ہی۔ چاہے میدانِ جنگ کے اپنے شجاعانہ حملوں کا بیان کرے یا اپنی شرافتِ نسب و حریت کا خطبہ بلیغ پڑھے یا اپنے ممدوح کو اپنے کلام سے عزت بخشے

عربی قصائد کے چند اور لوازم

عربی قصائد میں علاوہ ان باتوں اور اپنے ذاتی فخر و مباہات کے جس کے وہ ہر طرح مستحق ہیں، چند اور چیزیں ہیں ایک تو اُن کا وہی محبوب جانور اونٹ جس کا بیان ہزاروں طرح سے عرب کرتا ہی اور پھر بھی اُس کی طبیعت سیر نہیں ہوتی دوسرے پہاڑ اور ریگستان اور ان مقامات کے لوازم یہ وہ چیزیں ہیں جن کو وہ خوب کہتے ہیں۔ چوں کہ یہ سب چیزیں عرب کے پیشِ نظر ہیں اور ان کا ملک ان چیزوں کے سوا اور کچھ اُن کے سامنے پیش نہیں کرتا اس لئے کلام بھی اور چیزوں کے ذکر سے مستغنی ہی۔

مناظر قدرت

ہاں کبھی کبھی بارش اور موسلا دھار پانی کی روانی بھی اُن کے کلام میں پائی جاتی ہی۔ اگرچہ وہاں بھی اُونٹ اپنی ہیولانی صورت کے ساتھ پانی کا بند بنا ہوا معلوم ہوتا ہی۔ چنانچہ عرب کا مشہور شاعر ابن مطیر جب کہ والی مدینہ کے پاس پہنچا تو اُس روز وہاں پانی خوب برساتھا۔ والی نے فرمائش کی کہ آج کی بارش کے متعلق کچھ کہو۔ ابن مطیر نے کہا کہ پہلے منظر اور سماں دیکھ لوں پھر کچھ کہہ سکتا ہوں۔ چنانچہ ایک بلند مقام

پر چڑھا اور ہر طرف نگاہ ڈال کر کیفیت ملاحظہ کی۔ پھر جو والی کے پاس آیا تو ایک قصیدہ تیار تھا۔ لیکن بادل کی تشبیہ اونٹ سے دی گئی اور پورے قصیدے میں اسی کا تلازمہ رہا اسی ذیل میں جو اشعار کہ گھنگھور گھٹا اور موسلا دھار پانی اور بجلی کے چمک میں کہہ گیا ہے وہ عجب بلاغت کا نمونہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں

مُسْتَضْحِكٌ بِلَوَامِعٍ مُسْتَعْبِرٌ   بِمَدَامِعٍ لَمْ تَمْرِهَا الْأَقْذَاءُ

فَلَهُ بِلَا حُزْنٍ وَلَا بِمَسَرَّةٍ   ضَحِكٌ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ وَبُكَاءُ

[بادل بجلیوں کی چمک کے ساتھ ہنستا ہے اور لگاتار بارش سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا خس و خاشاک میل کچیل سے صاف و شفاف آنکھیں ہیں جو آنسوؤں سے رو رہی ہیں بلا خوشی کے ہنستا ہے اور بلا غم کے روتا ہے اس کی ہنسی رونے سے ملی ہوئی ہے]

ذَابَ السَّحَابُ فَهُوَ بَحْرٌ كُلُّهُ   وَعَلَى الْبُحُورِ مِنَ السَّحَابِ سَمَاءُ

(سارے بادل گھل کر دریا کے دریا ہو گئے اور دریا پر بادل کا آسمان چھا گیا)

سُحُمٌ فَهُنَّ إِذَا كَظَمْنَ فَوَاحِمٌ   سُودٌ وَهُنَّ إِذَا ضَحِكْنَ وِضَاءُ

[وہ بادل بہت ہی سیاہ ہیں مگر جب پانی بھر لیتے ہیں تو اس وقت کوئلہ ہو جاتے ہیں سیاہ ہیں مگر جب ہنس دیتے ہیں تو روشن ہو جاتے ہیں]

لَوْ كَانَ مِنْ لُجَجِ السَّوَاحِلِ مَاؤُهُ   لَمْ يَبْقَ مِنْ لُجَجِ السَّوَاحِلِ مَاءُ

[اگر سواحل کے عمق سے ان دریاؤں میں پانی آیا ہوتا تو سواحل خشک ہو جاتے اور ایک قطرہ بھی پانی کا ان میں باقی نہ رہتا]

وہ اشعار جن میں بارش و باران ابر و سحاب کی تشبیہ اونٹنی اور اس کے شیر و حمل وغیرہ سے دی گئی ہے، ان کو پیش کرنا فضول سمجھا۔ ہند کی سرزمین میں اس کا بیان کیا لطف پیدا کر سکتا ہے۔ یہاں مقصود صرف اسی قدر ہے کہ شاعر جن چیزوں کو دیکھتا ہے اور جو اس جس طرح کے جذبات پیدا کرتے ہیں شاعر انھیں کو الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے عربوں کے کلام میں قصائد ہیں اور مراثی ہیں اور یہ دونوں صنفیں نظم کی بدرجۂ کمال پائی جاتی ہیں۔ اور ان دونوں سے مقصود اپنے خصائص و فضائل کو زندہ رکھنا اور آیندہ نسلوں کو رغبت دلانا تھا۔ غزل ان کے کلام میں اپنی مستقل حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ چاہیے تو تشبیب کو غزل کہہ لیجیے۔ اسی طرح مثنوی کے صنف سے بھی ان کا کلام خالی ہے۔ حالانکہ اس کا مواد جس اکثار و فراوانی کے ساتھ عربوں کے پاس تھا اس کا اقتضا یہ تھا کہ ایک عظیم الشان کتب خانہ آج ایام جاہلیت کی مثنویوں سے مزین و آراستہ ہوتا بہت سی باتیں عربی شاعری میں اسی وجہ سے نہ آسکیں کہ ان کا بیان صنفِ مثنوی کا خواہاں تھا ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم　　چناں کہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندر طور

فارسی شاعری کی تاریخ اور تدریجی ترقی | اب فارسی شاعری کی تاریخ اور اس کی تدریجی ترقی اور ان خصوصیات پر نظر ڈالنے کی حاجت ہے جو اس میں باعتبار مضمون اور انداز بیان کے پائی جاتی ہیں۔ تاکہ استاد اور شاگرد کی خصوصیتِ خاصہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔

محققینِ السنۂ مشرقیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ فارسی زبان اپنے حسن و دل آویزی یعنی مرتبۂ شاعری تک پہنچنے کے لیے عربوں کی سراپا انتظار تھی۔ عرب استادوں نے شعر کی حقیقت اور اس کی

قوت و کیفیت سے اپنے تلامذہ کو آگاہ کیا اور کچھ ایسے خوش آیند لہجے میں دعوت شعر کی نغمہ سرائی کی کہ ایران کے تمام گوشے لبیک کی صدا سے گونج اُٹھے۔ یہ امر تو مسلّم ہو چکا کہ ایران میں شاعری کی ابتدا اکتسابی طور سے ہوئی۔ اب غور طلب یہ امر ہی کہ تعلیم یافتہ ایرانیوں نے پہلے پہل جو شاعری کے لئے زبان کھولی، وہ کلام کس زبان میں تھا۔ اگر معان نظر سے کام لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہی کہ پہلی مشق شاعری کی عربی ہی زبان میں کی گئی تاکہ اُستاد کی صلاح سے کلام مرصع ہو جائے اور نکاتِ شعریہ کے دقیق مسائل اچھی طرح حل ہو کر سمجھ میں آ جائیں۔ جب عربی میں شعر کی مشق ہو گئی اور شعر گوئی کا طریقہ اور صحت کی راہ معلوم ہو گئی تو اپنی ملکی اور مادری زبان کی طرف فوراً متوجہ ہو گئے۔ اس لئے کہ علم ہو یا فن جب تک اُس پر غیر زبان کا قفل چڑھا ہوا ہی اُس میں کمال بہم پہنچانا اگر محال عقلی نہیں تو محالِ عادی ضرور ہی۔ اس لئے اہلِ ایران نے اپنی بحور بھی علٰحدہ قرار دیں اور انھیں جدید مقرر کردہ بحروں میں اُنھوں نے شاعری کی داغ بیل ڈال دی۔ لیکن ابتدائی اشعار کی یہ حالت تھی کہ جس طرح ایک بھولا آدمی سیدھی سیدھی باتیں کرتا جاتا ہی اُسی طرح فارسی کے وہ اشعار تھے جن میں بہت جلد رنگینی و چستی پیدا ہو گئی۔ اس کو واضح طور پر سمجھنے کے لئے اس طرح خیال کرنا چاہیے کہ انسان کو کھانے کے لئے غذا، رہنے کے واسطے مکان، بدن ڈھانکنے کو ستر، حملۂ اعدا سے محفوظ رہنے کے لئے سپر اور حملہ آور ہونے کے لئے آلات درکار ہیں۔ اب انسان اپنی ان ضرورتوں کو جن چیزوں سے پورا کرتا ہی وہ دو قسم کی ہیں؛ ایک تو وہ جو اپنی موجودہ سادی اور خلقی صورت میں انسان کی

خدمت کے لئے زبانِ حال سے لبیک کی صدا بلند کر رہی ہیں جیسے غار و خندق سکونت کے لئے جنگلی برگ و بار غذا کے لئے، درختوں کے لمبے چوڑے پتے ستر پوشی کے لئے، پتھر کے ٹکڑے اور درختوں کی خشک و تر شاخیں اسلحہ بننے کے لئے ہر وقت طیار ہیں اور یہ وہ ادنی مرتبہ انسان کے زندگی بسر کرنے کا ہے جسے خالق نے خود اُس کے لئے مہیا کر دیا ہے دوسری قسم یہ ہے کہ ان کی خلقی حالت پر اکتفا نہ کی جائے بلکہ ان چیزوں سے بہرہ مند ہونے کے لئے اس میں تغیر و تبدل، ترکیب و تحلیل کو عمل میں لائیں اور اس طرح مایحتاج فی الحیات میں ایک نئی شان پیدا کریں۔ جس قدر نازپروردگی بڑھتی جائیگی اور عیش و تنعم کا سامان بہم پہنچتا جائیگا اور محفوظ رہنے کے وسائل قوی ہوتے جائینگے اُسی قدر تمدن کا پلہ گراں ہوتا جائیگا وہی قوم جو اشیاء کا استعمال ابتدا میں اس طرح کرتی تھی کہ صنعتِ عبد کا اُس میں کوئی حصہ نہ ہوتا تھا انتہا میں اگر اُن کے طریقِ استعمال کو دیکھا جائے تو صنعتِ عبد نے اس کی حقیقت بالکل گم کر دی ہوگی۔ اگر متمدن و غیر متمدن قوم کے مآکل و مشارب، ملابس و مساکن کو دیکھا جائے تو بہت اچھی طرح یہ حقیقت منکشف ہوسکتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال ایران کی شاعری کا سمجھنا چاہئے۔

حقیقت یوں ہے کہ پہلے پہل جس زبان میں شاعری کا آغاز ہوتا ہے اُس میں ابتدائی رفتار سے آہستگی و سادگی سے ہوتی ہے۔ ورنہ نظم کمالِ سخن کی جگہ اہمال و لغویت کا دفتر بے معنی ہو جائے۔ ابتداءً شعراء کلام کو موزوں کرنے کی مشق کرتے ہیں پھر بہ تدریج ترقی کرتے جاتے ہیں، ورنہ اگر آغاز ہی میں بلند پروازی کی جائے تو یہ بجائے ملاءِ اعلیٰ پر پہنچانے

کے تحت الثریٰ تک لے جانے والی ہو۔

اُردو شاعری کی حالت بطور مثال کے | مثال کے لئے اُردو شاعری کی ابتدا اور پھر مرتبہ کمال تک پُھنچنے پر غور کرنا کافی ہے۔ شاعری نے جب ہندوستان کی اُس زبان میں جو اَب یہاں پیدا ہو گئی تھی اپنی جلوہ آرائی کی اُس وقت اُردو میں شعر کہنے والے وہ باکمال حضرات تھے جن کی نگاہوں میں دونوں شاعریاں عرب و عجم کی موجود تھیں۔ لیکن اُردو میں چوں کہ کوئی نمونہ موجود نہ تھا اس لئے سادگی ہی کا جامہ اُس کے لئے مستحسن سمجھا گیا۔

اُردو میں وَلی کا وہی مرتبہ ہے جو رودکی کا فارسی میں ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ولی نے فارسی و عربی شاعری کا کافی مطالعہ نہیں کیا تھا۔ پھر جو ولی کے کلام میں سادگی ہے اور الفاظ بغیر تراش و خراش کے ادا ہوتے ہیں، دور کے استعارات اور تشبیہات بھی نہیں پائی جاتیں وہ بجز اس کے اور کس کا نتیجہ ہے کہ اُردو میں شاعری اپنی طفولیت کا عہد بسر کر رہی ہے گویا بچوں کی طرح گھٹنوں گھٹنوں چل رہی ہے جس طرح کوئی راہ رو اُس راستے کو طے کرے جو قبل سے قدموں کے نیچے نہ آیا ہو یا کوئی اجنبی ایسے مکان میں داخل ہو جس میں پہلے گیا نہ ہو، تو وہ قدم سنبھل سنبھل کر رکھے گا تیز روی و سرعت اس کے لئے بجائے منزل رساں ثابت ہونے کے سنگِ راہ ہو جائیگی۔

اسی وجہ سے ابتدا میں ایران کی شاعری محض موزوں فقرات سے شروع ہو کر بہت جلد اس قابل ہو گئی کہ اُس کو بزم شعرا میں پیش کیا جا سکے۔ فارسی شاعری پر یہ رودکی کا احسان ہے جس کی دایۂ فکر نے اس طفلِ شیر خوار کو اپنی جودتِ طبع اور حدت

ذہن سے پرورش کرکے عالمِ تمیز تک پہنچایا۔ لیکن ابھی اس کو جوان اور جوانی کے ساتھ سنجیدہ و متین ہونا باقی ہے۔

سادگی کی تاثیر | طبقہ اول کے وہ شعرا جو دورِ اول میں گزرے اُن سب کا کلام ایک ہی انداز رکھتا ہے۔ بندش کی چستی نہیں مضمون کی بلند پردازی نہیں۔ ان کی نظم میں صرف محسوسات اور ان کے اصلی حالات ہیں۔ سادہ الفاظ میں سیدھی باتیں جو آپس میں بولتے ہیں اکثر و بیشتر اسی کو نظم کردیتے ہیں۔ استعارہ و تکلفات سے بہت کم کلام کو آراستہ کرتے ہیں۔ مثلاً رودکی جب کہ بڈھا ہوجاتا ہے اور اُس کے دانت ٹوٹ جاتے ہیں، ضعیفی اعضا پر چھاجاتی ہے، اُس وقت جوانی کی یاد میں ایک قصیدہ کہتا ہے۔ عمر کے آخر حصے میں جو کچھ کہتا ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے سیدھی سادی باتیں ہیں جو نہایت سادگی سے وزن و قافیہ کے محاصرہ میں بے آئی گئی ہیں۔ مثال کے لئے تین پہلے شعر اس قصیدے سے حاضر ہیں

مرا بسود فرو ریخت ہرچہ دندان بود — نبود دندان ہا بل چراغ تابان بود
یکے نماند کنون زان ہمہ بسود و بریخت — چہ نحس بود ہمانا کہ نحسِ کیوان بود
نہ نحس کیواں بود و نہ روزگار دراز — چہ بود منت بگویم قضائے یزدان بود

وزن و قافیہ کے ساتھ عہدِ شباب کا مرثیہ ہے اس لئے اسے شعر کہئے۔ مگر جو شعر کی حقیقت ہے اُس کا نام و نشاں تک نہیں۔ اگر آج کوئی اس طرح کا شعر کہے تو ہمارے شعرا اُس کی طرف بھول کر بھی ایک نگاہ غلط انداز نہ ڈالیں۔ مگر چونکہ یہ رودکی کا کلام ہے جس نے شاعری کو بزمِ شعرا تک آنے کے قابل بنایا ہے، اس لئے یہ اشعار کتابوں میں اربابِ ذوق کی زبانوں

پر جاری و مکتوب ہیں۔ رودکی کے کلام میں سب سے مشہور اور بہترین نمونہ وہ اشعار ہیں جو شاہ بخارا کو ہرات سے مضطربانہ بخارا لے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ اُن اشعار میں لذت ہے اور لطف و ذوق سے بھی خالی نہیں لیکن شبنم سے ایک پیاسے کی کیا تسکین ہو سکتی ہے۔ واقعہ اُن اشعار کا یوں ہے کہ شاہِ بخارا ہرات پہنچتا ہے اُن اطراف کی نزہت فزا آب و ہوا اُس کے دامن گیر ہو جاتی ہے۔ ایک خوش گوار و روح پرور موسم جب گزر جاتا ہے تو دوسرے موسم کا اشتیاق پاؤں کا زنجیر ہو جاتا ہے۔ ہرات کے سرسبز و شاداب خطّے اور سیستان و مازندران کے لذیذ و خوش بو میوے چار برس تک بادشاہ کی مہماں نوازی کرتے رہے۔ اس مدت دراز میں اعیانِ دولت و وابستگانِ سلطنت وطن کی دوری اور سفر کی زندگی سے چیخ اُٹھے رعبِ شاہی سے کسی کو لب ہلانے کی طاقت بھی نہ تھی۔ رودکی دربارِ شاہی کا شاعر تھا اور گانے میں بھی بدرجۂ کمال ماہر تھا۔ سبھوں نے مل کر پانچ ہزار اشرفیوں کا وعدہ رودکی سے اس شرط پر کیا کہ وہ اپنی نظم دل گداز اور نغمۂ داؤدی سے بادشاہ کو وطن کی یاد دلائے۔

رودکی بادشاہ کی مجلس میں اُس وقت جب کہ وہ جام و صراحی سے دادِ انبساط دے رہا تھا حاضر ہوا اور اپنے درد بھرے لحن میں اپنا برجستہ کلام یادِ وطن میں گانا شروع کیا۔ یہ سحرِ حلال بادشاہ پر چل گیا۔ اُس کی بے چینی بڑھی اور ایسا مضطربانہ گھوڑے پر سوار ہوا کہ موزہ بھی پہن نہ سکا۔ رہوارِ تیز رفتار کو خیز کیا اور جب تک ایک منزل طے نہ ہوئی گھوڑے کی باگ نہ روکی۔ وہ اشعار بہت تھے لیکن افسوس کہ اب بجز چند اشعار کے جو تذکروں میں منقول ہیں، یاد نہیں ملتے ہے

بوے جوے مولیاں آید ہمی — یادِ یارِ مہرباں آید ہمے
ریگِ آموں با درشتی ہاے او — زیرِ پایم پرنیاں آید ہمے
آبِ جیحوں با ہمہ پہناوری — خنگِ ما را تا میاں آید ہمے
اے بخارا شاد باش شاد زی — شاہ سویت میہماں آید ہمے
شاہ سروست و بخارا بوستاں — سرو سوئے بوستاں آید ہمے
شاہ ماہ ہست و بخارا آسماں — ماہ سوے آسماں آید ہمے

یہ دلکش قصیدہ ایک مدت تک مقناطیس کی طرح لوگوں کے قلوب کو اپنی جانب کھینچتا رہا۔ بعض شعرا نے اس پر طبع آزمائی بھی کرنی چاہی لیکن اس کے مقابل میں نہ آسکے۔ وجہ اس کی صاف ہے، شاعر خود چار برس تک وطن سے دُور رہا، یادِ وطن جس جس طرح دل میں چٹکیاں لیتی ہوگی اس درد کی لذت کسی غریب الوطن سے پوچھنی چاہیے۔ اُس پر پانچہزار اشرفیوں کا وعدہ۔

طمع زر کا اثر جذبات پر

حطیہ جو عرب کا مشہور شاعر ہے اُس سے کسی نے سوال کیا کہ سب میں بڑا شاعر کون ہوتا ہے، تو اُس نے اپنی زبان باریک مثل سانپ کے نکال کر کہا کہ یہ جس وقت طمع سے لذت آشنا ہو جائے۔ اسی طرح احمد بن یوسف نے ابو یعقوب شاعر سے کہا کہ کیا سبب ہے کہ محمد بن منصور بن زیاد کی شان میں تیرے مدائح بھی ہیں اور مراثی بھی۔ لیکن جو جودت اور شاعرانہ تخیل کہ مدح میں ہے مراثی اُس سے بالکل خالی ہیں۔ ابو یعقوب نے کہا کنا یومئذ نعمل علی الرجاء ونحن الیوم نعمل علی الوفاء وبینہما بون بعید [یعنی اُس وقت جو ہم مدح کہتے تھے تو اُمیدیں وابستہ تھیں اور اب جو مرثیہ کہتے ہیں یہ تو محض وفاداری ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے]

پھر پانچ ہزار اشرفیوں کی جھنکار نے اگر رودکی کے شاعرانہ جذبات و احساسات کو تیز کردیا ہو تو کیا تعجب ہے۔ وطن کی یاد پردیس کی تکلیف اور اشرفیوں کی اُمید نے تڑپ تڑپ کر ان اشعار کی صورت اختیار کی۔ اِس لئے اِن میں اُس وقت بھی لذت و لطافت تھی اور آج بھی ذوق سے خالی نہیں۔ ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔

لیکن اگر تامل صادق سے کام لیا جائے تو دور اوّل کے پہلے شاعر کی خصوصیت یہاں بھی نمایاں ہے۔ رودکی نابینا ہے وہ پانی کی لہروں اور موج کے تلاطم کو دیکھ نہیں سکتا اُس کی حس باصرہ لب دریا کے سبزہ زار اور وہاں کی شادابی سے خنک نہیں ہوتی پس اُس کا دماغ اُس تخیل سے بالکل صاف ہے۔ قوت شامہ موجود ہے وہ اپنا کام کرتی ہے پانی کی مہک سونگھتا ہے لیکن اُس کی روانی و سیلاب کا پتہ بھی نہیں۔ دریا کے ریگ پر گزرتا ہے لیکن یہاں بھی آنکھ کا کام وہ اپنے قدم سے لیتا ہے۔ موٹے موٹے ریت کے دانے نہ سخت معلوم ہوتے ہیں نہ پاؤں جلاتے ہیں نہ تلوؤں میں چبھتے ہیں بلکہ نرم ہوکر قدموں کے نیچے پرنیاں کے فرش ہوجاتے ہیں۔ یہ نتیجہ حبِ وطن کا ہے۔ دیگر اشعار کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے لیکن کیا اگر طبقۂ ثانی کے شعرا ہوتے تو اپنے وطن کا راگ اسی سادے لحن میں گاتے؟ نہیں کبھی نہیں۔ وہ کم از کم ریگ کے ایک ایک ذرّہ کو آفتاب اور ہر ایک سبزہ کو گلستانِ ارم و باغ جناں بنا دیتے۔ موج و حباب کو جب بیان کرتے تو ایک دریا بہا دیتے رودکی بڑا پرگو شاعر گزرا ہے۔ اُس پر بادشاہوں کی قدردانی و عزت افزائی، درہم و دنیار کی بارش نے کبھی اُس کو خاموش بیٹھنے نہ دیا۔ ایک لاکھ تک اُس کے اشعار کا شمار بعضوں

نے کیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب اشعار کی تعداد اس قدر ہو تو پھر اُس میں سب طرح کے مضامین ہونگے۔ تذکروں میں جو رودکی کا کلام منقول ہے اُس میں ہر جنس موجود ہے۔ جا بجا مضمون آفرینی بھی ہے۔ کہیں کہیں تشبیہ و استعارے کا بھی لطف ہے۔ اخلاق و موعظت کے پاک و شیریں مضامین بھی موجود ہیں۔ کہنہ مشق دیرینہ سال شاعر کا جب جی چاہتا ہے تو عشق و حسن کے ناز و نیاز بھی کرلیتا ہے۔ قصیدے کی تشبیب میں غزل کا لطف آجاتا ہے۔ اور گریز میں بھی اس کی قوّت و قابلیت نمایاں ہے۔ لیکن بااین ہمہ شاعری کو ابھی بہت کچھ ہونا ہے اس لئے وہ اپنا قدم نہایت سرعت و تیزی سے آگے بڑھائے جاتی ہے۔

فردوسی اور اسدی طوسی

اس دور کا آخر شاعر فردوسی ہے۔ اُس نے شاہنامہ کیا لکھا اپنی اُس قوّتِ دماغی اور جودتِ ذہن کا جو بشر میں ایک عطیۂ الٰہی ہے کامل ثبوت دیا ہے۔ اس نے یہ یہ مثنوی لکھکر ثابت کردیا کہ انسان کی دماغی قوت اعلیٰ نمونہ صانع بیچوں کے صنعت کا ہے۔ میدانِ جنگ کی تصویر تو ایسی کھینچتا ہے کہ ہو بہو فوٹو ہوتا ہے۔ اس کا کلام و کمال کسی کی تحسین اور روشناسی کا محتاج نہیں۔ ع

حاجتِ مشاطہ نیست روے دل آرام را

یہ کہنا ایک امر واقعی کا بیان کرنا ہوگا کہ فردوسی ہی کی بدولت معانی کی کمی انتہاے کمال پر پھنچکر اپنی شان کا جلوہ دکھانے لگی۔ لیکن الفاظ اپنے بناؤ سنوار کے لئے ہنوز مضطر ہیں۔ گو بہت سے الفاظ متروک ہوچکے محاورات بھی بدل گئے لیکن پھر بھی شعر کی نزاکت و لطافت ان ثقیل الفاظ کے بوجھ سے دبی جاتی ہے۔ مثلاً فردوسی کہتا ہے ؎

برستم دہم تخت و گنج و کلاہ | نشانمش بر جاے کاؤس شاہ

یہاں متحرک کا ساکن ہونا فصاحت پر کس قدر ناگوار ہی۔

بسیا مک برآمد برہنہ تنا | ولہ | بیاو بخت باپور اہرمنا

الف کی زیادتی قافیہ میں کیسی بدنما ہی۔

ایک موقع پر چاند سے خطاب کر کے بہت سے شعر لکھے ہیں اُن میں کا ایک شعر یہ ہی

بہ سی روز گیتی بہ پیمایدا | ولہ | دو روز و دو شب روے ننمایدا

یہاں فعل میں الف کی زیادتی اُسی طرح بھدّی ہی۔

کہ درمانِ این کار یزداں کند | ولہ | مگر کین غماں بر تو آساں کند

اگر عمر باشد مرا سالیاں | بہ خدمت بہ بندم کمر بر میاں

جمع کا الف جہاں چاہتا ہی لگا دیتا ہی چاہیے فصاحت اس زیادتی کو برداشت کرے یا نہ کرے اگرچہ ضرورتِ شعری ایک ایسی ضرورت ہی جس کے لئے ہر ناروا روا ہی لیکن الفاظ کا یہی بھدّاپن آخر دور میں قطعاً ناجائز قرار دیا گیا۔ اسی دورِ اوّل کا شاعر اسؔدی طوسی ہی جس کے کمال نے یہ بے بنیاد روایت وضع کرائی کہ یہ فردوؔسی کا اُستاد ہی اور شاہنامہ کی تکمیل اسی کے زبردست قلم کا نتیجہ ہی۔ اسؔدی طوسی فردوؔسی کا اُستاد تھا یا نہ تھا اس وقت اسے جانے دیجئے لیکن یہ تو محقق ہی کہ شاہنامہ اُس کے زورِ قلم کا مرہون نہیں بہرحال دو چار شعر اُس کے بھی ملاحظہ ہوں۔ اسدی طوسی ؎

چو خورشید آں چادرِ قیر گوں | بدرّید و از پردہ آمد بروں

ہوا ابر گشت از بخور عبیر   بجنّدید بمّ و بنالید زیر

الفاظِ فارسیہ میں تشدید زبان پر کس طرح اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ اسدی طوسی سبب تالیف کتاب میں کہتا ہے ؎

بسازم یکے بوستاں چوں بہشت   کہ خندد ز خوشی برارد بہشت

یہاں بھی وہی تشدید کی ثقالت فصاحت کو دبائے دیتی ہے۔

پہلا دور ختم ہوا۔ رودکی۔ اسدی طوسی۔ عنصری۔ فرخی۔ فردوسی اس دور کے باکمال شعرا تھے جن میں رودکی کو اوّلیت کی فضیلت حاصل ہے اور فردوسی کو خاتمیت کا فخر ہے۔

دوسرا دور | اب شاعری کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس طبقے میں خاقانی، انوری، نظامی، حکیم سنائی۔ مولانا روم وعمر خیام وغیرہ گزرے۔ دونوں دور کے شعرا میں یہ فرق ہے کہ پہلے طبقے کے شعرا قدرتی طبیعت سے شعر کہتے تھے پاس کی چیزوں سے تشبیہ لاتے اور پیش نظر اشیا سے استعارہ لیتے لیکن دور ثانی میں جنھوں نے زیادہ غور پیدا کیا۔ عرب کے علوم ملک میں عام ہو گئے تھے۔ بلاغت کی کتابیں فارسی میں لکھی جا چکی تھیں اس لئے عربی الفاظ کا قبضہ زیادہ ہوا پھر الفاظ و معانی کو صنائع و بدائع نے علمی رنگ دیا۔ دور اول میں سادگی سنگینی و استواری تھی اب رنگینی لطافت اور ملائمت پیدا ہو گئی

خاقانی۔ خاقانی ابتدائی کیفیت اور خاتمۂ مطالب کو نہایت خوبی کے ساتھ نظم کرتا ہے قصائد اس کے لاجواب ہیں حسّان العجم کا اس کو لقب حاصل تھا۔

نظامی۔ نظامی مثنوی کے بادشاہ ہیں ان کے کمال کی شاہد ان کی پانچ مثنویاں ہیں جو خمسۂ نظامی کے نام سے مشہور ہیں۔ اُنھوں نے نظم نگاری میں نیا رنگ پیدا کیا۔ تشبیہہ و استعارے کو رنگینی و قوت کے ساتھ برتا۔ ان کے پیچ میں بھی بانکپن ہے ان کا کلام تمام لطافت و نزاکت سے لبریز ہے۔ فردوسی کے بعد رزمیہ مضمون کوئی دوسرا ان سے بہتر تو کیا برابر بھی نہ لکھ سکا۔

انوری۔ انوری نے کلام میں مضمون آفرینی پیدا کی استعارہ کو لیا اور خوش ادائی سے برتا۔ قصیدہ کہنے میں اُستاد ہے۔

حکیم سنائی۔ حکیم سنائی پہلے شخص ہیں جنھوں نے تصوف کو مستقل طور پر نظم میں لکھا ہے۔ حدیقہ ان کی مشہور کتاب ہے۔ پختگی برجستگی اور صفائی میں ان کا کلام تمام معاصرین سے ممتاز ہے۔

مولٰنا رومی۔ مولنا رومی تصوف کے بادشاہ ہیں علم کلام و تصوف کے اہم ترین مسائل دل گیر و دل پذیر طریقے سے بیان کرتے ہیں مثنوی آپ کی چھ جلدوں میں شش جہات عالم میں فیض رساں ہے۔ عربی فارسی میں متعدد شرحیں لکھی گئیں اربابِ سلوک آج تک اس کا درس دیتے ہیں۔ اور حق تو یوں ہے کہ مرد راہِ رفتہ کے سوا کوئی دوسرا اُسے سمجھ بھی نہیں سکتا۔

عمر خیام۔ عمر خیام علوم عقلیہ میں کمال رکھتا تھا اقسام شعر میں اس کی رباعیاں ہیں جنہوں نے اس کو زندہ رکھا ہے۔ مسلمانوں سے بڑھکر اہل یورپ نے اس کے ساتھ اعتنا کیا

تیسرا دور | دوسرا دور بھی ختم ہوتا ہے۔ معانی و الفاظ دونوں ترقی پاکر اس دور میں کامل ہو چکے ہیں اب تیسرا دور شاعری کا شروع ہوتا ہے۔ اس طبقے کے بہترین نمونہ سعدی۔ امیر خسرو اور حافظ ہیں۔ اس عہد میں غزل خوانی کی بڑی دھوم مچی۔ سلاطین و اُمرا کی خوشامد دل میں خوب خوب قصیدے لکھے جانے لگے عاشقانہ مثنویوں کا رنگ گہرا ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چنگیز خاں کے مشہور حملہ نے جو ۶۱۷ھ میں واقع ہوا دلوں کو ایسا سرد کر دیا تھا کہ بہادری و شجاعت کا خیال سروں سے جاتا رہا۔ شعرا غزل و قصائد سے دلوں کو خوش کرنے لگے۔ مردانہ خیالات اس وقت سے جو مٹنے لگے تو آخر نیست ہو کر ہی رہے۔

پانچویں صدی کی شاعری | پانچویں صدی میں حسینوں کی بزم ہر طرح کے سامان اسلحہ سے آراستہ پائی جاتی تھی۔ ابرو کمان تھے جن سے تیر مژگاں چل کر دلوں میں ترازو ہو جاتے تیوری بدلی اور ابرو خنجر ہو گئے۔ مژگاں نیزے بن گئے غرض معشوقوں کی بزم میں عشاق کے پہنچنے کی دیر تھی۔ یہ پہنچے اور رستم اور اسفندیار کے میدان جنگ گرد برد۔ لیکن چھٹی صدی میں رنگینی و نزاکت بڑھی، مزاجوں میں تغیر پیدا ہوا طبیعت میں چستی و شجاعت نہ رہی راحت پسندی غالب آئی۔ آخر اس کا اثر کلام پر بھی پڑا رفتہ رفتہ ایک وہ وقت پہنچا کہ رزمیہ کلام میں بھی ساغر و مینا کے دور چلنے لگے تشبیہیں بدل گئیں۔ اب سپاہی میدان کارزار میں بھی جو پہنچتا ہے تو عشق کے نشہ میں چور جاتا ہے۔ قدسی ہاشم، کلیم، علی قلی،

سلیم کی رزمیہ مثنویاں اس پر گواہ ہیں۔ بہرکیف یہ دور بھی ترقی سے خالی نہ رہا۔ زبان زیادہ صاف ہو گئی اور مضمون آفرینی نے بہت ترقی کی۔ خاقانی و انوری وغیرہ جو علمی اصطلاحات سے زبان کو زیر بار کرتے تھے یہ بات جاتی رہی۔

سعدی۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ اس طبقے کے نہایت شیریں کلام شاعر ہیں ان کا مضمون آج تک پھیکا نہوا نظم ہو یا نثر اصنافِ سخن پر قدرت رکھتے ہیں ان کے کلام میں سعاری بھی ہیں لیکن پیچیدہ نہیں۔ صفائی دکھاتے ہیں اور لطف بڑھاتے ہیں مبالغہ و استغراق سے کام نہیں لیتے۔ ان کا کلام دین و دنیا کی سودمند نصائح سے پُر ہے۔ اخلاقی مضامین کو ان کے مثل کسی نے نہیں ادا کیا۔ مخلوق کی دردمندی ان کے ہر رگ و پے میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ تجربہ کامل تھا اور سیاحت وسیع اس لئے جو ان کی زبان سے نکلتا ہے وہ دل میں جا بیٹھتا ہے۔ گلستاں، بوستاں، دیوان و قصائد ان کی مشہور تصانیف ہیں لیکن غزل کا رنگ بدلنے والے، اور سوز و گداز کے ساتھ وقوعہ گوئی کی بنیاد ڈالنے والے بھی شیخ سعدی ہی ہیں اس لئے من حیث شاعر انھیں غزل کا استاد تسلیم کیا گیا ہے۔

امیر خسرو۔ امیر خسرو کے والد امیر سیف الدین ترکستان سے آئے تھے۔ امیر خسرو نے گو ہندوستان میں ولادت اور تربیت پائی تھی، مگر دماغ یدِ قدرت سے وہ ودیعت ہوا تھا کہ ایجاد مضامین کا طلسم خانہ تھا۔ انہوں نے صنائع لفظی و معنوی کا عجائب خانہ کھول دیا۔ تصانیف کی یہ کثرت ہے کہ ہمیشہ ان کا سمیٹنا دشوار رہا اور آج دشوار تر ہے۔

حافظ۔ خواجہ حافظ کا دیوان مشہور ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ چند قصیدے

برلے نام ہیں مگر غزل ایسی لکھ گئے کہ آج تک ان کا جواب نہیں۔ نہ تصنع ہے نہ تکلف جیسی گزری ہے ویسا لکھا ہے۔ عرفان و حقائق کا ایک بے بہا گنجینہ ہے جس پر نقوش و حروف کے قفل چڑھے ہوئے ہیں! ارباب بصیرت عینک کی طرح اپنی نگاہوں پر لگائے پھرتے ہیں۔

جامی۔ جامی علیہ الرحمہ کا زمانہ ۸۹۸ھ ہجری ہے۔ ناظم ہروی نے امیر خسرو کے بعد شاعری کو ان پر ختم کر دیا ہے جیسا کہ اُس کے ایک شعر سے ظاہر ہے ؎

زخسرو چو نوبت بجامی رسید — زجامی سخن را تمامی رسید

علاوہ عام شاعری کے صوفیانہ طرز میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ نقشبندیہ طریق کی تعلیم و مراقبات کی طرف عجب لطف سے اپنے کلام میں اشارہ کرتے ہیں۔

چوتھا دَور | اب یہ تیسرا دور بھی ختم ہوا اور شاعری کے لئے گرانمایہ متاع چھوڑ گیا۔ ۹۰۰ھ کے بعد چوتھا دور شروع ہوتا ہے۔ فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، ابوطالب کلیم، مرزا صائب اس دَور کے ممتاز ارکین ہیں۔ اگرچہ اس دَور میں قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی ان تمام اصناف کا بڑا ذخیرہ پیدا ہو گیا، لیکن فی الحقیقت یہ عہد ترقیِ غزل کا انتہائی اور آخری زینہ تھا اس دور کی یہ خصوصیت ہے کہ جو بات کہتے ہیں وہ پیچ دیکر کہتے ہیں دُور کی راہ سے سامعین کی فہم کو مطالب تک لاتے ہیں اور داد لیتے ہیں استعارہ کو استعارہ در استعارہ اور مجاز کو مجاز اندر مجاز کر کے معنوں میں نزاکت اور باریکی پیدا کرتے ہیں اس لئے بہت سے اشعار کی باریکی معشوقوں کی کمر کو بھی بار نزاکت سے خم کر دیتی ہے۔ اور کبھی گم بھی ہو جاتی ہے مثال کے لئے کسی شاعر کا ایک شعر کفایت کرتا ہے ؎

تاکے از عکسِ تو آئینہ گلستاں گردد   سوئے عاشق نگہے تا ہمہ تن جاں گردد

اس شعر کے سمجھنے کے لئے پہلے ان باتوں کو ذہن میں مجتمع کر لیجئے۔ معشوق کا قد سرو شمشاد ہے، آنکھیں نرگس کے پھول ہیں، رخسار گلابِ شگفتہ ہے، زنخداں سیب ہے، خط سبزہ ہے، زلف تختۂ سنبل ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب جو معشوق آئینہ دیکھتا ہے اور اس کا عکس شیشے پر آتا ہے تو گویا آئینہ گلستان ہو جاتا ہے یہ تو پہلے مصرع کا حال ہوا۔ دوسرا تو اس سے بھی زیادہ دشوار ہے۔

اسی طرح اس دور میں مضامین کی بنیاد محالات اور دور از قیاس ایہام پر ہے۔ الفاظ کی نئی تراشیں اور نئی ترکیبیں کثرت سے پیدا ہو رہی ہیں حقیقت و واقعیت سے بیگانگی اور بے بنیاد خیالات سے رشتہ جوڑا جا رہا ہے۔ مثلاً پہلے مے کدہ و آتش کدہ وغیرہ مستعمل تھے اب نشتر کدہ و مرہم کدہ وغیرہ ترکیبیں پیدا ہوئیں۔ پہلے "یک گلشنِ گل" کہتے تھے اب "یک آغوشِ گل" کہنے لگے۔ اس طرح کی ترکیبیں فیضی اور عرفی نے کثرت سے پیدا کیں مثلاً

مصرع شکن بروے شکن خم بروے خم چیند

مصرع موج بر موج شکستم چو بہ عماں رفتم

مصرع روے بروے حسن کن دست بدستِ نازدہ

اس دور میں عرفی کی قصیدہ خوانی ایک خاص خصوصیت رکھتی ہے۔ غزلیں بھی اس کی باسوز و گداز ہیں لیکن صائب کا کلام پھیکا اور سیٹھا ہے۔ اس نے شاعری کیا کی ہے خشک علمی مباحث ردیف و قافیہ میں بیان کئے ہیں۔ یہ دور بھی ختم ہوا اور اس کے ساتھ ہی ایران میں شاعری

بھی ختم ہوئی۔ اب ہند کی سرزمین میں حافظ و سعدی کا انداز آگیا تھا۔ لیکن الفاظ ایک ہی طرح میں گردش کرتے کرتے اپاہج ہو گئے تھے۔ کسی طرح کی کوئی ترقی نہ ہو سکی۔ ہندیوں نے ایرانی انداز کو زندہ رکھا مگر زندگی کے آثار اس میں نہ پیدا کر سکے۔ پھر بھی فارسی شاعری اہل ہند کی ایرانیوں سے زیادہ مرہونِ منت رہی۔ دہلی، بلگرام، پٹنہ وغیرہ میں ایسے باکمال شعرا اُٹھے جن کا کلام اپنے اپنے وقت میں سکۂ رائج الوقت سمجھا گیا۔ مرزا عبدالقادر بیدل، میر غلام علی آزاد بلگرامی اور یادش بخیر خاتم الشعرا غالب دہلوی۔ کیا کچھ احسان فارسی زبان پر نہ کر گئے۔ مدتوں بعد ایران میں قاآنی پیدا ہوا۔ اور اس نے شاعری کی کایا پلٹ کرنی چاہی لیکن اس کی شاعری کوئی نئی شاعری نہ تھی۔ وہی چبائے ہوئے نوالے تھے جو پھر منہ میں پھیرے جاتے تھے۔ اس نے قصیدے خوب خوب کہے۔ شوکت الفاظ کا بادشاہ ہے۔ بہاریہ مضمون خوب ہی کہتا ہے۔ بہرحال ؎

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند　　　تہی خم خانہا کردند و رفتند

فارسی شاعری کی لفظی و معنوی خصوصیات اس کے بعد کہ نظم فارسی کی آفرینش اور عہد بعہد ترقی و کمال اور پھر اس کے زوال کی تاریخ معلوم ہو چکی اب ایک اجمالی نظر اُن خصوصیات پر ڈالنی چاہیے جو فارسی شاعری میں باعتبار معانی و الفاظ پائی جاتی ہیں۔ ایران میں شاعری نے جب آنکھیں کھولیں تو اس وقت عرب کی شاعری بالکل متبدل و متغیر ہو چکی تھی اس کی یہ وجہ تھی کہ مقدس اسلام جب سرزمین عرب پر بارانِ رحمت ہو کر برسا تو کلام مجید کی فصاحت و بلاغت شیرینی و لطافت دل آویزی و روح پروری کے سیلاب نے شاعری کو

خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت کا مشہور شاعر لبیدؔ بن ربیعۃ العامری جو سبعہ سیارگان معلقات میں مثل آفتاب کے درخشاں ہے مشرف باسلام ہو کر نظم قرانی کا ایسا والہ و شیفتہ ہوا کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں جب کہ اُس شاعر غرا کے پاس یہ پیام بھیجا کہ کچھ تازہ کلام اپنا بھیجو تو اُس نے جواب دیا کہ جاہلیت کے رزمیہ و بزمیہ ہر طرح کے کلام موجود ہیں جس قدر آپ فرمائیں بھیجدوں۔ لیکن اب کہ قران میرے سامنے ہے اس کے آگے تمام شاعری عرب کی بے مزہ اور پھیکی ہے۔ اُس کی تلاوت میں وہ حلاوت ہے کہ شعر گوئی سے طبیعت سیر ہے۔ اس واقعہ سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ اسلام کی برکتوں نے حکمت نظریہ و عملیہ کی طرف عربوں کو ایسا مصروف کر لیا کہ شاعری کے بازار سرد ہو گئے لیکن بوقت ضرورت جب کوئی کچھ کہتا تو اُس میں وہی عربی شان ہوتی۔ بنو اُمیہ کے عہد میں خلافت نے صورت سلطنت کی اختیار کی۔ اس کا بہت ہی بُرا اثر ملک اور اہل ملک کے جذبات پر پڑا۔ لیکن پھر بھی سلف کا ایک دھندلا سا نشان ہنوز باقی تھا۔ مگر جب کہ خلفاے عباسیہ کا دورہ آیا اور ان کے عہد میں عجمی معاشرت اور اہل عجم کی ہمہ گیری تمام دربار پر چھا گئی مسلمانوں کا امیر عجمی سلاطین کے نقش قدم پر گام فرسا ہونے لگا تو پھر اُس وقت شاعر شاعر نہ رہا۔ بلکہ بھانٹ بن گیا۔ اور یہی وہ عرب تھے جو اہل ایران کو شاعری کا سبق دیتے تھے۔

جوہر ذاتی کا فقدان | فارسی شاعری جب اپنے قدموں پر کھڑے ہونیکے قابل ہوئی تو اُس نے نظر اُٹھا کر جو دیکھا تو اپنے ہی عجمی اخلاق و سیرت کو عربی لباس پہنے ہوئے نظموں میں

چلتے پھرتے پایا۔ اساتذہ کو انہوں نے دولت و سلطنت قوت و طاقت کے آگے شرافت
انسانی و کرامتِ ذاتی کو نہایت فیاضی سے نثار کرتے ہوئے پایا۔ پھر اہل ایران تو
صدیوں سے محکوم رہکر فضائلِ انسانی کو نہایت بے جگری سے تصدق کرنے کے عادی
ہی ہورہے تھے اور اس میں ان کی مشق پشتہا پشت سے چڑھی ہوئی تھی۔ انہوں نے
سلاطین و اُمرا کی شان میں قصیدے کہے اور بے ضغطہ زبان جو چاہا وہ کہہ گزرے اور
جس حد تک قوتِ بشری نے اُن کی یاوری کی قصائد میں اپنی پستی و تذلل کا اظہار کیا۔
اس لئے فارسی شاعری میں جوہر ذاتی کا بیان آپ کو خال خال بھی نہ ملے گا۔ کوئی نظم ایسی
نہ ہوگی جس نے ملک کے حق میں یا قوم کے حق میں شریف و باوقار انقلاب پیدا کیا ہو۔ کسی شاعر کا کلام باوجود
جستجو کے بھی ایسا نظر سے نہیں گزرے گا جس سے خودداری غیرت حمیت ایثار نفس
زندگی کے صحیح آثار پائے جائیں۔ غرض کہ عربی شاعری کی وہ خصوصیات معنوی جو اوپر
گزر چکیں اُس کا نام و نشان بھی ایران کی شاعری میں نہیں۔ اور حق تو یوں ہے کہ ہو بھی
کیوں کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ محکوم و مفتوح قوم اپنے لئے نہیں پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اُس کے
وجود اور کمال کا صرف یہ مقصد رہ جاتا ہے کہ وہ سلطنت اور اُس کے ارکان و اعیان کی
گردشِ چشم و ابرو کو دیکھا کرے۔ اُس کو اپنی ذات سے نہ کسی سے جنگ ہے نہ صلح اُس کے
کمالاتِ اکتسابیہ نہ ملک کے لئے ہیں نہ قوم کے لئے بادشاہ کا حکم اُس کو میدانِ قتال میں
پہنچاتا ہے اور اُس کا قہر و غضب اُسے شجاع و بہادر بناتا ہے۔ پھر اُسی کا حکم اُس کو صلح پر آمادہ
کرتا ہے۔ اسی طرح اُس کے کمال کا تعدیہ اور نفع اُسی جگہ اور اُسی مقدار میں پہنچتا ہے جس قدر

اور جس جگہ منشاء سلطانی ہو۔ پس ایران کی شاعری اگر ایسے مضامین عالیہ سے خالی و عاری رہی تو یہ کون سے تعجب کا مقام ہے۔ صدیوں کی مسلسل محکومیت اسی کی مقتضی تھی کہ اُن کی زبانیں ثنائے ملوک و اہل دول و ارباب سطوت کے لئے وقف ہوں حکومت کے مقابلہ میں ہمیشہ وہ اپنے نفس کو ذلت و پستی میں دیکھکر خوش ہوں۔

(۱) پند و موعظت

ایرانی شاعری کی خصوصیات ایجابی

ہاں بعض مضامین فارسی میں ایسے بھی ہیں جن سے نظم عربی کا سلک خالی ہے، اور یہی فارسی نظم کی ایجابی خصوصیت ہے اور بہت بڑی خصوصیت ہے۔ اور وہ تاریخ، موعظت و اخلاق اور صوفیانہ کلام ہے۔ فارسی شعراء میں کثرت سے ایسے باکمال آپ کو ملیں گے جنہوں نے اپنی شاعری کی قوت انھیں مواعظ حسنہ پر خرچ کی۔ اور ان پاکیزہ مضامین کو کچھ ایسے اخلاص اور درد بھری آواز سے کہہ گئے ہیں کہ نفوسِ قدسیہ اُس کو پڑھتے ہیں اور سر دُھنتے ہیں۔ نظم میں تاریخیں لکھ گئے جن سے واقعات اور اُس کے ساتھ بہت سے جزئیات معاشرت تمدن و طرز جنگ کے متعلق حیاتِ جاوید پا گئے۔ ایسے مضامین کا بیان مثنوی کا مقتضے تھا۔ اور یہ صنف عرب کی شاعری میں نہ تھی۔ اس لئے عربی شاعری ایسے مضامین سے محروم رہی۔ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے کلام پاک کے مجموعے یا ابن الفارض و محی الدین عربی و ابن الوردی کے کلام سے ہم ناآشنا نہیں۔ لیکن فیما نحن فیہ سے اُس کا کیا علاقہ۔

قصائد عربیہ بہت کچھ وضع لباس معاشرت ملکی جغرافیہ صلح و جنگ پر روشنی ڈالتے

ہیں مگر تاریخ کا منصب اُنھیں کسی طرح نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی وجہ جو کچھ بھی ہو۔ لیکن یہ کہنا کہ مثنوی کی ایجاد اہل ایران کی خصوصیات میں سے ہی ایک امر واقعی کا اظہار ہوگا۔

(۲) غزل

دوسری خصوصیت نظم فارسی کی غزل سرائی ہے۔ اس کے ایجاد و ایزاد کا سہرہ بھی اہل فارس ہی کے سر بندھا۔ عربی زبان میں غزل تو اُس راز و نیاز کی گفتگو کو کہتے ہیں جو خود عورتوں سے کی جائے یا اُن کے متعلق کی جائے لیکن فارسی میں نظم کی ایک صنفِ مستقل کا نام ہے جس میں واقعات و کیفیات و جذبات عشق و عاشقی کو سوز و گداز سے بیان کرتے ہیں۔ عربی میں قصائد کی تشبیب و نسیب کو چاہے غزل کہدیا جائے۔ لیکن حق تو یوں ہے کہ وہ غزل نہیں ہے۔ یہ اہل ایران کی ایجاد ہے۔ اور وہی اس کو کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ بوالہوس اپنی ہوسناکیوں کو غزل میں الاپتے ہیں اور اہل دل صوفی اپنی واردات قلبیہ کو اسی عشق و حسن وصل و فراق کے استعارے میں کہہ گزرتا ہے۔ عارف کو اُن اشعار سے راہ ملجاتی ہے اور نا آشنا خط و خال میں اُلجھ کر اُس سے بے خبر رہ جاتا ہے۔ سچ فرمایا مولٰنا روم علیہ الرحمہ نے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر ۔۔۔ گرچہ ماند در نبشتن شیر و شیر

مدارج محل محبت مختلف ممالک میں

یوں تو عشق کی عالمگیری و ہمہ گیری ظاہر ہی ہے۔ لیکن اس نے جو وسعت کہ ایران میں آکر پائی وہ اسے کسی دیار میں نصیب نہوئی۔ ہند کی سرزمین میں عورت مرد پر عاشق ہے۔ اور اکثر وہ مرد اُس کا شوہر ہی ہوتا ہے۔ اس سرزمین کا خاصہ

ہے کہ عورت میں وفاداری واطاعت شعاری بے انتہا ہو جب تک شوہر زندہ ہے اُس کی راحت خدمت میں وقف ہے۔ جب وہ مرا تو اُس کے ساتھ جل کر اپنی وفا و عشق کا ثبوت دیا پس یہاں کی شاعری میں قبل اسلام جو عورت مرد پر عاشق ہوتی ہے وہ یہاں کی عورت و مرد کے تعلقات اور اس کے لوازم کی روشن برہان ہے۔

عرب میں مرد عورت پر عاشق ہے جو بالکل فطرتی و خلقی ہے لیکن ایران کا عشق فطرت پر کب قناعت کرنے والا تھا یہاں اُس نے یہ سب مراحل و منازل طے کرتے ہوئے مرد کو مرد پر عاشق کیا اور اس طرح عشق و لوازمات عشق کے لئے گونا گوں رنگینیاں پیدا ہوئیں جن کا قبل میں نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر کیا تھا ؎

یہ عشق کی بیباکی سب تجھکو سکھا دیگی — اے حسن حیا پرور شوخی بھی شرارت بھی

کمالِ عشق تو یہ ہے کہ لڑکا ابھی مکتب میں ہے حرف شناسی بھی اُسے نہیں آتی لیکن عشاق ہیں کہ پروانوں کی طرح گرے پڑتے ہیں شعر ملاحظہ ہو ؎

تعلیمِ جفا کردہ و فا ہیچ نیاموخت — زیں درسِ غلط بحث بر اوستادِ تو دارم

دوسرا شعر ؎

بمکتب میرود طفلِ پری زاد — مبارک باد مرگِ نو باُستاد

اب معشوق کے عہد طفلی سے متعلق انواع و اقسام کے مضامین پیدا ہو گئے۔

خدا خدا کر کے وہ لڑکا جسے شعور سے پہلے معشوق بننا پڑا تھا اور علم شروع کرنے سے بہت قبل اُسے سند معشوقیت بارگاہِ عشاق سے دی گئی تھی جوان ہوتا ہے۔ مسیں بھیگتی ہیں

خط نمودار ہوتا ہی اُس وقت عشاق آتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر کہتے ہیں

گفتم زغمت وایہ ہم از سبزہ و میدان — دردا کہ زخط حسن بہ خت گشت وبال
دیگر
حسنِ سبز بخطِ سبز مرا کرد اسیر — دام ہمرنگِ زمیں بود گرفتار شدم

خط و سبزہ کے مضامین اسی خط اور سبزہ سے شعرا نے گوناگوں مضامین پیدا کیے۔ عرب غریب ان باتوں کو کیا جانے یہ تو خصوصیات ایران ہیں۔ اب اس سے اس نتیجہ پر پہنچیے کہ جو بچہ بدو شعور سے پہلے معشوق بنا ہوا اور جوانی تک معشوق رہا ہو وہ جب عاشق بن کر شعر و سخن کے میدان میں اُترے گا تو بالیقین اُس کے کلام میں نزاکت و لطافت اور ایک طرح کی لچک و شیرینی ہوگی۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جن سے ایک غزل کی آرایش ہوتی ہی یہ ظاہر ہی کہ ایسے شاعر کے منہ سے جو بات نکلے گی وہ نازک و لطیف ہی بن کر نکلے گی عشق اور اُس کے معاملات و واقعات کو اس سے بہتر کون جان سکتا ہی مصرع

باشیر اندروں شد با جاں بدر برآید

اثمها اکبر من نفعها یوں تو عاشق و معشوق کے ناز و نیاز کو ہر دل جانتا ہی۔ مگر اس جاننے اور اُس جاننے میں آسمان و زمین کا فرق ہی۔ یہاں خود حدیثے نقد حال ماست آں کا قصہ ہی وہاں دوسروں کی سُنی سُنائی باتوں پر اکتفا ہی۔ اس میں شک نہیں کہ غزل کی ایجاد اور وقوعہ گوئی کی ایزادنے فارسی شاعری میں چار چاند لگا دیے زبان سے الفاظ کیا نکلتے ہیں فصاحتِ شیراز کا نشرہ بہتا ہی۔ شہد و شیر کی نہروں کی روانی کا مزہ آجاتا ہی لطیف سے لطیف تر محاورات پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن دوستو انصاف شرط ہی۔ اسی شاعری و

عشقبازی نے اخلاق کا آخر میں خاتمہ کر دیا۔ بوالہوسوں کی آتش ہوس اس سے بھڑک اٹھی تمام دفاتر اخلاق و موعظت کی کتابوں میں یادرس میں رہ گئے۔ رفتہ رفتہ عملی زندگی پر تو اُسی شاعری کا قبضہ ہوتا گیا۔ اس کا نتیجہ ملک کی بے رونقی علم کا فقدان تمدن کا فنا ہونا لازمی تھا۔ وہ ایران کے لئے نوشتۂ تقدیر ہوکر اسی شاعری کی بدولت سامنے آیا۔

خیر یہ ایک اور ہی بحث ہے جس کا یہ محل نہیں۔

رقیب و رقابت کے مضامین

یہاں تو یہ بیان کرنا ہے کہ عشق کے لئے سرزمین ایران کی آب و ہوا بہت ہی موافق آئی اگر مرد مرد پر عاشق نہوتے تو یہ مضامین کہاں سے شعر کی صورت میں آج دکھائی دیتے۔ شعرا کو مردوں کے معشوق ہونے سے ایک رقیب ملا۔ عربی میں رقیب کے معنی نگہبان کے ہیں۔ خیام و اہل خیام کی محافظت پر جو مقرر ہوتے اُنھیں رقیب کہتے تھے۔ لیکن فارسی میں اس کا استعمال جن معنوں میں ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اس تبدیل معنی نے آفرینش مضامین کے لئے ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ رقیب و رقابت سے ایسے ایسے تخیل پیدا ہوئے کہ اُن کی داد نہیں دی جاسکتی۔ فارسی اشعار کے مطالعہ کرنے والوں سے اُس کا لطف مخفی نہیں۔ عرب جاہلیت کی شاعری اس وسیع مضمون سے بھی خالی ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کے وہ چند اشعار خصوصیت کے ساتھ شہرت رکھتے ہیں جو اُس نے قاصد کو مخاطب بنا کر کہے ہیں۔ لیکن اہل ایران کے اشعار سے اُن اشعار کو کیا نسبت مرد معشوق ہے بازاروں میں نکلے گا۔ محفل و مجلس میں پہنچے گا مجامع میں اُس کا گزر ہوگا پھر رقیبوں کی کثرت ہوگی اور رقابت میں تنوعات ہونگے۔ وہاں یعنی عرب میں باوجود

آمیزش ایران بہت جدت کی تو قاصد کی قسمت پر رشک آگیا۔ مامون الرشید کے وہ اشعار یہ ہیں ؎

بَعَثْتُكَ مُشْتَاقاً فَفُزْتَ بِنَظْرَةٍ — وَاَغْفَلْتَنِي حَتّٰى اَسَاْتَ بِكَ الظَّنَّا

(میں نے تجھے کس اشتیاق سے قاصد بنا کر بھیجا پس تیری نظریں تو اُس کے دیدار سے بہرہ اندوز ہوگئیں اور میری جانب سے تو ایسا غافل ہوگیا کہ اپنے بارے میں تو نے میرا خیال بُرا کردیا)

وَنَاجَيْتَ مَنْ اَهْوٰى وَكُنْتَ مُقَرَّبًا — فَيَا لَيْتَ شِعْرِي عَنْ دُنُوِّكَ مَا اَغْنٰى

(تونے اُس سے سرگوشیاں کیں جسے دل چاہتا ہے اور اُس سے نزدیکی حاصل کی۔ اے کاش تیری اس نزدیکی کی مجھے خبر ہوتی اور میں اس سے بے پروا نہ ہوتا)

وَرَدَّدْتَ طَرْفًا فِي مَحَاسِنِ وَجْهِهَا — وَمَتَّعْتَ بِاسْتِمَاعِ نَغْمَتِهَا اُذْنًا

(تونے بار بار اپنی نگاہ اُس کے چہرے کی خوبصورتیوں کی طرف ڈالی اور تونے اپنے کان کو اُس کے خوش آیند نغمات سے لذت گیر بنایا)

اَرٰى اَثَرًا مِنْهَا بِعَيْنَيْكَ لَمْ تَكُنْ — لَقَدْ سَرَقَتْ عَيْنَاكَ مِنْ وَجْهِهَا حُسْنًا

(تیری آنکھوں میں ایسی علامت میں دیکھتا ہوں جو پیشتر نہ تھی البتہ تیری آنکھوں نے اُس کے زیبا چہرے سے حسن چُرایا ہے)

خلاصہ یہ کہ عرب کی شاعری جب مٹ گئی اور عجم کی تقلید اُس میں آگئی اُس وقت بھی عشق کو وہ رتبہ نہ ملا جو اُسے ایران میں حاصل تھا۔ یہ ایرانی ہی شاعر میں کمال ہے کہ وہ ادائے معشوقانہ کو بیان کرتا ہے بیان کرتا ہے۔ جب تھک جاتا ہے تو ضیق بیان کو اس طرز میں کہہ جاتا

ہی کہ ہزاروں وسعتِ بیان اُس پر قربان ہیں مثلاً ؂

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست ۔۔۔ بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

اب ہم بھی اس بیان سے تھک گئے ؂

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز و دم درکش ۔۔۔ حسنؔ ایں قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

(۳) باغ و راغ

اب مضمون کی دوسری قسم لیجئے جسے خصوصیت ملکی نے اہلِ ایران کے ساتھ مخصوص کردیا ہی وہ باغ و بہار کا مضمون ہی۔ ایران کا خطہ ہرا بھرا لہکتا مہکتا چمن ہی۔ بہار کا موسم وہاں عجب مستی و حسن و جمال کے ساتھ آتا ہی۔ اُس وقت وہاں کا ایک ایک چپہ سو سو چمن پر خندہ زن ہوتا ہی۔ دلوں پر موسم کی کیفیت سے سرور و مستی چھا جاتی ہی۔ خوشنوا چڑیوں کا چہچہانا، بلبل کا چہکنا درختوں کا سرسبز و شاداب ہونا اور پھولوں کی شگفتگی پھر اُن کی شامۂ نواز لپٹ صلِّ و جلّ اُس وقت اُن کی تازگی و رنگا رنگی سے دلوں میں سرور و باغ میں راحت آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہی۔ ایرانی شاعر اپنے گرد و پیش باغ جہاں کا نقشہ دیکھتا ہی۔ اپنے ملک اپنے وطن کو جب ایک عروس زیبا کی طرح بنا سنورا پاتا ہی تو بے اختیار مست و سرشار ہو جاتا ہی۔ پھر اُسی کیف میں جو اُن چیزوں کا بیان شروع کرتا ہی تو اس قوت و قدرت سے الفاظ میں تصویر کشی کرتا ہی کہ سننے والا بھی تھوڑی دیر کے لئے مدہوش و بے ہوش ہو جاتا ہی۔

عرب ریگستانی و کوہستانی ملک کے رہنے والے باغ و بہار کا نام و نشان تک نہیں جانتے۔ اس لئے وہاں آپ نہ تو سنبل سونگھیں گے، نہ نرگس کی مستی دیکھیں گے نہ لالہ کا ساغر آپ کو ملے گا۔ چوں کہ اُن کا جزیرہ نما ملک ان چیزوں کے پیش کرنے سے قاصر ہے اس لئے عربی شاعری میں نہ تو ان چیزوں کا بیان ہے نہ ان سے تشبیہ اور استعارے کا نشان۔ بہاریہ مضمون ایران کا حصّہ ہے۔

بہار کا نمونہ خزاں میں

اس دَورِ آخر میں جب کہ ایران ایران نہ رہا، نہ ملک کی طرف توجہ رہی نہ اُس کی آبادی و شادابی کا خیال رہا سلطنت غافل، اہل ملک کاہل۔ اُس پر بھی قاآنی نے جو بہاریہ قصائد لکھے ہیں اُس سے سمجھنا چاہیئے کہ ایران جب زندہ ہوگا تو شعرا کیسے کیسے مضامین کا چمن کھلاتے ہونگے۔ ہم چند شعر قاآنی کے محض لطفِ ناظرین کی غرض سے پیش کرتے ہیں ؎

بہار آمد کہ از گلبن ہمی بانگِ ہزار آید
بہر ساعت خروشِ مرغِ زار از مرغزار آید

تو گوئی ارغنوں بستند بر ہر شاخ و ہر برگے
زبس بانگِ تدرو و صلصل و درّاج سار آید

بجوشد مغزِ جاں چوں بوئے گل از گلستاں خیزد
بپرّد مرغِ دل چوں بانگِ مرغ از شاخسار آید

یکے گیرد بکف لالہ کہ ترکیبِ قدح دارد
یکے بر گل کند تحسیں کز و بوئے نگار آید

یکے با دلبرِ سادہ بطرفِ بوستاں گردد
یکے با ساغرِ بادہ بطرفِ جوئبار آید

یکے بر لالہ پا کوبد کہ ہے ہے رنگ مے دارد
یکے از گل بوجد آید کہ وہ وہ بوئے یار آید

یکے اینجا گسار دمی یکے آنجا نواز دنے | صدائے ہائے و ہوئے ہی زہر سوئے ہزار آید
زہر سوئے صدائے ارغنون و چنگ و نے خیزد | زہر سوئے صدائے بربط و طنبور و تار آید
یکے بر لالہ می غلطد، یکے در سبزہ می رقصد | یکے گاہے رود از ہوش یک گہ ہوشیار آید
الا یا ساقیا مئے دہ بجانِ من بیا پے دہ | دما دم ہی خورد ہی دہ کہ می ترسم خمار آید

یہ ہیں خصوصیات فارسی شاعری کی جنھیں نہایت اختصار کے ساتھ میں نے اس مختصر تحریر میں بیان کیا اب دو ایک باتیں الفاظ کے متعلق بھی گزارش کر دوں تو یہ تمہید ختم ہو اور آغازِ مقصد ہو جائے۔

فارسی الفاظ | فارسی زبان میں الفاظ کم ہیں اور مصادر بہت ہی کم۔ اس لیے اُنھوں نے اپنے الفاظ کی کمی مرکبات سے پوری کی ہی۔ ایک ہی اسم کو مختلف مصادر سے ترکیب دے کر طرح طرح کے دل فریب مطالب یا ایک اسم کو دوسرے سے ملا کر معانی مختلفہ پیدا کیئے ہیں۔ مثلاً ان کا ملک رنگین ہے۔ طبیعتیں بھی رنگین پائی ہیں اس پر تعلیم و تمدن نے اور بھی رنگ گہرا کر دیا ہی۔ اب جو بات مُنہ سے نکلتی ہی رنگین ہو کر نکلتی ہی۔ رنگ اُنھیں بہت مرغوب و محبوب ہی۔ اس لفظ کو مختلف مصادر سے ترکیب دینگے اور رنگا رنگ معنی پیدا کرتے جائیں گے۔ مثلاً رنگ ریختن، رنگ بُردن رنگ برخاستن وغیرہ۔ اسی طرح ان کا ملک سرد ہی۔ گرمی اور آگ اُنھیں محبوب اور راحت رساں ہیں۔ دو مہینے سرما کے ایسے بسر ہوتے ہیں کہ انسان تو انسان چرند و پرند کا کہیں نشان تک نہیں ملتا ہی۔ کاروبار بند آمد و رفت مسدود۔ اہل صنعت و حرفت کے پیشے

اُن کے ہاتھوں سے سوا ٹھنڈے۔ اُس وقت یہی آگ انھیں راحت پہنچاتی ہے۔ اور حیات کو خوشگوار رکھتی ہے۔ اب لفظ آتش کو وہ مختلف اسما سے ترکیب دینگے اور ایسے معانی پیدا کرینگے جن سے چستی رونق و قدر وغیرہ کے مفہوم سمجھے جائیں مثلاً آتش بیان آتش لبا آتشِ بے دود وغیرہ۔ اس گرمی کی ضد سردی ہے۔ وہ انھیں نا مرغوب ہے۔ تو اس سے جس قدر مرکب بنائیں گے اُن میں بے رونقی و سستی و کاہلی کا مفہوم ہوگا۔ مثلاً سرد مہر۔ سردِ نفس سرد رو وغیرہ۔ یہ الفاظ کی ترکیب اہل فارس سے مخصوص ہے۔ عربوں کو اس طرح ترکیب دے کر الفاظ میں وسعت پیدا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اوّلاً اُن کے پاس اس قدر اکثر الفاظ ہیں جو انھیں ایسی ضرورتوں سے محفوظ رکھتا ہے پھر اُن کی زبان ایک بولتی زبان ہے۔ لفظ اپنا مفہوم اور فلسفہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ آج حیرت ہوتی ہے کہ خداوندا وہ بھی آخر بشر ہی تھے جنھوں نے ایسی زبان وضع کی۔ ثانیاً ایک ہی مادے کو مختلف ابواب میں لے جا کر عجیب عجیب معانی پیدا کرتے ہیں۔ ثالثاً اسم ظرف و اسم آلہ وغیرہ مشتقات اپنا وسیع دامن رکھتے ہیں۔ انھیں وجوہ سے عربوں نے دیگر اَلسنہ کو عجم کہا اور سچ کہا۔ عربی الفاظ کی بحث بہت ہی نادر و لطیف بحث ہے لیکن یہاں جس قدر بیان کرنا ضروری سمجھا گیا اُس قدر عرض کر دیا۔ تفصیل کے لئے دوسری ملاقات چاہیے ؎

مل رہینگے ترے کوچے میں کبھی دل اور ہم   یار باقی ہے تو صحبت ہے دل آرا باقی

حضرت امیر خسرو کی شاعری

فارسی شاعری اور اس کے عروج و نزول کی تاریخی بحث اور اس کے ہر دور کی خصوصیات وغیرہ ایک مختصر طریقے پر جب کہ معلوم ہو چکیں تو اب اصل مدعا یعنی امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی شاعری پر ایک تنقیدی نظر ڈالنی چاہیے۔

خسرو اور انواع کمال

خسرو علیہ الرحمہ کو جو جامعیت کہ مبدء فیاض سے عطا ہوئی ہے اس طرح کی شخصیتیں صفحات تاریخ میں بہت ہی کم یاب و نادر ہیں۔ خصوصاً سرزمین ہند کے لئے تو ان کی ذات ایک بے مثل مایۂ ناز و فخر ہے مختلف پہلوؤں سے ان کی ذات باکمالوں کی صف میں صدر نشین پائی جاتی ہے۔

اگر صوفی کی حیثیت سے دیکھو تو فانی فے اللہ۔ ندیم کی حیثیت سے دیکھو تو ارسطوئے زمانہ۔ عالم کی حیثیت سے دیکھو تو متبحر علامہ۔ موسیقی کی حیثیت سے دیکھو تو امام المجتہد۔ مورخ کی حیثیت سے دیکھو تو بے نظیر محقق۔ شاعر کی حیثیت سے دیکھو تو ملک الشعرا۔ ان کے ہر کمال کا دامن نہایت وسیع ہے اور اپنے بیان میں نہایت طوالت پذیر۔ سچ ہے ؎

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

(قدرت خداوندی سے کیا بعید ہے اگر وہ ایک عالم ایک ہی شخص میں جمع کر دے)

اب ہر حیثیت اور کمال کے ہر پہلو سے بحث تو ان کے سوانح نگار کا فرض ہوگا۔ مجھے تو صرف ان کے ایک کمال یعنی شاعری کا ایک ایسا نمونہ پیش کر دینا ہے جس سے خسرو علیہ الرحمۃ

کی خسروی تمام اصنافِ نظم پر من وجہٖ ظاہر ہو جائے۔

اربابِ فن نے کلام منظوم کی جو قسمیں کی ہیں اُن میں پانچ قسمیں اصل ہیں۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی اور قطعہ پھران میں بھی باعتبار مضامین تنوعات گوناگوں پائے جاتے ہیں۔ جن کا بیان اپنے اپنے موقع پر آئندہ آئے گا۔ لیکن ناصحانہ، حکیمانہ، عشقیہ، رزمیہ، اخلاقی جذبات کی مصوّری اور مناظر کی نقاشی یہ وہ اقسام ہیں جہاں شاعر کی طبیعت کا اصل جوہر کھلتا ہے۔

کلام خسرو اور ہر دَور کے محاسن

خسرو علیہ الرحمتہ میں یہ کمال ہے کہ نظم کی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جس میں ان کے قلم کی روانی دریا کی موجوں کی طرح لہریں نہ مارتی ہو۔ اگرچہ ان کا وجود دَورِ ثالث کے شعرا میں پایا جاتا ہے لیکن ان کے کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر دَور کے محاسن ان کے کلام میں موجود ہیں۔ سادگی سنگینی و استواری جو دورِ اوّل کی ممتاز خصوصیت ہے ان کے کلام میں بکثرت اس کے نمونے پاؤ گے رنگینی لطافت اور ملائمت جو دَورِ ثانی کا کمالِ ہنر ہے اس آرائش سے بھی کلام خسرو بہ تمام و کمال مزین و مرصع ہے۔ ہر طرح کے اساس مضامین فراوانی و اکثار کے ساتھ خزانہ خسروی میں پائے جاتے ہیں۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ خسرو کا دَور ایسے زمانے میں آتا ہے جب کہ نظم پوری آرائش سے آراستہ و پیراستہ ہو چکی ہے۔ اسلاف نے ہر طرح کے مضامین کا احاطہ کر لیا ہے زبان بھی

صنائع و بدائع سے مرصع ہو چکی ہی۔ شاعری کی بحث میں ابھی تم پڑھ چکے ہو کہ معانی کی کمی فردوسی نے پوری کر دی۔ الفاظ میں تراش وخراش اور رنگینی دورِ ثانی کے شعرا کر چکے اب اس تیسرے دور کے لئے کیا رہ جاتا ہی۔ بقول خود امیر خسرو ؎

در محفلِ وصالت دریا کشند مستاں
چوں دورِ خسرو آمد مے در سبو نماند

باوجود اس تنگی وکشاکش کے یہ صرف خسرو ہی کا کمال ہی کہ نہایت قادر الکلامی سے ایسا سدا بہار چمن کھلا گئے جس کے پھول آج تک نہ کمھلائے اور اُس کی شامّہ نواز لپٹ عطر مجموعے کی طرح گوناگوں خوشبو سے اربابِ ذوق کے دماغ کو معطّر کرتی رہی۔

خسرو شاعر گر تھے | اگر خسرو علیہ الرحمہ کی صرف شاعرانہ حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بحث و نقد کا سلسلہ چھیڑا جائے تو اچھی ضخیم اور پُر مغز و مفید کتاب طیار ہو سکتی ہی اس لئے کہ کل انواع شاعری پر صرف انھیں کا قلم ہی جس نے حسن و لطافت زور و قوّت کے ساتھ سیر کی ہی۔ ان کی اسی ہمہ گیری کو دیکھتے ہوئے ایک سخن شناس جب ان کے مجموعۂ کلام کا امعان نظر سے مطالعہ کرتا ہی تو وہ اس نتیجے پر پُہنچتا ہی کہ خسرو صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ شاعر گر۔ گو یہ اپنی تصانیف کے ہر پڑھنے والے کو شاعر نہ بناتے ہوں تاہم اس میں کوئی کلام نہیں کہ جو شخص فطرتاً شاعری کا مادّہ رکھتا ہی اُس کے اس مادّے میں یہ ایک تحریک سی ضرور پیدا کر دیتے ہیں۔ چوں کہ نظم کی ہر صنف ان کے کلام میں موجود ہی اور طرح طرح

کے اسلوب سے بیان ہوئی ہی اس لئے جس کی طبیعت جس سے مناسبت رکھتی ہوگی اُس میں ایک جنبش کا پیدا ہوجانا ایک لازمی امر ہی اس حساب سے ان کو شاعر کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا ؎

فیض پُہنچاتا ہی ہر اقلیم کو اُس کا قلم
نفع بخشِ خلق ہی جو کچھ کیا اُس نے رقم

اب ہم بعض نمونے کلامِ خسروی کے نمونۃً پیش کرتے ہیں تاکہ اس اجمال کی تفصیل ہو جائے اگرچہ ان کا سارا کلام بجائے خود نمونہ ہی جہاں سے چاہو اُٹھا کر دیکھ لو، کچھ انتخاب کرنے کی حاجت نہیں۔ لیکن چوں کہ اس کتاب کے پڑھنے والے کی سہولت اور خسرو کی شاعری سے اُس کی ایک عام واقفیت مقصود ہی اس لئے جا بجا سے مختلف نمونے لے کر یکجا جمع کر دیے جاتے ہیں۔

کلام خسرو کا ناصحانہ پہلو

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہی کہ نصیحت گری بادی النظر میں جس قدر سہل و آسان معلوم ہوتی ہی فی الحقیقت اُسی قدر اہم و معرکۃ الآرا ہی۔ ناصح اگر ان نکات سے آگاہ نہیں ہی جس سے نصیحت کی تلخی و ناگواری دُور ہو کر گوارا بلکہ خوش گوار ہو جاتی ہی تو ہمیشہ اُس کی نصیحت مقبولیت سے محروم رہیگی بلکہ بعض اوقات اُس کا سننا بھی گراں گزرے گا۔

خسرو علیہ الرحمہ کے ناصحانہ اشعار میں قطع نظر شاعرانہ صنائع بدائع کے یہ بھی بڑا کمال ہی کہ ہر نصیحت ایسی دل گیر و دل پذیر طرز میں پیش کرتے ہیں کہ بے اختیار دل لبیک کہہ اُٹھتا

ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکیمانہ آنکھ سے ہر جزوِ عالم پر نظر رکھتے ہیں اور ہر دلچسپ نکتے کا تُلا اثر لیتے ہیں ان کی طبع رسا عجائب عجائب باتیں گھڑتی رہتی ہے۔ یہ ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں سے بھی اخلاقی سبق لیتے ہیں اور پھر ان کو نہایت قبول صورت میں اپنے ناظرین کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ تعلیم اخلاق کا دامن ان کے ہاتھ سے کبھی نہیں چھوٹتا اور پند و نصائح کا دروازہ اُن کے ہاں برابر کھُلا رہتا ہے۔ قدم قدم پر پند و نصائح کے موتی رولتے جاتے اور سلکِ نظم میں اُسے پروتے جاتے ہیں۔

مثال اول تواضع و خاکساری

مثلاً اُنھیں یہ کہنا ہے کہ انسان کو فرائضِ انسانیت سے غفلت نہ چاہیئے باوجود بے شمار دولت کے بھی متواضع و خاکسار ہی رہنا زیورِ انسانیت ہے کام وہی کرنا چاہیئے جس میں صلاح و فلاح ہو۔ ان مضامین کو وہ اس طرح بیان کرتے ہیں

سرمایۂ مردمی مکن گم　　کز مردمی ست نورِ مردم
گرچہ زرت از عدد بود بیش　　درویش نواز باش درویش
در ہرچہ ترا شمار باشد　　آن کن کہ صلاحِ کار باشد
بینائیِ عقل پیش می دار　　بینا شو و پاسِ خویش میدار

مثال دوم ہنر کی رغبت اور کاہلی کی برائی

یا مثلاً اُنہیں ہُنر کی طرف مائل کرنا ہے تو اے عملیہ کو بے کار و معطل رکھنے سے منع کرنا ہے تو اُس کو اس طرح کہتے ہیں ؎

آں کو بہ ہنر نہ شد طلب گار　　چوں بے ہنراں بود تفا خوار
آں خواجہ کہ کاہلی ست خُویش　　کاہل ترا ز دست آرزو یش

جاں کن کہ غرض بہ چنگ یابی — کاں کن کہ گہر بہ سنگ یابی

زاندیشہ دقیقہ نغز خیزد — وز [illegible] آرد [illegible]

یک شاخ کہ میوہ دہد تر — بہتر ز ہزار [illegible]

مثال سوم۔ بلندی ہمت و پستی حرص

یا مثلاً انہیں ہمت کی بلندی اور حرص و پست ہمتی کی مذمت [illegible] ہے تو اسے اس طرح پیش کرتے ہیں ؎

ہیچ کس رہ سوئے بالا نیافت — تا قدم از ہمت [illegible] یافت

پیری دل سوئے بلندی کشد — پستی ہمت بہ [illegible] کشد

تشنگی آب رود زآب جو — تشنگی چشم [illegible] آب [illegible]

دیکھو [illegible] معمولی مضامین ہیں۔ شعراء [illegible] بیان [illegible] ہیں۔ مگر اس انداز سے بیان کرنا کہ طبائع [illegible] ہو جائیں [illegible] سعی کر غفلت [illegible] گرنے پائے بیان کا کمال نہیں ہے تو کیا ہے؟ ہر شخص جانتا ہے کہ کاہلی اچھی چیز نہیں مگر خسرو نے جس شان سے اس کی برائی دکھائی ہے وہ ایک سب سے نظم [illegible] ہے ؎

آں خواجہ کہ کاہل ست خویش — کاہل تر از دست آرزو یش

یعنی قوائے عملیہ کے تعطل کا اثر جذبات پر پڑتا ہے انسان جب سست و کاہل ہو جاتا ہے [illegible] نہیں کہ کام نہیں کرتا ہے بلکہ آرزو و تمنا حوصلے و ولولے یہ سب فنا ہو جاتے ہیں [illegible] دل میں امنگ باقی رہتی ہے نہ حوصلہ۔ جس قدر اس شعر پر زیادہ غور کیا جائے

اُسی قدر اُس کا لطف زیادہ آئے گا دیگر مضامین کا بھی یہی حال ہے کہ با...
ہیں جنھیں ہر شخص جانتا ہے مگر اُن سے جو نتائج نکالے ہیں یا جو اُن کی ...
جس انداز سے الفاظ باہم ترکیب و ترتیب دئے ہیں اور بیان ...
کیا گیا ہے ان باتوں نے قدیم خیالات کو ایک نیا جامہ پہنا دیا ہے اور یہی ...

مثال چہارم شرافت انسانی اور ایک جاں نواز نصیحت

دیکھو ایک جگہ اسی بات کو کہ انسان کو منہیات شرعیہ سے بچنا چاہیے اس کے عبادات و معاملات میں فتور نہ آنا چاہیے کس دردمندی سے سمجھاتے ہیں۔ پہلے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کو جتاتے ہیں عالم علوی سے عالم سفلی تک کی اشیا کو اُس کا خدمت گزار و مطیع ثابت کرتے ہیں پھر اُس دولت کی جو بارگاہ خداوندی سے خاص اُس کے لئے مخصوص ہوئی ہے یاد دلاتے ہیں۔ اس قدر کہہ لینے کے بعد اب نصیحت کرتے ہیں اور صرف ایک مصرع میں ایک دفتر کا دفتر کہہ جاتے ہیں۔ اس مضمون کے اشعار التقاطاً کرکے یہاں درج کئے جاتے ہیں ؎

اے ز ازل گوہر پاک آمدہ — گوہر تو زیورِ خاک آمدہ
پنبۂ نُہ چرخ بسے بخت خاک — تا تو بروں آمدی اے دُرِّ پاک
آں خلفے تو کہ ز روزِ نخست — کون بہ مہمانیِ شش روزہ بست
خود ز پدر گرچہ کنوں آمدی — با پدر از جملہ بروں آمدی
دفترِ معنی نہ ز بر خواندۂ — تختۂ اسما ز پدر خواندۂ

عرصۂ عالم بہ مسافت سراست — دولتِ عالم بہ خلافت سراست
حبلِ ورید تو فگندہ بلند — در شرفِ کنگرہ اللہ کمند
نورِ تو ہنگامۂ انجم شکست — دستِ تو تسبیح ملائک گسست
جانِ جہانِ ہمہ عالم توئی — وانچہ نگنجد بجہاں ہم توئی
تو شہے اقلیم تو ہر دو سرائے — تو ملکے تختِ تو شد چارپائے
گنجِ خدا را تو کلید آمدی — نہ از پئے بازیچہ پدید آمدی
چرخ کہ از گوہر احسانت ساخت — آئینۂ صورتِ رحمانت ساخت
آئینہ زیں گونہ کہ داری بہ چنگ — آہ ہزار آہ کہ داری بہ زنگ

اشعار مذکورۂ بالا میں جو صنائع عجیبہ و تلمیحات لطیفہ ہیں اُس کے بیان کا کہاں موقع۔ شعر و سخن سے اگر کچھ بھی مذاق آشنا ہی تو خود ہی سمجھ لو۔ کرامتِ انسانی کا جو فلسفہ بیان کیا ہی وہ شاعر کے غواص سخن و شناور فن ہونے کی دلیل ہی۔ اس حکیمانہ انداز سے اس بیان کی بداءت نہایت کی گئی ہی کہ جس کی داد دی نہیں جاسکتی۔ صرف اسی ایک پہلو کو لو کہ جس طرز سے اس نصیحت میں مرصع کاری کی گئی ہی اس سے فلسفۂ نفسیات پر خسرو کا کیسا ملکہ ظاہر ہوتا ہی۔ عالم فلسفۂ نفسیات سے یہ امر مخفی نہیں کہ جب کسی کے ساتھ محقرانہ برتاؤ و رسواکن انداز سے گفتگو کی جاتی ہی تو اُس سے مخاطب میں قطع نظر نفرت کے ایک طرح کی پست ہمتی اور پست ہمتی سے شریف جذبات کا فنا اور اُس کے فنا سے کمینہ عادتوں کا نشو و نما شروع ہو جاتا ہی۔

برخلاف اس کے اگر کسی کی عادات رذیل بھی ہوں لیکن جماعت اور اُس کے احباب اگر اُس سے اس طرح ملنا شروع کریں کہ کسی کے انداز میں یہ نہ پایا جائے کہ وہ اُسے رذائل سے آلودہ جانتا ہی اور اخلاقی حیثیت سے اُسے حقیہ سمجھتا ہی تو یہ طریقہ اُسے شریف عادات ہی کی طرف مائل کردے گا۔

تاریخ کی کتابوں میں ایسے واقعات بہت ملیں گے جن سے فلسفۂ نفس کے اس اہم مسئلہ کی تصدیق ہوتی ہی۔ اس مقام پر خسرو علیہ الرحمہ کی اس طرز خاص سے نصیحت گری بھی اسی نکتہ کو مشعر ہی۔

پہلے فرزند آدم کی کرامتوں کا ایسا پُر جلال وجمال مرقع کھینچا ہی کہ بے ساختہ دل اُسے دیکھ کر کھنچ جاتا ہی۔ پھر آخر کے دو شعر عجب کمال کے نمونے ہیں ؎

چرخ کہ از گوہر احسانت ساخت　　آئینۂ صورتِ رحمانت ساخت

آئینہ زیں گونہ کہ داری بہ جنگ　　آہ ہزار آہ کہ داری بہ زنگ

پہلے شعر کا مدعا یہ ہی کہ حقیقتاً انسان تو وہی ہی جس کے دیکھنے سے غافل کو بھی خدا یاد آجائے انسان کا مجسمہ ایک آئینہ ہی جس میں رحمان کی صورت دکھائی دیتی ہو۔ اب اگر ایسا آئینہ کسی کے پاس ہو اور اُس کی غفلتوں سے وہ زنگ آلود ہو جائے تو یہ کیسی مصیبت عظمیٰ ہی

ع آہ ہزار آہ کہ داری بزنگ

صرف اس ایک مصرع کے زور بیان اور اسلوب ادا کو دیکھو بلاغت و جوش کا ایک اعلیٰ نمونہ ہی۔

مثال پنجم - جوہر ذاتی چاہیے نہ آبائی ایسے ایسے مضامین کہ کہ صرف تمنا پستی سے بلندی تک نہیں پہنچ سکتی دوسرے کے بھروسے کام نہیں چلتا۔ خوان فروتنی [illegible] دل میں گھر کر جانے والی ادا اور روانی سے بیان کر جاتے ہیں کہ [illegible] نکل آتی ہے ؎

پست نہ گردد بہ تمنا بلند — گرچہ بانگشت کنی پا بلند
تکیہ چہ آری بعصائے کساں — زندہ نشد کس بہ بقائے کساں
چند زباد پدر و جد پری — باد بود ہر چہ نہ از خود بری

خسرو کا تصوف تصوف کے اہم و معرکۃ الآرا مسائل کو جس صفائی و روانی سے انھوں نے نظم میں بیان کیا ہے اس سے قطع نظر کمال شاعری زور کلام اور حسن ادا کے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس راہ کا منزل شناس کہہ رہا ہے۔

اکثر و بیشتر شعرا نے یہ سمجھا کہ مثل گل و بلبل اور معاملات ناز و نیاز کے مسائل تصوف بھی صرف زبان و بیان چاہتے ہیں حالانکہ بقول سعدی شیرازی ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم — کہ اصلے ندارد دم بے قدم

ایسے شعرا جو خود مقامات تصوف کے طے کرنے والے نہیں ہیں [illegible] صوفیہ لیکر اشعار میں نظم کر دیا کرتے ہیں۔ [illegible] حال نہیں۔ مولنا رومی علیہ الرحمہ ایسے ہی شعرا کے متعلق [illegible]

لفظ درویشاں بدزدد مرد دوں — [illegible]

خسرو علیہ الرحمہ جہاں کہیں مسائل تصوف بیان کرتے ہیں وہ اُن کی حالت کا آئینہ ہوتا ہے [illegible] کا [illegible] زور، فصاحت کلام کا ایک لطیف انداز ایسا ہوتا ہے کہ حسن بیان پر [illegible] بلاغت و فصاحت پر ہزار شیرینی قربان ہے

[illegible] مسائل تصوف میں الہٰیات کا حصہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ خواجہ فریدالدین عطار [illegible] سنائی، مولانا روم، نظامی گنجوی ان سے قبل اور سعدی ان کی [illegible] ان مسائل کو بیان کر چکے تھے کہ عقل حیران تھی کہ اب ان مسائل [illegible] مگر خسرو علیہ الرحمہ نے جس انداز سے ان مسائل کو بیان [illegible] کیا ہے [illegible] بیان کا ہے جو خسرو [illegible] یہ ہے کہ انسان [illegible] عالم امکان [illegible] سے متصل ہے اور اس کی ترقی کا کوئی نتیجہ نہیں یہ اگر اس امر کی کوشش کرے کہ حقیقتِ الٰہی سے آگاہ ہو جائے تو یہ ناممکن و محال ہے۔ علم ممکن حقیقت واجبہ کا احاطہ تو کہاں کر سکتا ہے وہاں تک اس کی رسائی بھی محال ہے۔ اسی مضمون کو سعدی نے کہا ہے

تواں در بلاغت بسحباں رسید — نہ در کنہِ بیچونِ سبحاں رسید

لیکن اب خسرو کو دیکھو کس نئے انداز سے بیان کرتے ہیں ؎

ہر چہ از تو گماں برم بہ چونی — آں من بوم و تو زاں برونی

انسان کی عقل جدوجہد کرتی ہے مقدمات ترتیب دیتی ہے۔ حقائق اشیا سے بحث کرتی ہے۔ صفات و خواص سے آگاہ ہوتی ہے۔ قدم و حدوث کا مسئلہ تحقیق کرتی ہے۔ ان سب مراحل کے بعد ایک نتیجے پر پہنچتی ہے اور چاہتی ہے کہ اُسے حقیقۃ الحقائق قرار دے لیکن جب

اُس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ ساری گردش گردشِ پرکار تھی دائرہ امکان سے ذرہ برابر بھی قدم آگے نہ بڑھا تو بیساختہ کہہ اُٹھتا ہی سبحان ربک رب العزت عما یصفون۔ اب اس ایک شعر کو دیکھو چند سادے الفاظ میں کس وضاحت سے آیۃ کریمہ کی معنی خیز تفسیر کی ہی کس طرح دریا کو کوزہ میں بند کیا ہی۔ یہ ہی زورِ کلام اور حسنِ بیان

دوسری مثال اور دوسرا مسئلہ

اس عقیدے کو کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہی اور جو کچھ عالم کون میں ظاہر ہوتا ہی وہی مقتضائے مصلحت ہی۔ وجود و عدم دونوں اُس کے تحت حکم ہیں نیستی و ہستی کوئی بھی حکمت سے خالی نہیں، کس صفائی و روانی سے نظم کا جامہ پہنایا ہی ؎

دانندۂ توئی ہرچہ رازست — سازندہ توئی ہرچہ سازست
از بودنی ہرچہ بود دارد — از تو رقمِ وجود دارد
وانچہ از عدم ست نام او نیز — از حکمتِ تست ماندہ ناچیز
بودِ ہمہ گشتہ از تو موجود — حکمِ تو رواں بہ بود و نابود

تیسری مثال اور تیسرا مسئلہ

صرف عقل علّۂ معرفت باری تعالیٰ ہی یا نہیں اس کا یوں جواب دیتے ہیں ؎

لوامع صفتش ہست چشم پوشِ عقول — چو آفتاب کہ نورش حجابِ ابصارست
حکیم گفت شناسم بعقل یزداں را — زہے کمالِ حماقت و ایں چہ گفتارست

کنہِ باری تعالیٰ تک عرفا کی رسائی ہی یا نہیں اس کا کیسا خوبصورت جواب دیا ہی ؎

بکنہِ حق نرسد عارف ارچہ دانندہ ست	برآسماں نہ پرد جعفر ارچہ طیارست

چوتھی مثال اور چوتھا مسئلہ — اس مسئلہ کو کہ دنیا کی ہر شئے سے معرفتِ حق حاصل ہی یوں بیان کرتے ہیں ؎

بہر صحیفۂ برگ ہست نورِ حکمتِ او	نوشتہ چوں لقبِ شہ بروئے دینارست

اسی مضمون کا شعر سعدی علیہ الرحمہ کا بھی نہایت مشہور ہی ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار	ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

تصوف کا دوسرا شعبہ — تصوف میں آلہیات کے بعد وہ مسائل ہیں جن کا تعلق سالک کی ذات سے ہوتا ہی۔ مثلاً رضا و تسلیم، ریاضت و مجاہدہ، عشق و محبت، ذکرِ قلب و حیاتِ دل وغیرہ وغیرہ۔ چند نمونے اس شعبۂ تصوف کے بھی ملاحظہ ہوں۔

مثال اول — انسان کو راضی برضا رہنا چاہئے اور کسی حالت میں شریعت کے دائرہ سے قدم باہر نہ نکلنے پائے۔ ان باتوں کو یوں سمجھاتے ہیں ؎

انچہ مقدر شدہ ہست چوں نبود بیش و کم	گر برسد خرمیم ورنہ رسد باک نیست

حرص نجا کت کشد شارعِ دیں گیر زانکہ	بے روشِ مصطفٰے راہ بر افلاک نیست

مثال دوم — ریاضت کی تصوف میں کتنی ضرورت ہی بغیر مجاہدہ کچھ نہیں ہوتا قدم قدم پر ایثار و قربانی کرنا چاہئے۔ اسے عمدہ مثالیں دے کر نہایت خوبصورتی سے سمجھاتے ہیں ؎

گاہِ وغا در صفِ مردانِ مرد	نام نبرد آں کہ خدنگے نخورد

طبل کہ سوراخ کنندش بہ پوست | بہرِ بروں رفتنِ آوازِ اوست
تا نشود خستہ بصد جا دلت | نورِ حقائق نشود حاصلت
چہرۂ سنگ ار نہ کنی گوبگو | دانہ کجا سود شود جو بجو

مثالِ سوم | دل کیا ہے۔ اس کی کیا قدر ہے۔ اس کی زندگی کیا ہے۔ اس کی موت کیا ہے
ان امور کو جس شاعرانہ پیرایہ میں اور جس محققانہ طریقے سے اُنھوں نے بیان کیا ہے
اُنھیں کا حصہ ہے کہتے ہیں ؎

چوں تنِ آدم بگل آراستند | خانۂ جاں بہرِ دل آراستند
آدمی آں ست کہ دردے دل ست | ورنہ علف خانۂ آب و گل ست
دل نہ ہماں قطرۂ خون ست و بس | کز خور و آشام برآرد نفس
دل اگر ایں مہرۂ آب و گل ست | خر ہم از اقبالِ تو صاحب دل ست
لیک دل آں شد کہ ہوائے درو ست | وز طرفے بوئے وفائے درو ست
زندہ بجاں خود ہمہ حیواں بود | زندہ بدل باش کہ عمر آں بود
زندگیِ دل چہ بود؟ سوز و چاک | زندگیِ کالبدی چیست؟ خاک
غمزدہ بہ جاں کہ غم اندوز نیست | سوختہ بہ دل کہ در و سوز نیست
سردیِ دل مردگیِ دل بود | خوں چو بہ تن سرد شود گل بود

مثالِ چہارم | عشق کی کیا شان ہے عشاق کی کیا روش ہے۔ عشق کا کیا درجہ ہے ان
باتوں کو اس وجد و کیف میں بیان کرتے ہیں کہ اگر ذرا غور کرو تو دل روحانی سرور

یکیف ہو جائے ؎

عشقِ زبانی زہر افسردہ پرس | سوزش آں از دلِ آزردہ پرس
ذوقِ نمک گرچہ زبان را خوش است | چوں بجراحت فگنی آتش است
موم بود دل کہ ز عشق ست نرم | کو بگدازد و فتد از یک شرار
شعلۂ عشق چو شد خانگی | سوختہ شد عقل بہ پروانگی
زندہ نہ آنست کہ جانے در وست | اوست کہ از عشق نشانے در وست
جاں کہ نہ عشقش بود آں بازی ست | عشق نہ بازی ست کہ جاں بازی ست
چند بری عشق بہ بازی پسر | عشق دگر باشد و بازی دگر
مرد کہ در عشق ز جاں فرد نیست | گر صفِ کافر شکند مرد نیست
چوں تو فغاں از سرِ خارے کنی | بہ کہ جز از عشق شمارے کنی

مثال پنجم | مرد وہی ہے جو مصائب میں گھبرا نہ جائے۔ ابتلا و امتحان کے میدان میں جرأت و استقامت سے مقابلہ کرے اور آخر میں کامیاب ہو کر رہے ؎

مرد نہ ترسد ز فقر شیر نہ ترسد ز زخم | مذہبِ عیّار نیست بیمِ عسس داشتن
عذرِ عروساں بود دعوئِ مردی و بس | گاہ وغا پیشِ خصم روے بہ پس داشتن

اسی مضمون کو ایک دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں ؎

شیر شو و صید را در تہِ چنگال کش | مرد شو و خصم را بر سرِ میداں طلب

تصوف کا تیسرا شعبہ | سب سے وسیع ترین تصوف کا وہ حصہ ہے جس میں عشقیہ روش کی

آمیزش ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد سعدی علیہ الرحمۃ نے ڈالی تھی جس پر ایک قصرِ عالی شان خسروِ اقلیم سخن نے تعمیر کر دیا۔

تخیل کا کمال اور کلام میں درد — بیان کی اس صنف میں خصوصیت کے ساتھ ان کا تخیل بہت ہی بلند پایہ رکھتا ہے۔ اپنے تخیل کو یہ جسمانی جامہ پہنا کر اس طرح پیش کر دیتے ہیں جس سے ان کا تخیل تخیل باقی نہیں رہتا بلکہ وہ گوشت و پوست و استخواں سے درست ملکوتی روح پھونکی ہوئی مورتیں ہوتی ہیں۔ تمثیلاً ذیل کے اشعار دیکھو ؎

مثال اول

گُل اندر خوابگاہِ نرگس افتد چوں وزد بوئے — ولیکن عشق بازاں را خسک در خوابگاہ افتد
ز حیثمت کاروانِ صبرِ من تاراج کا خر شد — مسلماناں کسے دیدست کاندر شہر راہ افتد

مثال دوم

فصلِ نوروز کہ آورد طرب بر ہمہ خلق — چشم بد دور مرا موسمِ باراں آورد
ہر سحر باد کہ بر سینۂ من کرد گذر — در چمن بوئے کباب از پئے مستاں آورد

انھیں اشعار کو دیکھو تخیل کیسا اعلیٰ ہے اور پھر کلام میں کس طرح درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہے کہ دل تڑپ کر رہ جاتا ہے یہ شاعرانہ حیثیت سے بھی اعلیٰ مظہر ملکوتی عالم میں حسن و عشق حقیقی کے خیالات میں محو اور دوسرے نازک تر جذبات و لطائف میں غرق زندگی بسر کرتے تھے۔ اور ان کے لئے بقول انہیں کے ؎

(یک بلبلِ خوش نوائے و دل کش — بہتر ز دو صد کلاغِ ناخوش) ہے۔

صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ اوائل میں جب امیر خسرو شعر کہتے تو اس کو اپنے شیخِ طریقت حضرت سلطان المشائخ (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کو دکھایا کرتے تھے۔ ایک

روز حضرت نے فرمایا کہ طرز صفاہانیاں بگو یعنی عشق انگیز و زلف و خال آمیز۔ اُسی روز سے خسرو زلف و خال کے پھندے میں ایسے پھنسے کہ تمام ماسوی اللہ سے بے نیاز ہو گئے اور آج تک اُن کا عاشقانہ کلام مردہ دلوں کے لئے آب حیات کا کام کر رہا ہی۔ ثبوت کے لئے ان کے کلام کا دفتر بھرا پڑا ہی۔ جہاں سے چاہو اُٹھا کر دیکھو ایک چھوڑ ہزار ثبوت پاؤ گے۔ یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں ؎

مثال سوم

بروے یار پیشِ دیگراں دہ جلوہ بستاں را
مرا بگزار تا می بینم آں سروِ خراماں را
گرفتارِ خیالاتِ لبش گشتم یقیں باشد
اثر ہر گہ مگس در خواب بیند شکرستاں را
مپرس از من کہ چوں می باشد آخر جانِ غمناکت
کہ من دیریست کز یادش فرامش کردہ ام جاں را

مثال چہارم

تنِ پاکت کہ زیرِ پیرہن ست — وحدہ لا شریک لہ چہ تن ست
اندر آ در میانِ جاں بنشیں — کہ تو جانی و جانِ من بدن ست
تا زیم در غمِ تو جامہ درم — وز پسِ مرگ نوبتِ کفن ست
دلِ خسرو خوش ست با تنگی — کہ مرا یادگار زاں دہن ست

کلام میں درد آگینی کی وجہ

اس درد آگینی کی وجہ صاف ہی۔ انچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ ان کو اہل دل گروہ سے واسطہ تھا۔ ناسوت و ملکوت جبروت و لاہوت اور

ان چاروں سے ماورا جو عالم ہیں ان کی سیر سے ان کی چشم بینا بصارت حاصل کئے ہوئے تھی اور انھیں عالموں کی آب و ہوا میں ان کے قوائے باطنی نے پرورش پائی تھی۔ دل خستہ تھا اور آتشِ عشق سے برشتہ زبان صرف دل کی ترجمان تھی اور بس خسرو دل کی برشتگی و سوختگی کچھ ازل سے ہی لیکر آئے تھے جس کو چشتی نسبت نے اور بھی بھڑکا دیا تھا۔ اُس پر شیخ طریقت حضرت سیدنا نظام الدین اولیا سلطان المشائخ محبوب الٰہی (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کی توجہ ظاہری و باطنی جب پڑتی تو اُس آتش کی شعلہ فشانی افسردہ دلوں کو اور بھی جلاکر خاکستر کردیتی۔

لطائفِ اشرفی، سفینۃ الاولیا، سیر الاولیا، سبع سنابل، نفحات الانس وغیرہ میں خسرو علیہ الرحمہ کے شرر افشاں دل کے متعلق حضرت سلطان المشائخ کے یہ کلمات نقل کئے ہیں:۔

ایک بار آپ نے فرمایا کہ "کل قیامت میں جب خداوند عالم پوچھے گا کہ میرے دربار کے لئے کیا تحفہ لائے تو میں خسرو کو پیش کردونگا" پھر کسی وقت ارشاد ہوا کہ "کل قیامت میں ہر ایک شخص کسی شے پر ناز کریگا اور اے ترک میں تیرے سوزِ سینہ پر ناز کرونگا" اکثر دعا میں یوں فرماتے کہ "الٰہی بسوزِ سینۂ ایں ترک مرا ببخش" اور ایں کا اشارہ حضرت خسرو کی طرف فرماتے۔ اللہ اللہ وہ کیا دل تھا اور دولت عشق سے کیسا مالامال تھا۔

اسی سوز و گداز نے خسرو کو حضرت سلطان المشائخ کا ایسا محبوب بنا دیا تھا کہ

آپ اکثر فرماتے کہ "اے ترک میں سب سے تنگ آ جاتا ہوں یہاں تک کہ کبھی خود اپنے آپ سے بھی تنگ آتا ہوں لیکن تجھ سے کبھی تنگ نہیں آتا"۔ کبھی یوں اظہارِ محبت فرماتے کہ "اگر ایک قبر میں دو شخص مدفون ہو سکتے تو میں وصیت کرتا کہ خسرو کو میری قبر میں دفن کرنا"۔

حضرت سلطان المشائخ کا یہ شعر ؎

گر برائے ترکِ ترکم آرہ بر تارک نہند	ترکِ تارک گیرم و اما نہ گیرم ترکِ ترک

اسی محبت کو مشعر ہے۔ ایک اور آپ کی رباعی کلام خسرو کے مدح میں ہے جس سے ان کے کلام کی مقبولیت معلوم ہوتی ہے وہو ہذا ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست	ملکیتِ ملکِ سخن آں خسرو راست
آں خسرو ماست ناصر خسرو نیست	زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

دربارِ شیخ سے خسرو کو ترک اللہ کا لقب عطا ہوا تھا۔ اور اکثر صرف لفظ ترک سے خطاب ہوتا خسرو علیہ الرحمہ کو اس خطاب پر ناز تھا۔ چنانچہ ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

بر زبانت چوں خطابِ بندہ ترک اللہ رفت | دستِ ترک اللہ بگیر و ہم باللہش سپار

یہ چند کلماتِ طیبات جو حضرت سلطان المشائخ کے نقل کئے گئے ہیں ان سے مدعا یہ ہے کہ ایک وہ شخص جو فطرتاً آتشِ عشق دل میں دبی رکھتا ہو جب اُسے کامل و مکمل شیخ طریقت ملجائے اور پھر شیخ کی محبت و عنایت اُس پر ایسی ہو کہ مرید کے مرتبے سے مراد کے مرتبے میں پہنچ جائے تو اُس کے مقاماتِ سلوک و تصوف کا کیا پوچھنا اور اُس کے کلام کی تاثیر کا کیا کہنا۔

تاثیر کلام | اہل دل جو کچھ کہتا ہے اُسے ایک اہل دل ہی سمجھ سکتا ہے۔ تزک جہانگیری و دیگر تذکرہ مثل داغستانی وغیرہ میں یہ روایت معتبر موجود ہے کہ جہانگیر نے صوفیہ کی دعوت سماع کی مجلس گرم ہوئی۔ قوال نے امیر خسرو علیہ الرحمہ کا یہ شعر گانا شروع کیا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے — من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

مولانا علی احمد مہرکن نشانی تخلص اُس وقت وجد و رقص میں آئے۔ جہانگیر نے اس شعر کا مطلب پوچھا مولانا اُسی طرح رقص کرتے ہوئے جہانگیر کے سامنے گئے اور فرمایا کہ ہنود اپنی کسی عید میں عورت و مرد سب کے سب جوق در جوق نہایت شان و شوکت سے دریا کنارے جمع ہو رہے تھے اور بموجب اعتقاد غسل کرکے ثواب حاصل کر رہے تھے حضرت سلطان المشائخ بھی اُس وقت سیر کرتے ہوئے اُس طرف گزرے۔ اُن کے اس شغف مذہبی و انہماک کو دیکھ کر آپ نے خسرو علیہ الرحمہ کی طرف جو ہمرکاب تھے اشارہ کرکے فرمایا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

اُس وقت ٹوپی حضرت سلطان المشائخ کے سر مبارک پر اتفاقاً کج تھی۔ خسرو علیہ الرحمہ نے فوراً دوسرا مصرع

من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

عرض کرکے پورا شعر کر دیا۔ مولانا علی احمد روایت ختم کرکے چاہتے تھے کہ اپنے سر پر ہاتھ لے جائیں تاکہ ٹوپی اپنی اُسی طرح کج کرکے جہانگیر کو دکھائیں کہ اس شان سے کلاہ مبارک حضرت سلطان المشائخ کی کج تھی لیکن ہاتھ کا اُٹھنا تھا کہ وجد کا وہ عالم طاری ہوا کہ ایک

نعرہ کے ساتھ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

سیرالاولیا جس کے جامع امیرِ خُرد خلیفہ حضرت سلطان المشائخ ہیں۔ اُس میں ایک نقل لکھی ہے کہ ایک وز حضرت سلطان الاولیا محبوب الٰہی (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کے حضور میں امیر خسرو کے صاحب زادہ نے امیر کی ایک غزل پڑھنی شروع کی۔ جب وہ اس شعر پر پہنچے کہ ؎

خسرو تو کیستی کہ درآئی دریں شمار
کیں عشق تیغ بر سرِ مردانِ دیں زدہ است

حضرت سلطان المشائخ کی روتے روتے یہ حالت ہوئی کہ آپے سے گزر گئے۔

اسی سیرالاولیا میں ایک وقت کی اور نقل لکھی ہے کہ امیر خسرو خود سلطان جی کے حضور میں اپنی ایک غزل پڑھنے لگے جونہیں اُنھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

رخ جملہ را نمود و مرا گفت تو مبیں
زیں ذوق مست و بیخبرم کیں سخن چہ بود

حضرت سلطان المشائخ نے گوشۂ چشم سے (کہ چشمۂ محبت تھا) خسرو کی جانب دیکھا اور بیخود ہو گئے۔

الغرض ایسی بہت سی معتبر روایتیں ملتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل دل گروہ میں خسرو کا کلام کیا مرتبہ رکھتا ہے۔

خسرو کی غزل سرائی اس میں کچھ شبہ نہیں کہ غزلیات کے اُن انقلابات و ایجادات کے سبب سے جو سعدی نے شاعری کی اس صنف میں کئے تھے خسرو بہت کچھ سعدی کے مقلد و متبع ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سعدی سے قبل نظم کے لئے بہت سے کام تھے۔ صرف اوقات فرصت میں عشق و عاشقی اور اُس کے لوازم سے تفریح کر لی جاتی تھی اور باقی اوقات دوسرے کاموں کے لئے تھے۔ قدما میں تو غزل کوئی نظم کی قسم ہی نہ تھی۔ تشبیب میں کچھ عاشقانہ مضمون

ادا ہوجاتے تھے۔ آخر دورِ قدما میں غزل نے اپنا مستقل وجود اختیار کیا لیکن اُن غزلوں کا یہ رنگ تھا کہ چمن سے گزرے ایک نگاہ پھولوں کے خوش رنگ تختے پر بھی ڈالی اور بڑھ گئے۔ اچھی صورت سامنے آ گئی۔ آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ کبھی کبھی دل میں ایک گدگدی سی ہو گئی اور بس۔ جام و صراحی محفل میں رکھی گئی تو شاعری نے دو ایک گھونٹ سے تبدیلِ ذائقہ کر لیا یہی انداز دوسرے دور تک رہا۔

لیکن تیسرے دَور میں نظم محض تفریح کے لئے رہ گئی۔ جوش اور ولولے ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ اصل مردی مٹ رہی تھی۔ اس لئے اس دَور میں نظم اور کاموں سے فارغ تھی۔ صرف ایک غزل سرائی تھی جس سے بزمِ سخن کی گرمی تھی۔ زبان زیادہ منجھ کر صاف ہو گئی تھی۔ سعدی اسی تیسرے دَور کے رنگین بیان شاعر تھے۔ لیکن یہ صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک عالم و ولی کامل بھی تھے۔ انہوں نے غزل میں تصوف کی آمیزش کی اور نہایت لطف سے حقائق و واردات قلبیہ کو غزل میں کہنا شروع کیا۔ عشق و حسن کے راز و نیاز اور اُس پر تصوف کی چاشنی پھر زبان کی صفائی و شیرینی۔ کلام میں پختگی و گھلاوٹ ان چیزوں نے سعدی کو غزل کا امام بنا دیا۔

خسرو بھی اسی دَور میں مسندِ شاعری پر جلوہ افروز ہوئے۔ قاعدہ ہے کہ اگر کسی زمانے میں کسی ناظم یا ناثر کا طرز اہلِ زمانہ کے مذاق و خیال کے مطابق ہو تو پھر وہی طرز رائج الوقت و عام پسند ہو جاتا ہے اور خواہی نخواہی اُس زمانے کے ناظم یا ناثر کی نظم و تحریر کا جزو لاینفک بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ بلا آورد ویسی ہی عبارات مضامین و خیالات ہر ایک نثری جوہر کے

قلم سے نکلنے لگتے ہیں۔ خاصتہً جب کہ اُس ایجاد میں واقعی پاکیزگی اور لطف بیان بھی ہو تو پھر اُس کی ہمہ گیری کا کیا پوچھنا۔

سعدی جن کے عہد پیری میں خسرو کی شاعری جوان ہوئی ہو کچھ اس شیرینی و حلاوت سے شیراز میں بیٹھے ہوئے غزل کی نغمہ سرائی کر رہے تھے کہ ان کی اس تازہ روش نے اپنا سکہ بٹھا رکھا تھا۔ عام مذاق کی پسندیدگی گرویدگی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ جو جو انقلاب و ایجاد کہ اس صنف میں اُنہوں نے کئے وہ مثل عناصر کے ضروری مان لئے گئے تھے۔ اور حق تو یوں ہو کہ سعدی کی غزل گوئی اسی کی مستحق تھی اور ہو۔ پس خسرو جیسا صحیح مذاق رکھنے والا خلقی شاعر کیوں اُسے نمونہ نہ بناتا۔ لیکن اسی کے ساتھ جہاں سعدی کی تبعیت ضروری مان لی وہاں اپنے اختراعات و اضافات کا بھی ایک کافی ذخیرہ فارسی داں عالم کے لئے چھوڑ گئے۔

صنف غزل میں خسرو کے اضافے

غزل کی صنف میں کس طرح کے اضافے ہیں جو خاص دماغ خسرو کے مرہون ہیں اُن کی مجمل فہرست یہ ہو۔ بحروں کی موزونی، تشبیہ و محاورات کی جدت، بیان کا اعجوبہ اسلوب۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے غزل میں جان پڑ جاتی ہو۔ غزل کا کمال یہ ہو کہ درد، سوز و گداز، شکستگی و نیاز، عشق کی ہنگامہ آرائی، حسن کی دلکشی و دلربائی، اس طرح عام محاورہ اور روزمرہ کی بول چال میں ادا ہو جس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہ پائی جائے۔ ہاں اسلوب بیان ایسا ہو جس سے دل شگفتہ ہو جائے۔ تشبیہ ایسی لطیف ہو کہ جذبات میں ہلچل پڑ جائے۔ واقعات عشق اس طرح کہے جائیں کہ سننے والے کو بھی عاشق

پر رحم آجائے۔ غزل میں شاعر کا بس یہی کمال ہی۔ اس جگہ چند اشعار لکھے جاتے ہیں تاکہ ہرایک کی مثال ناظرین کے سامنے ہو۔ مثلاً :

ایک وہ شخص جس کے مسلمہ فضل و کمال نے اُسے محسود خلایق بنا رکھا تھا عاشق ہوکر سب کچھ کھو بیٹھتا ہی اب وہ حاسدوں سے کہتا ہی خوش ہو کہ تمہاری مرادیں پوری ہوئیں دیکھو میں وہی یکتاے زمانہ ہوں لیکن اب نہ فضل مجھ میں رہا نہ کمال۔ اس مضمون کو خسرو اس درد سے ادا کرتے ہیں کہ سُننے والے کا دل بھر آتا ہی ؎

حسد می بردی اے دشمن بعقل و دانشِ خسرو   بیا تا برمرادِ خاطرِ خود بینی اکنونش

معشوق جن کو اپنے بناؤ وسنوار کے سوا کسی سے کوئی غرض نہیں ہوتی اُن کے اس استغنا اور خود آرائی کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

گل چہ داند کہ حالِ بلبل کیست   اوہمیں کارِ رنگ و بو داند

معشوق سامنے سے گزرتا ہی عاشق کے دل پر ایک بجلی گرتی ہی اب نہ طبیعت پر قابو ہی نہ دل پر اختیار استغاثہ کرتا ہی تو دارالقضا و دارالافتا کوئی بھی اس مظلوم کی داد رسی نہیں کرتا اس مضمون کو دیکھو ؎

کافرے رفت و دلم غارت کرد   شہر اسلام و مرا داد نہ بود

معشوق کی ہر ہر ادا ہی کہ دل چھینے لیتی ہی۔ عاشق کا ایک دل کس کس کا مقابلہ کرے۔ بھاگنا چاہے تو یہ بھی ممکن نہیں۔ آخر گھبرا کر اُسی سے تدبیر پوچھتا ہی ؎

لب و دہان و رخت ہر یکے بلاے دل اند   یکے دلم چہ کند جانب کدام شود

بخت بیدار معشوق کو عاشق پر مہربان کرتا ہی۔ معشوق حالت پوچھتا ہی۔ عاشق جس کی تباہی و بربادی شرح و بیان سے مستغنی ہی وہ کہے تو کیا کہے۔ اپنا دل جو معشوق کے پیچھے کھو چکا ہی اور اب وہ معشوق کا ہی نہ عاشق کا اُس کا گلہ کیوں کر کرے۔ اُسے معشوق سے کیوں کر مانگے ان پُر کیف معاملات کو دیکھو ؎

مرا غمے ست کہ پیدا نمی توانم کرد — حکایتِ دلِ شیدا نمی توانم کرد
تو حالِ من خود ازیں روے زرد بین و بپرس — کہ من بروئے تو پیدا نمی توانم کرد
مگر تو خود بکرم باز جستیم دلِ ریش — کہ من ز شرم تقاضا نمی توانم کرد

عشاق کے آنسو کبھی دریا ہیں اور کبھی سمندر۔ ان کے جوش و طغیانی کا یہ عالم ہی کہ کبھی سکون آنے ہی نہیں پاتا لیکن خسرو نے جس انداز سے اس مضمون کو ادا کیا ہی وہ اپنی جدت میں آج تک نیا ہی ؎

میروی و گریہ می آید مرا — صبر کن چنداں کہ باراں بگذرد

اس شعر کی جدت و جامعیت قابل لحاظ ہی۔ معشوق جانا چاہتا ہی اس لئے کہ لازمۂ معشوقیت ہی یہ ہی۔ عاشق کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہ نکلتے ہیں اب وہ معشوق سے کہتا ہی کہ گو میرے پاس بیٹھنا ناگوار سہی لیکن ذرا صبر کر پانی تھم جائے تو چلے جانا۔ لطف یہ کہ اس پانی کی علت معشوق کا جانا ہی ہی۔ دیکھو صرف ایک چھوٹے سے شعر میں کتنے مضامین ہیں۔ معشوق کے جانے سے جو صدمہ کہ عاشق پر گزرتا ہی اُس کا بیان ہی۔ معشوق کو عاشق کے پاس بیٹھنا جیسا ہی جس کے لئے تکلفِ صبر ہی۔ آنسو بارش کی طرح آنکھوں سے

جاری ہی جب تک یہ بارش نہ تھمے اُس وقت تک کے لئے معشوق سے التماس توقف ہی طول قیام کی آرزو کس لطف سے پیش کی گئی ہی۔ افسوس ہم سطریں کی سطریں لکھ گئے لیکن وہ مزہ کہاں جو خسرو کے ایک شعر میں ہی۔

اسی اشک کے مضمون کو ایک دوسرے شعر میں نظم کرتے ہیں۔ اور ایک عجیب خیال کا اظہار کرتے ہیں ؎

اشکم بروں می افگند رازِ درونِ پردہ را　　　آرے نشکا تیہا بود مہمانِ بروں کردہ را

شعرا نے معشوق کے قامت کو کیا کیا کچھ نہیں کہا ہی لیکن زرا اندازِ خسرو دیکھنا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کس طرح کہتے ہیں ؎

یارب آں بالا مگر از آبِ حیواں ریختند　　　یا مگر جانِ کساں یکجا غنودہ آں ریختند
شیرۂ جانہائے شیریں برکشید ند از نہاں　　　ویں تنِ شیریں ازاں شیرینیٔ جاں ریختند

آتشِ عشق سے سوختہ و برشتہ عاشق جب اپنے معشوق کو دیکھتا ہی تو اس میں ایک حیاتِ تازہ آجاتی ہی۔ اب وہ اس اثر سے متعجب ہی۔ حیات بخشی کی وجہ پوچھے تو کس سے پوچھے خالقِ عالم کو پکارتا ہی۔ اور پوچھتا ہی کہ تو ہی بتا۔ اس کا خمیر آبِ حیات سے ہی جس کی تاثیر سے مجھ میں جان پڑ جاتی ہی یا بہت سی جانوں کو پگھلا کر یہ ایک جسم بنا ہی یا شیریں جانوں کا شیرہ و روح کھینچکر یہ ایک جسمِ شیریں بنا ہی۔ دیکھو کیسا لطیف و شیریں خیال ہی۔

نظم کے پرکھنے والے اربابِ بصیرت کا یہ فیصلہ ہی کہ بعض بعض اشعار خسرو کے ایسا بلند پایہ رکھتے ہیں کہ ہر شعر ایک دیوان کی قوت رکھتا ہی۔ مثلاً ؎

زلفت ز ہر دو جانب خوں ریز عاشقان ست | چیزے نمی تواں گفت روئے تو درمیان ست

رُخ خود بپوش ورنہ رقم منجماں را | بحساب ہشتم آخر بشمار خواہی آمد

خلاصہ یہ کہ غزلوں میں ان کا مستانہ وار نعرہ دل ہلا دیتا ہی اور یہاں ان کا تیر بے خطا ثابت ہوتا ہی کہیں کہیں ان کی نمکینی سعدی کی شیرینی پر چشمک زن ہی۔ اپنی تمنا، اپنی مایوسی، اپنا انتظار، اپنی ناکامی، اپنی بیقراری، اپنی پریشانی کی جو تصویریں اپنی غزلوں میں اُنھوں نے کھینچی ہیں وہ گویا جیتی جاگتی بولتی چالتی چڑیاں ہیں جو اپنی دردانگیز آواز سے دل ہلائے دیتی ہیں چند غزلوں کے مسلسل اشعار ہم یہاں نقل کرتے ہیں ؎

از جانِ من آرام رفت آرام جانِ من کجا | ہجرم نشانِ فتنہ شد فتنہ نشانِ من کجا

آمد بہارِ مشک دم سنبل دمید و لالہ ہم | سبزہ بصحرا زد قدم سرو روانِ من کجا

در کارِ غم شد سوریم بے پردہ شد مستوریم | تلخ ست عیشِ از دوریم شکر فشانِ من کجا

ہر دم جگر در سوز و تاب انے دیدہ ریزم خونِ ناب | اینک مَی و اینک کباب آں میہمانِ من کجا



گل نو رسید و بوئے ز بہارِ من نیامد | چہ کنم نسیم گل را چو ز یارِ من نیامد

دلِ من چرا چو غنچہ نہ شود دریدہ صد جا | کہ صبا رسید و بوئے ز بہارِ من نیامد

اگر اے حریف داری نظرے بروے یارے | تو بہارِ خویش خوش کن کہ بہارِ من نیامد

بہ شبِ نشاط یارا چہ خبر ترا ز خسرو | کہ بہ جانب تو روزے شبِ تارِ من نیامد

زندگی کی بے ثباتی، دنیا کی بے وفائی، زمانہ کا جور، یارانِ رفتہ کی جدائی کا گلہ

اکثر شعرا نے کیا ہی مگر جس درد انگیز لہجہ میں یہ راگ خسرو الاپ گئے ہیں انھیں کا حصہ ہی ؎

یاراں کہ بودہ اند ندانم کجا شدند   یارب چہ روز بود کہ از ما جدا شدند
گر نوبہار آید و پرسد ز دوستاں   گو اے صبا کہ آں ہمہ گلہا گیا شدند
اے گل چو آمدی ز زمیں گو چہ گونہ اند   آں رو بہا کہ در تہ گرد فنا شدند
آں سروراں کہ تاجِ سرِ خلق بودہ اند   اکنوں نظارہ کن کہ ہمہ خاکِ پا شدند
خورشید بودہ اند کہ رفتند زیرِ خاک   آں ذرہ ہا کہ بر ہمہ اندر ہوا شدند
بازیچہ ایست طفل فریبِ متاعِ دہر   بے عقل مرد ماں کہ بریں مبتلا شدند

غزل میں خسرو کی قادر الکلامی احاطۂ انضباط و تحسین سے باہر ہی۔ ان کی عبارت میں الفاظ کو اپنے مضمون کے ساتھ غضب کا تناسب پایا جاتا ہی۔ جو لفظ جہاں کے لئے مناسب ہوتا ہی وہی یہ استعمال کرتے ہیں بحروں اور قافیوں کے یہ بادشاہ ہیں چاہیے کہ بحر، و قوافی انکی روانی طبع کے سدراہ ہوتے ہوں ہرگز نہیں بلکہ یہ اور بھی ان کی طبیعت میں جولانی پیدا کردیتے ہیں تمثیلاً ذیل کی غزل پڑھو۔ کیسا سر توڑ قافیہ ہی۔ مگر رہوارِ قلم اس روانی سے جاتا ہی کہ زمین ہموار و مسطح معلوم ہوتی ہی ؎

سروے چو تو در اچہ و در ننتہ نباشد   گل شکلِ رخِ خوبِ تو البتہ نباشد
دوزند قبا بہرِ قدت از گل سوری   تا خلعتِ زیبائے تو از لتہ نباشد
در جنتِ فردوس کسے را نہ گزارند   تا داغِ غلامیِ تواش بتہ نباشد
لقمانی مسکیں نکند میل بہ جنت   در صحنِ بہشت ار طبقِ بتہ نباشد

این حسن و لطافت کہ تو کافر بچہ داری　　در چین و خطا و ختن و خلخ نہ باشد

اب ایک دو نمونے عام عاشقانہ جن میں معشوق سے خطاب عشق کی واردات مستی و بیخودی کی باتیں ہیں درج کرتا ہوں :-

ساقیا مے دہ کہ امروزم سرِ دنیا نیست　　دور برگرداں کہ مرگم از تہی پیمانگیست
من برغبت جاں دہم تو رحمت آری برتنم　　این عنایت در میانِ دوستاں بیگانگیست
شمع شیرینی چشیدست ار بسوزد باک نیست　　لذت از آتش گرفتن مذہبِ پروانگیست

بہرِ تو خلقے می کشد ہر سو منِ بدنام را　　بس می نیایم چوں کنم وہ این دلِ خودکام را
یک شب بہ بامے دیدمت و آنگہ بیاد پائے تو　　رنگیں بساطے می کشم از خونِ چشم آں بام را
خواہم کہ خونِ خود دمے در گردنِ جامت کنم　　دانی چہ دولت میدہی ہر ساعت از لب جام را
تا چند ہر دم از صبا در جنبش آید زلفِ تو　　آخر دمے آرام دہ دلہائے بے آرام را
گر کشتہ شد خسرو ز غم تہمت چہ بر خوباں نہم　　چوں چرخ خنجر میدہد در کشتنم بہرام را

شمعِ فلک بر آمد با آتشیں زبانہ　　ساقیِ نامسلماں در دہ مے مغانہ
کشتیِ ما رواں کن تا کنارہ یابم　　دریائے غم ندارد چوں ہیچ جا کرانہ
نے نے کہ از رخِ خود کن بہشتم کہ بارے　　یک دم خلاص یابم از محنتِ زمانہ
رو تا رویم بیروں دستے بگردنِ تو　　تو بیخودِ صبوحے من بیخودِ شبانہ
اے من غلامِ شکلت چوں در خمار باشی　　روئے بخواب شستہ نے موئے کردہ شانہ
مطرب بود و خود بر دستے چو ابر بارے　　وین زہد خشکِ ما را تر کن بیک ترانہ

من نیم خوردہ خوردم وز بادۂ نرگجی | دل برلبِ تو دارم می خواستن بہانہ
خسرو کہ ہست مطرب واں مست نازنیں خوا | ہاں در چنیں نشاطے یک رقصِ عاشقانہ

لشکر کشید عشق و دلم ترکِ جاں گرفت | صبر گریز پاے سر اندر جہاں گرفت
گفتی کہ ترکِ من کن و آزاد شو زغم | آساں بہ ترک ہیچو توئی چہ تواں گرفت
اے آشنا کہ گریہ کناں پند میدہی | آب از برون مریز کہ آتش بجاں گرفت
نظارہ ہم نہ کرد گہِ سوختن مرا | آنکس کہ آتشم زد و از من کراں گرفت
در طوقِ بندگیش رود جاں بعافیت | ہر فاختہ کہ خدمتِ سروِ رواں گرفت

کج کلہا ستمگرا تنگ قباے کیستی | لابہ گراؤ دلبرا عشوہ نماے کیستی
زیر کلاہِ جعد تر تا کمرت کشیدہ سر | بستہ بہ جا بکی کمر چست قباے کیستی
مرکبِ ناز کردہ زیں دادہ بغمزہ تیغ کیں | ساختہ آمدہ چنیں تا ز براے کیستی
سینۂ بند جاے تو دیدہ بزیر پاے تو | با ہمہ در ہواے تو تو بہ ہواے کیستی
خسروِ خستہ را سخن بستہ شد از تو در دہن | طوطیِ شکریں من نغمہ سراے کیستی

اگرچہ غزل میں مسلسل کلام نہیں ہوتا اُس کا ہر شعر ایک الگ مضمون ہوتا ہے اور یہی لئے شعرانے غزل ایجاد کی، لیکن یہ عاشق کی گفتگو ہے۔ کبھی کبھی وہ ایک مسلسل کلام بھی کرتا ہے۔ اس لئے اساتذۂ غزل کے دیوانوں میں ایسی غزلیں بھی بکثرت موجود ہیں جن کا مضمون مسلسل ہے خسرو کی آخری غزل جو میں نے درج کی ہے وہ تسلسل ہی کا نمونہ ہے۔

شوخی و ظرافت پر جب آتے ہیں تو ایک ایک جملے میں سو سو چمن کھلا جاتے ہیں

طبیعت اس بلا کی چلبلی پائی ہے کہ خود حسن بیان منہ چومنے دوڑتا ہے مثلاً ؎

تو شبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب — کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ — نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

مست آمدہ باز مہمان کہ بودی — دائم شکری ور شکرستان کہ بودی

اے یار جدا ماندہ دل تنگ کہ جستی — اے یوسفِ گم گشتہ بہ زندان کہ بودی

دیوانہ من بر سرِ کوے کہ گزشتی — تشویش دہ حالِ پریشان کہ بودی

می دوش کجا خوردی و ساغر بہ کہ دادی — در ظلمتِ شب چشمۂ حیوان کہ بودی

جعدت کہ کشید ست و لبت را کہ گزیدست — پیشِ کہ نشستی شب و مہمان کہ بودی

آراستہ و مست در آغوش کہ خفتی — ایں بخت کرا بود بفرمان کہ بودی

چھوٹی بحروں میں یہ جب کہتے ہیں تو آبِ حیات کی نہروں کی روانی کا مزہ آجاتا ہے۔ مثلاً

اس غزل کو دیکھو ؎

دیوانہ شدم در آرزویت — اے چشم ہمہ جہاں بسویت

مائیم و تحیر و خموشی — و آفاق ہمہ بہ گفتگویت

وے روے تو دیدم و نمردم — شرمندہ بماندہ ام ز رویت

پرسی کہ چگونۂ ز من دور — دور از تو چہ پرسیم چو مویت

خسرو بکمندِ تو اسیرست — بیچارہ کجا رود ز کویت

اگر غزل گو شعرا کی فہرست طیار کی جائے تو صرف اُن کے اسمار سے ایک ضخیم جلد طیار ہو سکتی

ہے۔لیکن غزل کا حق جس نے ادا کیا ہو اگر اس نقطۂ نظر سے فہرست طیار کیا چاہو تو بجز
چند ناموں کے اور کچھ نہ پاؤ گے جن میں اُستادِ غزل سعدی ہیں اور ان کے بعد خسرو و حسن
دہلوی۔سعدی نے جن اصول و مضامین پر غزل کی بنیاد رکھی وہ محض شاعری نہ تھی بلکہ
حقائق و معارف کی چاشنی بھی اُن میں تھی اس لئے خسرو و حسن دہلوی کے سوا کوئی شاعر
سعدی کے تتبع میں کامیاب نہ ہوسکا۔ان دونوں میں بھی خسرو کو مرتبۂ اولیت حاصل ہے
خسرو کی غزلوں پر اگر ایک مختصر و جامع تنقید چاہتے ہو تو صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ وہی
بادۂ شیراز ہے جو دوبارہ کھینچ کر دو آتشہ ہو گئی ہے۔

غزل کا دوسرا دور | اس کے بعد ایک دوسرا دور غزل کا آیا جس میں خواجو کرمانی و حافظ شیرازی
ہیں اگرچہ یہ کوئی نیا دور نہ تھا لیکن بعض مضامین مثلاً ساقی و صراحی بادہ و جام میخانہ و
پیر مغاں رند و خراباتی کی مدح زاہد و واعظ کی ہجو۔دنیا کی بے ثباتی انکا نہایت ہی جوش و
بلند آہنگی سے ترانہ گایا گیا تھا۔یہ باتیں سعدی کی غزلوں میں اُسی انداز خاص سے جو اُنکا
طرز تھا موجود تھیں لیکن ان کا مرتبہ بنیاد کا تھا۔خواجو کرمانی نے اُنھیں بنیادوں کو ذرا نمایاں
کیا اور حافظ نے اُسے آسمان تک پہنچا دیا۔اُنھوں نے اپنی سُریلی آواز سے فارسی دان
دنیا میں ایک مستی و مدہوشی کا عالم پیدا کردیا جس کا نشہ آج تک باقی ہے خواجہ حافظ نے
جس وقت شاعری شروع کی ہے اُس وقت سلمان ساوجی و خواجو کرمانی کا رنگ چھایا ہوا تھا
خود ان کی طبیعت میں بھی فطری جوش و مستی بھری ہوئی تھی۔اُنھوں نے اپنے کلام کی بنیاد انھیں
دونوں کی داغ بیل پر ڈالی جیسا کہ اُن کے بعض اشعار سے ظاہر ہے ؎

شہنشۂ فضلا بادشاہِ ملکِ سخن | جمال ملت و دیں خواجۂ جہاں سلماں
چہ جائے گفتۂ خواجو و شعرِ سلمان ست | کہ شعر حافظِ شیراز بہ ز شعرِ ظہیر
اوستادِ غزل سعدی ست بپیشِ ہمہ کس امّا | دارد غزلِ حافظ طرز و روشِ خواجو

لیکن اِن کی طبیعت کے اصلی جوہر نے اُسے ایسا چمکایا جس کے سامنے سلمان و خواجو دونوں کے گوہرِ فلک بے آب معلوم ہونے لگے۔ سلمان کی غزلوں میں تو کچھ نہیں۔ ہاں اِن کے قصائد ہیں جن سے ان کی شاعرانہ قوت ظاہر ہے۔ البتہ خواجو کے دیوان میں ایسی بہت سی غزلیں ہیں جو حافظ کی ہم ردیف و ہم قافیہ وہم بحر ہیں۔ اسی کے ساتھ اکثر مضامین اور اسلوب ادا کا بھی اتحاد پایا جاتا ہے جس سے حافظ کا تتبع صحیح ثابت ہوتا ہے۔ خواجو کا دیوان نایاب ہے جس نے نہ دیکھا ہوگا اُس کو تعجب ہو گا کہ حافظ اور خواجو کا تتبع لیکن جس نے خواجو کا دیوان دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ وہی صہبائے مستی ہے جس کی تندی و تیزی بڑھا دی گئی ہے۔

مقصود اس سے یہ ہے کہ خسرو کا مقابلہ غزل میں حافظ شیراز سے نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دونوں کا طرز ہی جداگانہ ہے۔ جہاں ایک دو وسرود زلف و خال باغ و راغ کوہ و صحرا دشت و دریا میں شاہدِ معنی کے جمال جہان آرا سے مست ہو رہا ہے وہاں دوسرا میخانۂ وحدت کا دلدادہ بن کر مے کی لہروں میں معشوق حقیقی کے رخ و عارض کا جلوہ دیکھ کر مدہوش ہے اگرچہ دونوں یکساں عشق کے پھندے میں پھنسے ہیں مگر دو رنگ سے ؎

ہر دو شاعر ہم سبق بودند در دیوانِ عشق | یک بصحرا رفت و دیگر با مغاں مستانہ شد

ان سے بہت قبل تھے کیا جا سکتا ہے اِس لئے کہ ان تینوں کا ایک ہی رنگ ہے۔ ورنہ یوں تو دس بیس شعر متحد المعنی انتخاب کر کے لکھ دینا کچھ دشوار نہیں مگر یہ فی الحقیقت اپنی بد مذاقی کا ثبوت دینا ہوگا مثلاً خسرو کا ایک شعر ہے ؎

ازپسِ مرگ اگر بر سرِ خاکم گزری — بانگِ پایت شنوم نعرہ زنان برخیزم

اسی مضمون کو اسی بحر و قافیہ میں حضرت حافظ و سلمان ساوجی نے کہا ہے۔

حافظ ؎

بر سرِ تربتِ من با مئے و مطرب بنشیں — تا من از کنجِ لحد رقص کناں برخیزم

سلمان ؎

چوں شوم خاک بخاکم گزرے کن چو صبا — تا بہ بوئیت ز زمین رقص کناں برخیزم

خسرو نے جس سادگی اور صفائی کے ساتھ خوش نما پیرایہ میں مضمون بیان کیا ہے "مذاقِ سلیم رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ عاشق جو فراق یار میں ہمہ تن انتظار ہے اُس سے اتنا صبر نہیں ہو سکتا کہ معشوق کے پہونچنے کا انتظار کرے پاؤں کی آہٹ پاتا ہے اور استقبال کو کھڑا ہو جاتا ہے۔ چوں کہ یہ مضمون فطرت سے بہت نزدیک ہے بدیں وجہ کلام نہایت بلیغ ہو گیا۔ "بانگِ پا" اور "نعرہ زناں" نے شعر کے لطف کو کہیں سے کہیں پھونچا دیا۔

حضرت خواجہ حافظ نے برخیزم کی کیفیت کو رقص سے اور بھی مکیف کر دیا۔ مگر ان کو لحد سے اُٹھانے کے لئے ساز و سامان چاہئے۔ مے ہو مطرب ہو اور اس کے ساتھ یار کی

نشست ہو۔ صرف آمد کافی نہیں۔ ان تینوں کے مجموعۂ قوت کا یہ اثر ہو کہ لحد سے رقص کناں اُٹھیں۔

سلمان کا شعر ان دونوں کے مقابل ہیچ ہے۔ اگرچہ سادگی و صفائی ہے مگر کوئی لطف نہیں۔ جو ہوا کہ خاک کو رقص میں لاتی ہے اور بگولا بناتی ہے وہ صبا نہیں ہے۔ صبا لطیف پُروائی ہوا کو کہتے ہیں یہاں بو کی وجہ سے صبا کا ہونا ضرور تھا۔ اگر شاعر صبا کی جگہ کسی تند و تیز ہوا کو لاتا تو بو اُڑ کر غائب ہو جاتی۔ یہاں صبا سے بو پہنچانے کی خدمت لی گئی ہے رقص کناں برخیزم کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

غرض یہاں بحث خسرو کی تغزل سے ہے کہ یہ کس رنگ میں غزلیں کہتے ہیں اور ان کا پایہ غزل میں کیا ہے اور یہ بحث اس مختصر رسالے کے تحمل سے زیادہ ہو چکی اب ہمیں صرف ایک بات اور کہنی ہے کہ شاعری میں موسیقی کا بھی دخل بعضوں نے تسلیم کیا ہے چنانچہ سعدی و حافظ کی غزلوں میں جہاں اور لطافتیں بیان کی گئی ہیں وہاں بحور کی نغمۂ ترنم سے موزونی و مناسبت بھی بیان ہوئی ہے۔ اب میرا یہ کہنا کہ اگر شاعری کے محاسن میں موسیقی کا دخل ہے اور لطیف نظم کے الفاظ تال و سم سے مطابقت رکھتے ہیں تو اس باب میں خسرو علیہ الرحمہ کا کوئی بھی مقابل و مساوی نہیں ایک کھلے راز کا اظہار ہوگا

قصائد امیر خسرو سے قبل ظہیر رشید کمال اسمٰعیل الملقب بہ خلاق المعانی خاقانی الملقب بہ حسان العجم انوری وغیرہ مشہور قصائد نگار گزر چکے تھے۔ لیکن جس طرح کہ غزل میں یہ شیخ سعدی کے قدم بقدم رہے اور بہت سی غزلوں میں اپنی شان خسروی بھی

ظاہر کر گئے۔ اُسی طرح قصائد میں بھی ان باکمالوں کے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں اور جب ان کا خاص میدان آتا ہے تو سب کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتے ہیں۔

یہ ایک زمانہ دراز تک چونکہ شاہزادوں اور بادشاہوں کے دربار کے زیور رہے ہیں اس لئے قصائد نویسی کا موقع ان کو بہت ملا جس نے ان کی طبیعت پر اور بھی جلا کردی۔ قصیدہ میں شاعر کا جوہر دو جگہ کھلتا ہے ایک تو تخلص یعنی گریز جہاں سے مقصد شروع ہوتا ہے دوسری تشبیب و مقصد میں توازن و لطف کا اس طرح قائم رکھنا کہ دونوں میں سے کوئی بھی بدمزہ نہ ہونے پائے۔

نصر بن سیار جو بنی اُمیہ کی طرف سے خراسان کا والی تھا اُس کے سامنے کسی نے مدحیہ قصیدہ پیش کیا جس میں سو شعر تو تشبیب کے تھے اور صرف دس شعر میں پوری مدح تھی۔ نصر نے جو کہ خود سخن فہم تھا قصیدہ سُن کر کہا مابقیت کلمۃ عذبۃ ولا معنی لطیفا الا وقد شغلتہ عن مدحی بتشبیبک یعنی الفاظ شیریں اور معنی لطیف تو سب تشبیب میں ختم ہو گئے اب مدح کے لئے کیا رہ گیا تب اُس نے دوبارہ قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ تھا۔

ھل تعرف الدار لام العمر دع ذا وحبر مدحۃ فی نصر

یعنی کیا تو ام عمر کے مکان کو پہچانتا ہے اس ذکر کو چھوڑ اور نصر کی مدح لکھ۔ اسے سن کر نصر نے کہا۔ لا ذالک ولا ھذا ولکن بین الامرین۔ یعنی نہ وہ افراط نہ یہ تفریط۔ بلکہ ان دونوں کے بین بین کلام ہونا چاہیئے۔

اس واقعہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جہاں گریز میں شاعر کی قوت دیکھی جاتی ہے کہ

سلسلہ کلام کو باقی رکھتے ہوئے کس طرح مطلب و مقصد کی طرف آتا ہے وہاں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ لطف بیان اور زور کلام میں بھی توازن رہا یا نہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے قصائد سیکڑوں ہیں اور ان دونوں کمالوں سے آراستہ و پیراستہ ہاں ارباب دنیا کی مدح میں اُن کا بیان پھیکا ہو جاتا ہے چوں کہ وہ دل کی صدا نہیں ہوتی اس لئے ایسے قصائد میں ساری قوت تشبیب میں صرف کر دیتے ہیں۔ گریز اچھی کرتے ہیں لیکن مدح اہل دول ان سے نہیں بن آتی پھر بھی اگر کہیں اس پر متوجہ ہو گئے ہیں تو مبالغہ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے مثال کے طور پر دو نمونے پیش کرتا ہوں۔

ظہیر فاریابی اپنے ایک قصیدہ میں قزل ارسلاں کی شان میں لکھتا ہے ؎

نہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیر پائے　　　تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ اس پر یوں تعریض کرتے ہیں ؎

براہِ تکلف مرو سعدیا　　　اگر صدق داری بیار و بیا
تو منزل شناسی و شہ راہ رو　　　تو حق گوے و خسرو حقائق شنو
چہ حاجت کہ نہ کرسیِ آسماں　　　نہی زیر پائے قزل ارسلاں
مگو پائے عزت بر افلاک نہ　　　بگو روے اخلاص بر خاک نہ

خسرو نے سلطان جلال الدین کی شان میں جو قصیدے لکھے ہیں اُن میں سے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں ؎

زآبِ حیات شست دہن را ہزار بار　　　تا بوسہ بر رکاب شہِ کامراں دہد

اندیشہ کے رسد کہ بہ بوسد رکابِ شاہ | گر بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد
زاں سوے کون گر پرد اندیشہ تا بہ حد | نتواند آنکہ بوسہ بر آں آستاں دہد

اسی بحر وقافیہ میں سلمان ساوجی کا بھی ایک قصیدہ شیخ اویس کی شان میں ہے اُس میں وہ کہتے ہیں ؎

در بوستاں بیادِ دہانِ تو غنچہ را | ہر دم ہزار بوسہ صبا بر دہاں دہد
ہست آستانِ حضرتت اقبال را حرم | مقبل کسے کہ بوسہ بر آں آستاں دہد
گشتست پایۂ بازِ مشرف بدست تو | بر پاے خویش بوسہ بپایے ازاں دہد

دیکھو ظہیر فاریابی امیر خسرو سلمان ساوجی تینوں ایک ہی مضمون کہہ رہے ہیں۔ لیکن یہاں خسرو چونکہ مبالغہ کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں اس لئے ظہیر و سلمان دونوں سے ان کا مبالغہ بڑھ گیا۔

ماہِ نو کی تشبیب مشاہیر قصائد نگاروں کی ایک موقع پر صاحب خزانہ عامرہ نے جمع کردی ہے ہم اُس میں سے بخوفِ طوالت صرف خاقانی و انوری و خسرو کی تشبیب درج کرتے ہیں۔ ظہیر کے ساتھ مقابلہ اوپر گزر چکا اب تکرار سے کیا حاصل۔

خاقانی ؎

دوش چوں خورشید را مصراعِ خاور ساختند | ماہِ نو را چوں حمائل حلقہ پیکر ساختند
محتسب گوئی بماہِ روزہ جامِ مے شکست | آں شکستِ جام را رسواے خاور ساختند
چرخِ جادو پیشہ چوں زریں قواں کرد گم | دامن کحلیش را جیبِ مقور ساختند

درزبان چرخ راگوئی چہ سہوافتادہ بود — کاں زہِ سیمیں بدیں دامن نہ درخورساختند
یاشبانگہ قصد کردند اختراں تپ زدہ — کاسماں طشت و شفق چوں ماہ نشترساختند
نیمۂ قندیل عیسےٰ بود یا محراب روح — یا مثالِ طوق اسپ شاہ صفدر ساختند

انوری ؎

دوش سلطانِ چرخ آئینہ فام — آنکہ دستور شاہ راہست غلام
از کنارِ نبردگاہِ اُفق — چوں بدستِ غروب داد زمام
دیدم اندر سوادِ طرۂ شب — گوشوارہ فلک زگوشۂ بام
گفتم آں نعل خنگ دستورست — قرۃ العین و فخر آل نظام

خسرو ؎

برآمد ماہِ عید از اوجِ گردوں — طرب چوں ماہِ نوشد ہردم افزوں
بلوحِ آسماں نونے ست یا عین — کہ بیروں آمدہ از کلکِ بیچوں
بہ بیں اندر رکوع آں پارۂ نور — ہلالش گوئی خواہی خواہ ذوالنوں
ہمانا حلقۂ گوشِ سپہرست — کہ دارد از کواکب درِّ مکنوں
سواد شام در پیشِ مہِ نو — مگر لیلےٰ است در پہلوے مجنوں
چنیں ماہِ نو و عیدِ خجستہ — مبارک باد بر ذاتِ ہمایوں

قصائد گوئی کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے وہ بوجہ احسن و اکمل خسرو میں موجود تھیں اور اُنھوں نے نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے اپنے قصائد میں اپنے جوہر کا اظہار کر دیا ہے۔

شوکت و ندرت الفاظ مسائل علمیہ مقدمات حکمیہ دقائق سلوک و تصوف اصطلاحات علوم مختلفہ دقت معانی صنائع و بدائع لفظی و معنوی (خصوصاً تجنیس و ترصیع) بلند پروازی مبالغہ وغیرہ قصائد نویسی کے زیور ہیں۔

خسرو کا خزانۂ خیال ان سب متاع سے مالا مال تھا پھر جس فراوانی سے وہ اس کو لٹا سکتے تھے وہ کچھ کہنے کی بات نہیں۔ ان کے کلیات کو اٹھا کر دیکھو مختلف بحور و قوافی میں پچاسوں قصیدے پاؤگے اور نہایت سیر۔

الحمدللہ کہ پیر جواں ہمت خادم اسلام و مخدوم قوم نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب کے چشمۂ فیض کی بڑھتی ہوئی موجوں میں قوم کو قصائد خسرو کے بھی مطالعہ کا موقع ملے گا۔

ہم یہاں محض ایک دو نمونے قصائد خسروی کے درج کرتے ہیں تاکہ ایک مجمل اندازہ ان کی قصائد نویسی کے متعلق ناظرین کر سکیں۔

موعظمت و اخلاق میں ان کا ایک قصیدہ ہے جس کا نام بحرالابرار یا دریائے ابرار ہے نہایت ہی سیر قصیدہ ہے اس میں یہ التزام ہے کہ ہر شعر کا پہلا مصرع دعویٰ ہے اور دوسرا دلیل دو شعر اس کے یاد ہیں انھیں کو لکھتا ہوں ؎

عاشقی رنج ست و مرداں را بسینہ راحت ست | سلسلہ بند ست و شیراں را بگردن زیور ست
راہ رو چوں در ریا کوشد مرید شہوت ست | بیوہ زن چوں رخ بیارا ید بہ بند شوہر ست

چند قصائد ان کے صنعت لف و نشر مرتب ہیں جن میں علاء الدین کی مدح کی ہے۔ تین شعر نمونۃً اس میں سے بھی لکھتا ہوں ؎

کجا خیزد چو تو سروے جوان و نازک و نو بر | شکر گفتار و شیریں کار و گل رخسار و مہ پیکر
نباشد چوں لب و اندام و گیسو و رخت ہرگز | شکر شیریں و گل رنگین و شب مشکین و صبح اذفر
ہبر اندیشۂ مہر و فراق و آرزوئے تو | ز تن چشم تاب و رویم آب و چشم خواب و جانم خور

خسرو کے بعد سلمان ساوجی و قاآنی نے اسی صنعت میں قصیدے لکھے ہیں جو اُن کے کلیات میں موجود ہیں لیکن سلمان ساوجی کا قصیدہ تو بہت ہی پھیکا رہا۔ بالکل آورد و تصنع معلوم ہوتا ہے۔ قاآنی جو شوکتِ الفاظ کا بادشاہ ہے یہ اپنے زورِ الفاظ سے بہت کچھ رنگ آمیزی کرنا چاہتا ہے لیکن خسرو سے بمراحل دور ہے۔

خسرو نے اپنے ایک طولانی قصیدے میں جس قادر الکلامی کے ساتھ مسئلہ تخلیقِ عالم او اُس کے متعلقات پر بحث کی ہے اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان فلسفیانہ مسائل میں وہ اس طرح تیرے ہوئے ہیں اور فلسفہ کے دقائق و نکات اُن پر اس طرح حل ہیں کہ طرح طرح کے اسلوب سے بیان کرنے پر اُنھیں قدرتِ تامہ حاصل ہے۔

پدید کرد جواہر مجرد از مادہ | کہ در خزانۂ ملکش سبیلِ اظہار ست
یکی ست نفس کہ ہست او مدبر ابدال | کہ بہر ہر بدنے روز و شب بہ تیمار ست
وگر دوم طلبی عقل جوہر یست کہ آں | نہ در تعلقِ کارِ دیار و دیّار ست
زہے عجائب صنعش کہ در لوائح کن | ولد سہ پشت نہ و مرد ہفت زن چار ست
نبات و معدن و حیوان ریں حدیقہ کنوں | سہ میوہ ایست کہ از یک درخت آں بار ست
یکی ست سنگ جماد و ملون و سادہ | کہ از مشابہت و تشریک مزاہست

دوم چو شعلہ دراں تکیہ کرد بر بالش | گہے بکنج حرم گہ بصفہ نارست
سوم رونده وگرد ان خزانہ خانۂ جاں | کہ بہر نقب خزانہ بسیش ہنجارست
دراں خزینہ چہارم گراں بہا گہریست | کہ قیمتش نہ دو عالمش خریدارست
ازاں سہ جاہل سوز زبان و لذت و ذوق | بریں یکے کہ یگانہ ست جملہ تیارست
وجودِ آدمی از عین غرتش عکس ست | چو عکسِ آب کہ از آدمی نمودارست

اسی قصیدے میں انسان کی ترکیب جسمانی وحیوانی کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

زآب و گل تنِ مردم چو قلعہ آراست | بشکلِ تنگ و بمعنی جہانِ اسرارست
درو کشید چو عنصر چہار بازارے | کہ رختِ ہر دو جہانش بچار بازارست
خزینہ دارِ نفائس بسینہ دل راساخت | خرد وزیر شد و جان سپاہ سالارست
نخست حسِ بروں را بہ تجربہ بنگر | کہ ذوق و فائدہ رہر یکے چہ مقدارست
دگر حواسِ دروں بینی آنچہ اندر تن | ہزار عالمِ مستور خاص ستارست
تو حسِ مشترک و وہم و فہم صورت کن | کہ ہر یک آئینۂ جاں بغیر زنگارست

شاعر کی جادوگری وسحر نگاری کے جو مواقع ہیں اُن میں سے ایک یہ ہی کہ خشک علمی مضامین کو اپنی رنگین بیانی سے ایسا آراستہ کرے کہ صحیح مسائل کا بیان دل آویز و دل پذیر ہو جائے جس نے فلسفہ وحکمت میں ان مسائل کو پڑھا ہوگا وہی سمجھ سکتا ہی کہ ان دقیق مسائل کو خسرو نے کس محققانہ طرز سے ادا کیا ہی۔ جو مسائل کتب حکمیہ میں چند صفحوں میں بیان ہوئے ہیں یہاں اُنھیں چند اشعار میں بیان کر رہے ہیں۔

خاقانی نے ایک نہایت طویل الذیل قصیدہ لکھ کر اُس کا نام مرات النظر رکھا ہی جس کا
مطلع یہ ہی ؎

دلِ من پیرِ تعلیم ست و من طفلِ زبان‌دانش — دمِ تسلیم سرِ عشر و سرِ زانو دبستانش

یہ قصیدہ اُس کا بہت ہی مشہور قصیدہ ہی اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس قصیدے میں اُس نے بڑی داد قادر الکلامی دی ہی۔ مضامین اپنے علو مرتبت میں اور خیالات اپنی بلند پروازی و ندرت میں آپ اپنا جواب ہیں عادت کے موافق خاقانی نے اس قصیدے پر بہت کچھ فخر و مباہات کیئے ہیں اور کوس انا ولا غیری بجایا ہی۔ خسرو نے اس کے جواب میں ایک قصیدہ اسی بحر و قافیہ میں لکھا اور اُس کا نام مرات الصفا رکھا۔ خسرو کے بعد مولانا جامی نے بھی اسی بحر و قافیہ میں طبع آزمائی کی۔ اور اپنے قصیدے کا نام جلاء الروح رکھا۔

ان تینوں قصائد میں کیا فرق ہی۔ اس بحث کو میں یہاں چھیڑنا نہیں چاہتا کیونکہ ان پر بحث کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے جس کا یہاں موقع نہیں۔ اور چند اشعار کے مقابلہ سے پورے قصائد کی خوبیاں اور ایک دوسرے کا فرق ظاہر نہیں ہو سکتا تاہم اس خیال سے کہ سطحی طور سے بھی عام ناظرین اندازہ کر سکیں اپنے مقصد کے لئے مناسب ہوگا کہ تینوں قصائد میں سے تھوڑے تھوڑے اشعار ذیل میں درج کر دیے جائیں جس میں جامی کا قصیدہ خود تنقید کا مرتبہ رکھتا ہی اُنہوں نے آخر قصیدے میں فیصلہ کر دیا ہی کہ کس کے قصیدے کا کیا پایہ ہی۔

خاقانی ؎

دلِ من پیرِ تعلیم ست و من طفلِ زباندانش | دمِ تسلیم سرِ عشر و سرِ زانو دبستانش
نه ہر زانو دبستان ست و ہر دم لوحِ تسلیمش | نه ہر دریا صدف دارست و ہر نم قطرہ نیسانش
سرِ زانو دبستان ست چوں کشتیِ نوح آں را | که طوفان جوش در داوست و جودی گرد دامانش
کسے کیں خضرِ معنی را ہست دامنگیر چوں موسیٰ | کفِ موسیٰ و آبِ خضر بینی در گریبانش
مرا ہمت چو خورشید ست شاہنشاہ زند استا | که چرخش زیرِ رانست و سرِ عیسیٰ ست بر رانش
بلے خود ہمتِ درویش چوں خورشید می باید | که سامانش ہمه شاہی ست او فارغ ز سامانش
زہے خضرِ سکندر دل ہوا تخت و خرد تاجش | خہے سرمست عاقل جاں بقا منزل رضا خوانش
دو کون امروز دکاں نسبت کحال شریعت را | که خود کحل الجواہر یافتند انصار و اعوانش
به بندار کحل دیں خواہی کمر چوں دستۂ ہاون | به پیشِ آنکه ارواح اند ہاون کوبِ دکانش
ہمه گیتی ست بانگ ہاون اما نشنود خواجه | که سیمابِ ضلالت ریخت اندر گوش خذلانش
فلک ہم ہاون کحل ست کردہ سرنگوں گوئی | که منع کحل سائی را نگوں کرد اندریں سانش

حق یہ ہی کہ اس خاقانِ ملک سخن نے اپنی قادر الکلامی اور بلند خیالی کا بے مثال نقش صفحۂ قرطاس پر کھینچ دیا ہی۔ بلحاظ شکوہ الفاظ۔ رفعت خیال۔ زور کلام استعارات و تشبیہات کی موزونی۔ بندش کی چستی۔ اشعار کی برجستگی۔ فصاحت و بلاغت و متانت اور صنائع شعری کے خاقانی کا یہ قصیدہ بے بدل ہی۔

امیر خسرو ؎

دلم طفل ست و پیر عشق استاد زبان دانش / سواد الوجہ سبق و مسکنت کنج دبستانش
زباں داں پیر عشق آمد کہ ہر کہ آموخت زو زاد / درونش لوح محفوظ ست و خاموشی ست بزبانش
ببازار فقیراں رو اگر نقدیست در کیسہ / کہ چندیں تحفۂ گنج ست در ہر کنج دکانش
چو مرد از خود بروں آید گل و خارست یکرنگش / چو مست از ہوش فارغ شد شب و روزست یکسانش
ز دریاے شہادت گر نہنگ لا برآرد سر / تیمم واجب آید نوح را در عین طوفانش
نہ من گفتار دانا را جوابے ساختم لیکن / جوے آوردم و کاہی کہ ریزم پیش یکرانش
سخن زاں گونہ گفتم من بلند امروز در دہلو / کہ از خواب گراں بیدار کردستم بشر دانش
مرا انصاف مطلوب ست نے تحسین ازیں معنی / کسے کو بگذرد ز انصاف باشد خصم یزدانش

خسرو اقلیم معانی نے بھی اپنے قصر مرات الصفا کی آئینہ بندی اور زیب و زینت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ اور جواہر زواہر معانی سے اُس کی آرائش و زیبائش اس طرح کی ہے کہ خاقان ملک سخن کے قصر معلیٰ کی رفعت شان سے ہم رتبہ ہو سکے۔ اور انصاف یہ ہے کہ اگر ہمپا نہیں تو قریب قریب بام مراد تک رسائی حاصل کی ہے۔ لذت کلام نزہت خیال حسن ادا فصاحت و متانت اور صنائع شعری کے اعتبار سے ان کا قصیدہ بھی لاجواب جواب ہے۔

جامی ؎

معلم کیست عشق و کنج خاموشی دبستانش / سبق نادانی و دانا دلم طفل سبق خوانش

زہر کس ناید ایں وستاد و شاگردی نہ ہر کو ہے — بدخشاں باشد و ہر سنگ پارہ لعل رخشانش
زباں جز بے زبانی نیست ایں نادر معلم را — دریغا در ہمہ عالم ندانم کس زباں دانش
دو شاخ لا شود در کفر غل گردن ساک — چو بکشاید در الا بوحدت چشم عرفانش
میان لا و الا یک الف فرق ست و زینو — درالا آں الف بالا شمارد عقل یکسانش
سخن آں بود کز اوّل نہاد استاد خاقانی — بمہماں خانۂ گیتی پے دانشوراں خوانش
چو در سیر معانی یافت خسرو سوے آں خوان — ملاحتہاے او فگند شورے در نمکدانش
اگر امروز ایں خادم ز بحر شعر تر آبے — پئے دست و زباں شستن بیارد نیست تاوانش

سخن سنج جام نے جو فیصلہ کیا ہی اُس سے بہتر فیصلہ اس زمانے کے لوگوں کا کیا ہوسکتا ہی۔ خاقانی نے خوانِ نعمت بچھایا۔ خسرو نے اُس کو نمک ڈال کر بامزہ بنایا جامی علیہ الرحمۃ نے کھانے والوں کے ہاتھ دھلوا دیئے۔ اب ہم بھی قصائد کی بحث کو ختم کرتے ہیں۔

مثنوی — مثنوی میں بھی خسرو کا پایہ بہت ارفع ہی سادگی و صفائی کے ساتھ ساتھ ایک خاص جوش واثر دل آویزی و دل ربائی ان کی مثنویوں میں پائی جاتی ہی۔ بیان کی سلاست زبان کی شوخی الفاظ کی موزونیت و ندرت۔ بندش کی نفاست۔ خیالات کی ہمواری عبارت کی روانی مثالوں کی چاشنی تمثیلوں کی برجستگی مواعظ و پند کی لینت و شیرینی اہل ذوق کو والہ و شیدا بناتی ہی۔

اصناف نظم میں مثنوی کی قدامت اور اس کے اقسام — مثنوی نظم کی بڑی صنف اور بہت قدیم صنف ہی باعتبار مضامین

اس کی تین قسمیں ہیں رزمیہ۔ بزمیہ۔ اور اخلاقی وصوفیانہ۔

رزم اور فردوسی

فردوسی کا شاہنامہ جو اُس کی تمام شاعرانہ قوت کا خلاصہ وجوہر ہے اُس میں رزم کی تصویر ایسی ہو بہو کھینچی ہے جس کا مقابل آج تک کوئی پیش نہ کرسکا اگرچہ اُس کے اس التزام نے کہ عربی آمیزش سے حتی الامکان زبان فارسی محفوظ رہے بہت سے ثقیل ونامانوس الفاظ داخل کردیئے۔ لیکن رزم کی مثنوی میں فردوسی کی زبان سے اُن الفاظ کی ثقالت بھی ایسی ہی خوشنما وپیکر آرا رہی جیسے ایک نبرد آزما جنگ جو کے جسم پر جوشن وزرہ۔

فردوسی ویوسف زلیخا

محمود کے دربار سے جب فردوسی شکستہ خاطر ہو کر بھاگا تو اُس نے اپنی اُس زندگی میں یوسف زلیخا لکھی اور چاہتا تھا کہ بزم میں بھی اپنی عروس سخن کو اس جلوہ گری سے ظاہر کرے کہ رزم وبزم دونوں کا سکہ فردوسی ہی کے نام کا جاری ہو لیکن یہ حصہ کسی آیندہ آنے والے کا تھا۔ اس لئے اس کی سعی یوسف زلیخا میں کچھ کامیاب نہو سکی۔ بعض اس کی علت اُس کی شکستہ خاطری اور پریشاں حالی قرار دیتے ہیں خیر سبب کچھ بھی کیوں نہو لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ رستم وسہراب۔ بہمن و اسفندیار کے خنجر وشمشیر کا بیان کرنے والا لیلے کے تیغ ادا اور کمندِ گیسو کو کیونکر جان سکتا ہے اس لئے اس کا لکھنا نہ لکھنے کے برابر تھا۔

ہاں اُس قدر عشق کا بیان جس میں سپاہ منشی کی آن بان قائم رہے وہاں تک تو اُس کا قلم بے مثل مصوری کرتا ہے لیکن اس سے جہاں عشق نے قدم آگے

بڑھاپا۔ بس فردوسی کا قلم کانپ اٹھتا ہی اگر کوئی فردوسی کے کمالات پر خاک ڈالنا چاہے تو اُس کی یوسف زلیخا سے جامی علیہ الرحمۃ کی یوسف زلیخا کا مقابلہ کرکے عوام کو بخوبی دھوکا دے سکتا ہی۔

صوفیانہ و اخلاقی مثنویاں مولنا رومی حکیم سنائی فریدالدین عطار کے رشحات قلم سے عالم وجود میں آئیں اور اس طرح مثنوی کی دو قسمیں بہ تمام وکمال زیور نظم سے آراستہ و پیراستہ ہوگئیں۔ لیکن ان کی ایک قسم یعنی بزم و عاشقانہ وہ اپنی پوری آرائش و زیبائش کے لئے کسی زبردست قلم کی ہنوز منتظر تھی۔

مولنا نظامی اور مثنوی | یہاں تک کہ ۵۳۳ھ میں مولنا نظامی گنجوی پیدا ہوئے ان کا خاندان ایک علمی خاندان تھا اور اس کے ساتھ شعر و سخن کا بھی گھر میں شغل رہا کرتا تھا۔ مولنا طالب العلمی کے ساتھ اشعار کی بھی مشق کرتے جاتے تھے۔

پچیس یا چھبیس برس کی عمر میں پہنچکر مخزن الاسرار تصنیف فرمائی۔ اور بہرام شاہ کے نام سے اسے معنون فرمایا۔ پانچ ہزار دینار سُرخ ایک قطار شتر اور مختلف قسم کے کپڑے انعام پائے۔ یہ مثنوی صوفیانہ ہی فلسفۂ نظری و عملی کو صوفیانہ طرز میں بیان کیا ہی اگرچہ اس موضوع پر مولنا سے پیشتر اسلاف بہت کچھ لکھ چکے تھے لیکن رنگینی و مرصع کاری مولنا کے قلم سے ہوئی تھی جیسا کہ مطالعۂ مخزن الاسرار سے یہ وصف ظاہر ہوگا مخزن الاسرار کے بعد شیریں و خسرو تصنیف ہوئی۔ اس سے فارغ ہوکر داستان لیلیٰ و مجنوں کو نظم کا جامہ پہنایا۔ پھر ہفت پیکر کی آراستگی فرمائی۔ آخر عمر میں سکندر نامہ

لکھ کر اپنے زورِ قلم کا ایک نمونہ چھوڑ گئے۔

مولنا نظامی کی جامعیت

اگرچہ مولنا کی ہمہ گیر طبیعت نے تمام اصنافِ سخن پر زورِ قلم دکھانا چاہا۔ غزلیں بھی کہیں قصائد بھی لکھے لیکن اصل مضمون مثنوی ہے جس میں مولنا کی طبع رواں عجیب عجیب خوش رنگ و خوشبو گل کھلاتی ہے۔

مثنوی میں نظامی کی خصوصیات

یہ نظامی ہی کی جدت آفریں طبیعت تھی جس نے شیریں و خسرو اور لیلیٰ مجنوں لکھ کر شاعری کو عشق و حسن کے مراحل و منازل بھی مثنوی کے سہارے طے کرا دیئے۔ اور مثنوی کی تیسری قسم جو ہنوز تشنہ تھی وہ نظامی کے چشمۂ فیض سے اب ایسی سیراب ہوئی کہ آج تک اس راہ کے پیاسے اُسی چشمۂ صافی سے پیاس بجھاتے ہیں۔

مولنا نظامی سے قبل مثنوی کے لئے تین بحریں مخصوص تھیں شعرا جب مثنوی کہتے تو انھیں تین بحروں میں اُن کے کلام کی روانی پائی جاتی۔ مولنا نے دو بحریں اور اضافہ کیں۔ مخزن الاسرار و ہفت پیکر کی بحریں مثنوی کو نظامی ہی کے دبیرِ قلم کی عطا کردہ ہیں شعرائے مابعد نے ان دونوں نئی بحروں کو بھی ویسا ہی قبول کیا جیسا کہ اس سے پیشتر کی تین بحریں مقبول تھیں اس طرح اب مثنوی کی پانچ بحریں ہوگئیں

علاوہ اس کے کہ یہ دو امور خصوصیات بلکہ اولیات نظامی ہیں نفس بیان ترکیب و نشست الفاظ، زورِ تشبیہ اور ندرتِ استعارہ۔ ان محاسن سے مولنا کا گنجینۂ سخن مالامال ہے۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جن سے دورِ اوّل کا کلام بہت کچھ خالی تھا اگرچہ ایک

خلقی حسین آرائش کا محتاج نہیں ہوتا لیکن جب وہی حسین آرائش کے ساتھ سامنے آتا ہی تو پھر دل پر کچھ اور ہی اثر پڑتا ہی۔

نظامی کے کلام میں وہ حسن بھی ہی جو قدما، کی مثنویوں میں تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اُسے سولہ سنگار سے ایسا آراستہ کیا ہی کہ اہل نظر کی نگاہ اُن سے ہٹنے نہیں پاتی۔ مولانا کے اس کمال کا سخن سنجوں نے ایسا صحیح اعتراف کیا کہ بزم شعرا میں انھیں خدائے سخن کا لقب ملا۔ اور یہ لقب مولانا کے ساتھ مخصوص اور آپکے تخلص نظامی کا مرادف ہو گیا ہی۔

اقسام سہ گانہ مثنوی میں جس قوت و جامعیت سے کہ مولانا کے قلم نے مضامین رنگین کے مینھ برسائے ہیں اُن کا احاطہ ناممکن ہی۔ پھر جذبات کی مصوری و واقعات کی تصویر کشی مولانا نے کچھ اس کمال و خوبی سے کی ہی کہ فردوسی جیسا واقعہ نگار بھی کہیں کہیں پیچھے رہ جاتا ہی۔ مولانا کے اس کمال کے دو نمونے ہدیۂ ناظرین ہیں۔

مثال اوّل | دارا جب غلاموں کے ہاتھ سے زخمی ہوتا ہی اور حالت نزع میں آخری سانس لے رہا ہی اُس وقت سکندر اُس کے پاس جاتا ہی اور دارا اُس سے کچھ کہتا ہی اس واقعہ کو فردوسی و نظامی دونوں نے بیان کیا ہی لیکن جو تصویر کہ مولانا کے قلم نے کھینچی ہی اُس کے خط و خال ایسے نمایاں ہیں کہ دارا کے جذبات جذبات معلوم نہیں ہوتے بلکہ گوشت و پوست سے درست ایک چلتی پھرتی صورت معلوم ہوتی ہی۔

فردوسی نے واقعہ یہ دکھانا چاہا ہے کہ مرتے وقت انسان کے تمام ولولے اور جوش فنا ہو جاتے ہیں بسترِ مرگ پر ایک فقیر و بادشاہ دونوں کے جذبات پہلو بہ پہلو ہوتے ہیں۔ اپنی بیکسی و بے مائگی۔ پس ماندوں کی حیرانی و تباہی دونوں پر یکساں چھا جاتی ہے۔

اس لئے فردوسی دارا سے ایسے کلمات نقل کرتا ہے جس سے صرف دنیا کی بے ثباتی اپنی مجبوری انقلابِ دہر کا عبرت ناک سماں سمجھا جاتا ہے۔

برخلاف اس کے مولانا نظامی علیہ الرحمۃ اُس لطیف فرق کو نہایت خوبی سے بیان فرماتے ہیں جو شاہانہ و خسروانہ دماغ کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی تاسف و تحسر کے کلمات دارا کی زبان سے بیان کرتے ہیں لیکن شاہنشاہی اور کیانی تاجداری کی شان اُس میں مضمر ہے اور یہی نکتہ بیان کا کمال بلکہ سخن کی جان ہے۔ دونوں کے کلام سے سات سات شعر اس جگہ ثبوت کے لئے نقل کرتا ہوں۔

فردوسی	نظامی
زمین و زماں بندہ بد پیشِ من	اگر تاج خواہی ربود از سرم
چنیں بود تا بخت بد خویشِ من	یکے لحظہ بگزار تا بگزرم
چو از من ہماں بخت بیگانہ شد	مگرداں سرِ خفتہ را از سریر
ہمہ کاخ و ایواں چو ویرانہ شد	کہ گردونِ گرداں برآرد نفیر

نظامی	فردوسی
تو اے پہلواں کآمدی سوے من	زنیکی جدا ماندہ ام زیں نشاں
نگہ دار پہلو زپہلوے من	گرفتار در دست دشمن کشاں
کہ با آنکہ پہلو دریدم چو میغ	زفرزند و خویشاں شدہ نا اُمید
ہمی آید از پہلویم بوئے تیغ	سیہ شد جہاں دیدگانم سفید
چہ دستت کہ با ما درازی کنی	زخویشاں کسے نیست فریادرس
بتاجِ کیاں دست بازی کنی	اُمیدم بہ پروردگارست وبس
نگہ دار دستت کہ دارست ایں	برین ست آئینِ چرخِ رواں
نہ پنہاں چو روز آشکارست ایں	اگر شہریاری وگر پہلواں
زہیں رامنم تاج تارک نشیں	بزرگی بفرجام ہم بگزرد
مجنباں مرا تا بجنبد زمیں	شکارست مرگش ہمی بشکرد

دیکھو فردوسی نے بجز اس کے کہ پہلے شعر میں اُس کا صاحبِ تخت واقبال ہونا بیان کیا ہے اس کے سوا اور کوئی کلمہ ایسا نہیں کہا جس سے ایک ایسے شخص کے جذبات کی خصوصیت معلوم ہوتی جس کا وجود ایک بہت بڑے شاہی خاندان کی یادگار تھا اور جس کی زندگی کی ہر حرکت وسکون سلطنت کیانی کا ایک تاریخی ورق تھا۔

برخلاف اس کے مولنا کا ہر شعر اس خصوصیت کے اظہار میں کیسا کامل ہے

جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ دم واپسیں تک بھی شاہی جذبات سے خالی نہیں ہوتا۔

مولانا نظامی کے کمال کی ایک دوسری مثال

اسی طرح اس واقعہ کو کہ خود سکندر قاصد کے لباس میں ایک دوسرے شاہانہ دربار میں جاتا ہے۔ پیام پہنچاتا ہے اور پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ قاصد نہیں بلکہ خود سکندر ہے۔ لیکن سکندر انکار کرتا ہے۔ آخر میں شاہانِ عہد کی تصویریں نکالی جاتی ہیں اور اسکندر کے پاس کوئی حجت نہیں رہتی ہے۔

اس واقعہ کو دونوں نے بعینہٖ لکھا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ مولٰنا نظامی نے نوشابہ کے دربار میں پہنچایا ہے اور فردوسی قیدافہ کی بارگاہ میں لیجاتا ہے لیکن واقعات کا تسلسل جو نظامی کے یہاں ہے وہ فردوسی کے یہاں بالکل نہیں پایا جاتا۔

فردوسی نے سکندر کو جو قاصد بنایا تو تھوڑی دیر کے لئے اُس کے شاہانہ حوصلے خسروانہ جذبات ملوکانہ اولوالعزمی شجاعانہ ہمت یہ سب ہیچ مچ فنا ہوگئے اور قاصدی کے جامہ میں آتے ہوئے حقیقتاً ہر طرح کا ضعف بھی اُس میں آگیا۔ چنانچہ قیدافہ کے دربار میں وہ جب پہنچتا ہے تو دربار کی آراستگی اور شاہانہ جاہ وحشم اُسے متحیر کردیتا ہے۔ سطوت وہیبت شاہی سے وہ مرعوب ہوکر تمام مراسم قاصدی پورا کرتا ہے۔ لیکن اثنائے گفتگو میں بادشاہ کو خود بخود خیال ہوتا ہے کہ یہ صورت سکندر سے ملتی ہے اور وہ تصویر نکال کر دیکھتا ہے۔

مگر نظامی اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ اگر بادشاہ کسی معمولی و کہتر شخص کے لباس میں بھی آجائے تو شاہانہ دماغ کے لوازم اُس حال میں بھی اُسے اہل بصیرت کی نگاہوں میں ممتاز رکھتے ہیں۔

اس لئے سکندر جب نوشابہ کے دربار میں پہنچا تو سجدہ برسم قاصداں بجا نہ لاسکا طرز کلام میں اُس کے جو وقار و جرأت پائی جاتی تھی اُس میں شان قاصدوں کی نہ تھی۔ اس سے نوشابہ کو حیرت ہوتی ہے اور خیال گزرتا ہے کہ یہ جرأت بادشاہوں جیسی ایک قاصد میں کیونکر ہوسکتی ہے۔ اس خیال کی بنا پر وہ کہتی ہے ؎

کہ صد آفریں بر تو شاہِ دلیر | کہ پیغام خود میگزاری چو شیر

میانجی نہ شاہِ آزادۂ | فرستندۂ نہ فرستادۂ

سکندر انکار کرتا ہے۔ قاصد ہونے پر مصر ہے اور سکندر کی عظمت و جلال کا خطبہ پڑھتا ہے تب نوشابہ تصویر منگواتی ہے سکندر کی تصویر اُس کے روبرو رکھ دیتی ہے اب وہ حیران ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ فردوسی جو مثنوی کے باب میں پیغمبر تسلیم کیا گیا ہے اور جس کے کلام کی پختگی خیالات کی بلندی جذبات و احساسات کی مصوری ایک امر مسلم ہے نظامی نے اُس اُستاد مسلم کے ساتھ میدانِ رزم میں مسابقت کی اور اس میں

شک نہیں کہ اُن تمام مقامات پر جہاں اُس سے کچھ بھی کمی رہ گئی تھی نظامی نے اُسے پورا کرکے ایک قدم اپنا آگے بڑھالیا۔ بہت سی جگھوں میں اُس کے دوش بدوش رہے۔ لیکن جو میدان کہ فردوسی کا خاص ہوچکا تھا اور اُس کے کلام کی بلندی اُس حدتک پہنچ گئی تھی کہ جس سے ترقی ناممکن تھی وہاں رزم میں البتہ نظامی سے اُس کے کلام کی فوقیت نمایاں ہی۔

بہرحال فردوسی و نظامی کا سکندرنامہ وشاہنامہ سے مقابلہ مقصود نہیں اور حق تو یوں ہی کہ ایک ایسے جوہر کا جسے حکاک نے تراش خراش کر مجلےٰ بنایا ہو اُس کا ایک کان جواہر سے کیا مقابلہ۔ بلکہ مقصد یہ ہی کہ نظامی کی ہمہ گیر طبیعت کا صحیح اندازہ ناظرین کو ہوجائے اور یہ معلوم رہے کہ ان کی پُرزور طبیعت فردوسی کے چمن سے گزرتے ہوئے وہاں پہنچکر گل کھلاتی ہی جس جگہ فردوسی پہنچنے سے کانپ اُٹھتا ہی۔

مولنا نظامی کی جامعیت بمقابلہ فردوسی

مولنا نظامی قصائد لکھتے ہیں غزلیں کہتے ہیں۔ مثنوی عشقیہ اخلاقی و صوفیانہ تصنیف کرتے ہیں اور اپنی سحرالبیانی کا خراج تحسین باکمال اساتذہ سے وصول کرتے ہیں لیکن فردوسی کا قلم جب رزم سے کسی دوسری طرف کا قصد بھی کرتا ہی تو تھرا اُٹھتا ہی شق ہو ہوجاتا ہی۔ یہی حال دوسرے مثنوی کہنے والے شعرا کا نظامی کے مقابلہ میں ہی۔ ہرایک مثنوی گو ایک ایک صنف مثنوی پر قدرت

رکھتا ہے لیکن اقسام سہ گانہ مثنوی پر قوت و شوکت کے ساتھ صرف نظامی ہی کا قلم رواں ہے۔

خمسہ نظامی کا سو برس تک جواب نہ ہو سکا

الغرض اس خدائے سخن کی پانچ مثنویاں جو خمسۂ نظامی کے نام سے مشہور ہیں ۵۹۷ھ میں مکمل ہو کر ایسی مقبول خاص و عام ہوئیں کہ ان کا جواب غیر ممکن سمجھا جانے لگا۔ اور اس طرح یہ خمسۂ نظامی سو برس تک انا و لاغیری کا مدعی رہا۔ اب سو برس بعد تلک الایام نداولھا بین الناس کا یوں ظہور ہوتا ہے کہ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ اس میدان میں قدم رکھتے ہیں اور اس جوش و مستی سے بادیہ پیمائے سخن ہوتے ہیں کہ باوجود مشاغل گوناگوں و تصانیف متنوعہ تین برس سے کم عرصے میں نہایت کامیابی کے ساتھ خمسہ نظامی کی منزل سے قریب اپنے خمسۂ خسروی کا خیمہ نصب کر دیتے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم

بیان مثنوی میں یہ صفحات جو فردوسی و نظامی کے متعلق لکھے گئے ان سے صرف اس امر کا ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اقسام نظم میں مثنوی اپنے ایسے مرتبۂ کمال پر پہنچ گئی تھی کہ سو برس کے عرصہ میں جس قدر بھی کہ شعرا گزرے انہوں نے قصائد کہے غزلیں کہیں اور اسلاف سے کہیں زیادہ اپنے کلام کو محاسن و لطائف سے آراستہ کیا لیکن مثنوی کے ارادے سے جب نظامی کے خمسہ پر نظر ڈالتے تو حواس خمسہ جواب دے جاتے۔

حالانکہ اصنافِ نظم میں سب سے زیادہ مفید مثنوی ہی کی صنف تھی مسلسل مضمون اسی میں بیان ہو سکتا ہے اور اسی لئے شعرائے ایران نے مثنوی کی قسم ایجاد کی تاکہ واقعات و حالات تاریخی نظم کی دل آویزی سے مرغوب و پسندیدہ ہو کر بقا کی صورت میں آجائیں لیکن نظامی کے کلام کی بلندی نے سب کے حوصلے اس طرح پست کر دیئے تھے کہ مثنوی کی صنف قریب تھی کہ معدوم ہو جائے۔

یہ خسرو علیہ الرحمۃ کے کمال و زورِ بیان کا احسان ہے کہ عالم نظم میں سو برس بعد پھر مثنوی کا دورہ آیا۔

خسرو کا احسان اور مثنوی کی دوبارہ زندگی

خسرو علیہ الرحمۃ نے اس خزینۂ نظم کے ابواب اپنی خداداد قابلیت سے اس وسعت و فراخی سے مفتوح کر دئیے کہ آج تک شعرا اپنے اپنے حوصلہ و استعداد کے مطابق اس سے حصہ پا رہے ہیں۔

مثنوی پر یہ احسان حضرت خسرو علیہ الرحمۃ کا ہے جن کے قلم اعجاز رقم نے پھر اسے ایسا زندہ کیا کہ آج تک یہ مردہ نہ ہو سکی۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام میں اگر خمسۂ خسروی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو بھی اُن کے کمال کا مسلّم ہونا ظاہر تھا۔ اس لئے کہ نظامی علیہ الرحمۃ کے بعد مثنوی گوئی کا ارادہ شاعری کے لئے کچھ آسان نہ تھا۔

مولانا نظامی کی تمام عمر کا جسے سرمایۂ ناز اور اُن کے چمن شاعری کا گل سرسبد کہا جاتا ہے وہ صرف مثنوی ہے۔

مولانا کی طبیعت میں نظم کی اس صنف سے خاص لگاؤ تھا اطمینان و فراغ

خاطر سے مشق اس کی بڑھاتے رہے یہاں تک کہ کلام کی بلندی اُس مرتبہ پر پہنچی کہ خدائے سخن کا لقب ملا لیکن خسرو علیہ الرحمۃ جنھیں اپنا وقت صبح سے شام تک دربار شاہی میں بسر کرنا ہوتا تھا اور اُس کے بعد جب مہلت و فرصت ملتی تو اُسے اپنے شیخ طریقت کی خدمت میں سعادت اندوز فرماتے۔ اسی کشاکش وضیق وقت میں جو لمحات کہ مل جاتے اُن میں شاعری کی طرف توجہ ہوتی۔

انصاف شرط ہے کہ ایک ایسے شخص کا خمسۂ نظامی کے مقابل جو اُن کی عمر کا سرمایہ ہے تین برس میں خمسہ طیار کرنا کیا کرامت نہیں ہے۔

اس بحث کو ہم یہاں چھیڑنا نہیں چاہتے کہ خسرو کا خمسہ کہاں تک کامیاب ثابت ہوا۔ اس لئے کہ اس رسالہ کے آخری حصہ میں مبسوط بحث اسی مضمون پر ہے ہفت پیکر و ہشت بہشت کا سیر کن مقابلہ کیا گیا ہے یہاں صرف اس قدر بیان کرنا ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ نے جب یہ دیکھا کہ شاعری کی ایک مفید صنف معدوم ہوئی جاتی ہے نظامی کی ہیبت کسی کو قلم اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتی تو آپ نے بسم اللہ کہہ کر ہمتِ مردانہ سے کام لیا۔ اور الحمد للہ کہ آپ کی سعی مشکور ہوئی جیسا کہ خمسہ کی پہلی مثنوی مطلع الانوار میں فرماتے ہیں ؎

گرچہ بملک سخن از پنج گنج | نوبتِ آں گنجہ نشیں گشت پنج
نوبت خسرو کہ بپیچش نواست | پنجہ زنِ نوبتِ آں خسرو ست
سازم ازاں ساز ... پنج | پنج کا ... آں پنج گنج

کانچہ بہر گنج بود ناپدید　　فتح شود ہم بزبانِ کلید
آں نمط آرم کہ ہمہ ناقداں　　فرق ندانند ازیں تا بداں
ملکِ کہن راچو گرفتم بہ تیغ　　گوہرِ خود نیز فشاندم چو میغ

خسرو علیہ الرحمۃ نے مولانا نظامی کے خمسہ کو پانچ خزانے بتایا ہی اور اپنے خمسہ کو اُن خزائن کی کنجیاں یہ استعارہ اُس وقت اور بھی لطف دے جاتا ہی جب یہ دیکھا جائے کہ بعد خسرو علیہ الرحمۃ کے ستّر سے بھی زیادہ خمسۂ نظامی کی طرز پر مثنویاں لکھی گئیں۔

منقولۂ بالا اشعار کے پچھلے دو شعروں سے یہ مقصود ہی کہ نظامی کی روش لفظاً معناً اس طرح اختیار کی جائے اور بیان ایسا رنگین و مرصع ہو کہ تابع و متبوع میں فرق نہ معلوم ہو۔ پھر صرف یہی نہیں کہ محض اتباع نظامی اس خمسہ کا کمال ہو بلکہ خود اپنی مجتہدانہ قابلیت کا بھی ثبوت اس میں دیا جائے۔ چنانچہ جہاں خسرو کی ہمہ گیر طبیعت نے نظامی کی روش فتح کی ہی وہاں خزائن خسروی کے خاص جواہر بھی آیندہ آنے والوں کے لئے مینھ کی طرح برسا دیئے ہیں پس خسرو کا یہ کہنا بالکل صحیح ہی کہ ؎

ملک کہن راچو گرفتم بہ تیغ　　گوہرِ خود نیز فشاندم چو میغ

اس امر کا ثبوت کہ خسرو نے جو کچھ اپنی مثنویوں علی الخصوص خمسہ کے متعلق کہا ہی وہ صرف جذبات شاعرانہ کی نغمہ سرائی نہیں ہی بلکہ ایک امر واقعی کا سچّا اور حقیقی بیان ہی اُس حصۂ کتاب میں ثابت ہو جائے گا جہاں نہایت تفصیل سے نظامی و خسرو کے

اشعار کا مقابلہ کیا گیا ہے۔

صنف مثنوی پر احسان خسروی کی تفصیل لیکن اس جگہ مجمل طور پر اس کا اظہار ضروری ہے کہ صنف مثنوی پر وہ کونسا خاص احسان ہے جسے خسرو کی گوہر افشانی کہی جائے۔

(۱) ابھی یہ مضمون بیان ہو چکا ہے کہ قدما کے کلام میں مثنوی کے لئے صرف تین بحریں تھیں نظامی علیہ الرحمۃ نے دو بحریں اُس پر اضافہ کر کے مثنوی میں وسعت پیدا کی۔

بحور مثنوی میں ازدیاد خسرو علیہ الرحمۃ کا جب زمانہ آیا تو آپ نے پانچ پر دو بحریں اور بڑھائیں اور اس طرح مثنوی کے لئے سات بحریں ہو گئیں پھر آپ نے ایک مثنوی لکھی جس کا نام نہ سپہر قرار دیا اور اُس میں دو نئی بحریں اور بھی اضافہ کیں اس طرح چار تازہ بحریں مثنوی کو خاص خزانۂ خسروی سے عطا ہوئیں۔

(۲) نظامی کے عہد تک یہ دستور تھا کہ عنوان محض سادہ ہوتے مثلاً حمد نعت مدح سلطان و قس علیٰ ہذا۔ اسی قدر عبارت عنوان کے لئے کافی سمجھی جاتی۔

عنوان میں جدت لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے اس میں بھی ایک جدت پیدا کی۔ آپ نے اپنی مثنویوں میں عنوان کو ایک عجیب دلکش و رنگین نثر میں لکھا ہے دیکھو اسی ہشت بہشت کے عنوانات۔

چنانچہ مثنوی مطلع الانوار میں اپنی اس ایجاد کو خود فرماتے ہیں ؎

چون شود آراستہ نظمم چو دُر   از گہ نثر کنم خانہ پُر

ہر چہ نویسم بسر داستاں   رست کنم رہ زپئے رہ ستاں
تا قلمِ ہر کہ دوا دو کند   پس روی این روشِ نو کند

اس طرح عنوان قائم کرنے سے ایک یہ لطف بھی پیدا ہو گیا کہ جب پڑھنے والا ایک مضمون ختم کر لیتا ہے اور دوسرا شروع کرنا چاہتا ہے تو عنوان جو نثر میں تحریر ہے اپنی عبارتِ رنگین سے ذوقِ مذاق میں چاشنی پیدا کر دیتا ہے اور اس تبدیلِ ذائقہ سے طبیعت میں تازگی آجاتی ہے۔ مسلسل ایک ہی بحر میں اشعار جو آتے جاتے ہیں ان سے تکان و سیری پیدا ہونے نہیں پاتی۔ پھر عنوان کا بیان و مضمون پر حاوی ہونا اور اُن حدود سے کم و بیش نہ ہونا جو عنوان سے مفہوم ہوتا ہے ایک عجب متکلمانہ کمال ہے۔

مثنوی نہ سپہر و قران السعدین میں یہ طرز اختیار کیا گیا ہے کہ ہر عنوان پر ایک ایک شعر لکھتے چلے گئے ہیں۔ اگر ان تمام عنوانوں کے اشعار مسلسل جمع کر لئے جائیں تو ایک پر زور قصیدہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح بعض مثنویاں ضمن عنوان میں ایک فصیح و بلیغ قصیدہ بھی رکھتی ہیں۔

عنوان کا اپنے بیان و ماتحت مضمون پر حاوی و محیط ہونا یہاں بھی پایا جاتا ہے حال آنکہ قصیدہ نگاری نے اس رہ کو سخت سنگلاخ کر دیا تھا۔

فن تقریر و تحریر کے نقّاد اس کمال کی البتہ داد دے سکتے ہیں کہ عنوان و موضوع کے اندر رہ کر اس طرح لکھنا یا بولنا کہ نہ تو موضوع سے کلام بڑھکر نکلنے پائے نہ بیان کسی پہلو سے تشنہ رہ جائے، کس قدر اہم و معرکتہ الآراء ہے۔

غرض تحریرِ عنوان کا یہ جدید و دل پذیر طرز خاص ایجاد خسرو علیہ الرحمۃ ہے۔ اگرچہ جس طرح اس کے موجد ہونے کا انتساب خسرو علیہ الرحمۃ کی طرف ہے اسی طرح اس کے خاتم بھی وہی ہیں (اس لئے کہ آیندہ آنے والے اس کی تقلید نہ کرسکے) لیکن اگر غالب دہلوی کی اُردو تحریر کی روش پچھلے نہ اختیار کرسکے تو اس سے غالب کی ایجاد اور کمال میں کیا نقص لازم آتا ہے۔

(۳) واقعات تاریخی یا قصص ماضیہ جن شعرا نے کہ نظم کیا مثلاً شاہنامہ سکندر نامہ اور یوسف زلیخا وغیرہ ان کا مرتبہ نظم میں آکر بہت ہی گرجاتا ہے لوازم شاعری کا ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ واقعات کی صورت بالکل متغیر و متبدل ہوجاتی ہے ایسی مثنویوں سے شاعری کی ترقی، زبان کی صفائی، محاورات کی چاشنی، بندش کی چستی البتہ حاصل ہوئی لیکن علمی و تاریخی فائدہ اُس سے حاصل نہو سکا۔

مثنویاں میں صحیح دلچسپی یا تاریخ

خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی نگاری میں یہ بھی ایک کمال ہے کہ جہاں شعرائے سلف کی روش پر قصص منظوم فرمائے، وہاں شاعری و مثنوی گوئی سے ایک صحیح افادہ بھی فرما گئے۔ چند ایسی مثنویاں ہیں جن سے قطع نظر محاسن مثنوی کے تاریخی حالات نہایت محققانہ و ناقدانہ حیثیت سے معلوم ہوتی ہیں مثلاً خضرخاں و دیول دی، تغلق نامہ، نہ سپہر، قران السعدین وغیرہ۔

ان کتابوں میں اُس عہد کے واقعات و حالات سلطنت و سلاطین کی روش ارکین و اعیان دولت کا طرز اس تحقیق و خوبی سے نظم کیا ہے کہ آج اُس عہد کی بہت سی

تاریخی باتوں کا صحیح پتہ انھیں مثنویوں سے چلتا ہے کتنی تاریخیں ہیں جن کی تصحیح کا ماخذ وہی مثنویاں ہیں۔

ہندوستان کے اس عہد کی تاریخ کا جس نے ناقدانہ و محققانہ مطالعہ کیا ہے وہی شخص ان مثنویوں کو پڑھ کر صحیح داد خسرو کی شانِ مورخانہ کی دے سکتا ہے۔

سلاست (۴) سلاست و صفائی اگرچہ دور ثانی کے کلام میں پیدا ہو چکی تھی لیکن نظامی علیہ الرحمۃ کی مثنوی میں کتنے مقامات ایسے پر پیچ ہیں جن کی گرہ شروح کے ناخن آج تک نہ کھول سکے مثلاً

سکندر نامہ میں جشنِ نوشابہ استعارات و تشبیہ کے ندرت میں ایک بے مثل بیان تسلیم کیا گیا ہے لیکن انھیں چند اوراق میں کتنے اشعار ایسے ہیں کہ آج تک ان کا صحیح حل نہ ہو سکا۔ شارحین بہت کچھ لکھتے ہیں لیکن پھر بھی حضرت نظامی کی روح سے بہ ادب تمام معافی ہی مانگنی پڑتی ہے لیکن خسرو کی مثنویوں کو پڑھو۔ باوجود کثرت صنائع و بدائع جو اُن کا روزمرہ ہے بیان میں ایسی سلاست و صفائی ہے جس طرح سمندر کا شفاف پانی۔

شاعری میں مذہب و علم کا لحاظ (۵) سب سے بڑی خصوصیت ان میں یہ ہے کہ ان کی مثنویوں میں شاعری تحقیقات علمیہ و مسائل اسلامیہ پر کہیں غالب نہیں ہونے پاتی۔ ان کا قلم کہیں سے لغزش نہیں کرتا۔

مولانا نظامی نے جن کا فضل و تقدس اظہر من الشمس ہے مثنوی

ہفت پیکر میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے مذہبی نقطۂ نظر سے سخت قابل گرفت ہے لیکن یہ وہ اسقام شاعری ہیں جن سے شعرا کا کلام خالی نہیں ہوتا ہاں یہ خسرو علیہ الرحمۃ کا کمال ہے کہ شاعری کے تمام اسلحہ ان کی سرکار میں سب سے زیادہ رواں لیکن علم و مذہب اُن کے حملے سے بالکل مامون و مصئون۔

وصف نگاری کا ایجاد (۶) وصف نگاری کا ایجاد بھی خسرو ہی کی قوت فکر یہ و صحیح تخیل کا نتیجہ ہے شعرائے سلف محسوسات و موجودات خارجیہ کی الفاظ میں تصویر کشی نہیں کرتے تھے حالانکہ یہ چیزیں بھی اس کی مستحق تھیں کہ ان کے بیان سے بھی نظم کا چمن آراستہ کیا جاتا۔ مثلاً

کسی شہر کے سواد کا اس طرح بیان کرنا جس سے اُس کا شوق دلوں میں پیدا ہو جائے یا وہاں کے پھول پھل کا بیان یا وہاں کی عمارتوں کا بیان۔

خسرو علیہ الرحمۃ نے قران السعدین میں اس طرح کے بہت سے مضامین نظم کئے ہیں شہر دہلی کی تعریف۔ اہل شہر کی تعریف، وہاں کی مسجد کی تعریف، کشتی کی تعریف کاغذ کی تعریف، منارہ کی تعریف وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے کیثر مضامین اُس مثنوی پر ہیں اور اس کا نام خسرو نے وصف نگاری رکھا ہے۔

جس طرح کسی شے کی تصویر اپنی اصل سے زیادہ دلکش ہوتی ہے اسی طرح اُس کا نظم میں بہ تمام و کمال بیان بھی ایک خاص لطف پیدا کر دیتا اور شاعر کی قوّتِ متخیلہ اور زور بیان سے خبر دیتا ہے۔ اس لئے خسرو علیہ الرحمۃ نے اس کی طرف

توجہ کی اور اس بیان میں بھی اپنا کمال ظاہر کر دیا چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

بود در اندیشۂ من چند گاہ
کز دلِ دانندۂ حکمت پناہ

چند صفت گویم و آتش دہم
مجمعِ اوصاف خطابش دہم

طرزِ سخن را روشِ نو دہم
سکّۂ ایں ملک بہ خسرو دہم

الغرض اس طرح کی بہت سی خصوصیات ہیں جن کا ایزاد و ایجاد خسرو کی مجتہدانہ جدت آفریں طبیعت کا نتیجہ ہے۔

سلاطین میں خسرو کی مثنویوں کی قدر دانی

اب ہم اس بیان کو صرف اس ایک مضمون پر ختم کرتے ہیں کہ خسرو کی مثنوی نگاری کی ان کے زمانے میں کیسی قدر ہوئی اس کے لئے صرف قطب الدین خلجی کی قدر افزائی ایک روشن بیان ہے۔

اس بادشاہ نے مثنوی نہ سپہر کے صلہ میں ہاتھی کے وزن سے ان کو سونا تول دیا چنانچہ خود قطب الدین کی زبان سے اُسی نہ سپہر میں کہتے ہیں ؎

تاریخ ہیچوں من اسکندرے
کند ہر کہ آرائشِ دفترے

زرِ گنج گراں مایۂ بے شمار
دہم بار ریپایش آں پیل بار

مرا خود دریں رہ پدر شد دلیل
کہ میداد زر ہمتراز وے فیل

شناسد کسے کش خرد رہنموں
کہ از پیل بار است وزنش فزوں

چو میراث شد پیل زر دادنم
نہ زیبا ست زیں سہل تر دادنم

بادشاہ کی اس قدر افزائی کا اُسی مثنوی میں یوں شکریہ ادا کرتے ہیں ؎

شہا گنج بخشا کرم گسترا | معانی شناسا سخن داورا
مرا عمر کز شصت بالا گزشت | ہمہ پیشِ شاہانِ والا گزشت
زشاہاں کسے اولم کرد یاد | معزالدنا بود شہ کیقباد
ازاں پس زفیروزہ چرخِ بلند | شدم پیشِ فیروزِ شہ ارجمند
ازاں پس کہ در شہ ستائی شدم | تونگر ز گنجِ علائی شدم
شد اکنوں کہ اقبال ہمدم مرا | نوازندہ شد قطبِ عالم مرا
چنیں بخششی کز تو جم یافتم | زشاہانِ پیشینہ کم یافتم
کنوں لابد از سحر سنجے چو من | باندازۂ بخشش آید بمن
جریدہ بریں پیش پرداختم | چو ایں نامۂ خاص کم ساختم

خسرو کے کلام کی قدر افزائی جیسی کہ ان کے عہد میں ہوئی زمانہ مابعد میں بھی اُس کی عظمت و عزت وہی قائم رہی۔ چنانچہ خسرو کا تغلق نامہ جب کہ اُس کے چند اوراق فنا ہو گئے اور جہانگیر نے اپنے عہد ۱۰۱۱ھ میں اُسے کچھ نامکمل پایا تو اُس کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ کسی طرح یہ مثنوی مکمل ہو جائے۔ شعرائے دربار سے فرمائش کی ہر ایک نے طبع آزمائی کی لیکن حیاتی کا کلام بادشاہ نے پسند کیا۔ اگرچہ خسرو کے کلام میں کوئی پیوند تو کیا لگا سکتا ہے لیکن پھر بھی اُس کے کلام کی شائستگی و متانت اس درجہ پر تسلیم کی گئی کہ اوراق گم شدہ کی جگہ حیاتی کا کلام پیوند کر دیا گیا۔ بادشاہ نے اس صلے میں حیاتی کو چاندی سونے میں رکھ کر تول دیا۔ چنانچہ کسی شاعر نے اس واقعہ کو نظم کیا

اور تاریخ یہ کہی۔ "شاعرِ سنجیدۂ شاہی"۔

ملک و قوم میں قدردانی خسرو کے کلام کی سلاطین و سلطنت نے جو عزت کی وہ ان دونوں عطایائے شاہی سے ظاہر ہے فارسی داں دنیا کی قدردانی اس سے واضح ہے کہ خسرو کی بہت سی مثنویاں بارہا مختلف مطابع میں طبع ہوئیں اور ہاتھوں ہاتھ قدردانوں تک پہنچ گئیں۔

اس بے توجہی ولاپروائی و بدمذاقی کے زمانے میں بھی جسے فارسی کا کچھ بھی مذاق ہے یا جہاں کہیں کتب خانے ہیں ایک ایک کتاب کے متعدد قلمی نسخے موجود ہیں اور یہ خصوصیات کچھ ہندوستانی کتب خانوں کی نہیں ہیں بلکہ یورپ کا بھی کتب خانہ تصانیف خسرو سے معمور ہے۔ خدیو مصر کے کتب خانے کی فہرست جب دیکھی گئی تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ عرب نے اپنے عجمی بھائی کے عجمی کلام کی خود اہل عجم سے کچھ کم محبت و حفاظت نہیں کی ہے بلکہ بعض خصائص جزئیہ میں وہ ممتاز خصوصیت رکھتے ہیں۔

تھوڑی کوشش سے ایک ایک کتاب کے دس دس اور بارہ بارہ نسخے تو خود کالج میں فراہم ہو گئے۔ کتنے گھر ابھی ایسے ہیں جہاں اور بھی نسخے موجود ہونگے بعض کا تو ہمیں علم ہوا اور بعض جگہ انکار و اخفا ہی کچھ کمال سمجھا گیا۔ چنانچہ بہار شریف میں خمسۂ خسرو کا موجود ہونا جب معلوم ہوتا ہے تو اُس وقت مولانا رشید احمد صاحب انصاری پروفیسر کالج علی گڑھ نہایت شوق و ذوق میں سفر کرتے ہیں۔ بہار شریف پہنچکر صاحب کتاب سے ملتے ہیں۔ کتابیں دیکھتے ہیں۔ چند روز کے لئے کالج لانے کی ہر سعی جائز کرتے ہیں ہر طرح کی ضمانت پیش کرتے ہیں لیکن افسوس کہ وہاں سے خمسہ

کالج نہیں پہنچ سکتا۔

عزیزانِ وطن! صدیوں بعد جب کہ مذاقِ سخن باقی نہ رہا کتابیں پنساریوں کی دوکانوں میں پہنچ کر پڑیاں باندھنے کے مصرف میں آنے لگیں قدیم علمی خاندان ویران ہوگئے مصائب و آفات نے گھر کے گھر تباہ کردیئے بہت سے قیمتی جواہر جنھیں اسلاف نے صدیوں میں کمایا تھا یکسر غارت ہوگئے۔ خسرو کی مثنویوں کا اس وقت تک باقی رہنا اُس کے کمالِ مقبولیت و گرانمائگی کو مشعر ہے۔ رہا اس کا گلہ کہ سیکڑوں نسخے کیوں نہ ملے۔ تلاش و جستجو کی زحمت ہی کیوں ہوئی۔ اس کسادِ علمی کے زمانے میں ایک امرِ فضول ہے ؎

ہم مٹ گئے تو پرسشِ نام و نشاں ہے اب　　　اس کی تلاش کر کہ محبت کہاں ہے اب

اب اس پہلو سے بھی ایک نظر ڈالنی ضروری ہے کہ خسرو کی تصنیف سلسلۂ تعلیم و تعلم میں کہاں تک مقبول ہوئی۔

سلسلۂ تعلیم میں مقبولیت سلسلۂ تعلیم میں آپ کی مثنوی قران السعدین جو سب مثنویوں سے مقدم ہے ویسی ہی مقبول ہوئی جیسا کہ سکندر نامۂ مولانا نظامی۔ بڑے بڑے فضلائے اجل نے اُس کے حواشی و شروح لکھیں۔ وقتِ تصنیف سے اُس وقت تک کہ علوم مشرقی کی تعلیم ہندوستان میں جاری رہی قران السعدین داخلِ نصاب فارسی تھی۔

واقعہ ہے کہ یہ مثنوی نہایت ہی دلچسپ ہے۔ یہ صرف اپنا تاریخی ہی پہلو نہیں رکھتی ہے بلکہ گوناگوں مضامین پر مشتمل ہے اور انھیں تنوعات نے اسے اس قدر مقبول بنا دیا ہے

نفس قصہ میں تو کوئی خاص دلچسپی ہی نہیں۔ اس لئے کہ باپ بیٹے کا دکھڑا ہی کیقباد بغرا خاں کا بیٹا سعادت فرزندی کو تہ کرکے باپ کے مقابلے میں آتا ہی۔ دہلی سے چل کر سرجو کے کنارے اس کی فوج پڑاؤ ڈالتی ہی۔ کچھ پیام وسلام کے بعد باپ بیٹے میں موافقت و مصالحت ہوجاتی ہی۔

اب کیقباد یہ چاہتا ہی کہ یہ بیہودہ واقعہ میری زندگی کا ایک با افتخار کارنامہ بن کر مشہور رہو۔ اسی خیال کی بنیاد پر خسرو سے نظم کرنے کی فرمائش کرتا ہی۔ یہ خسرو ہی کا کمال ہی کہ واقعات کو حقیقت کے دائرہ میں قائم رکھ کر اس طرح اس قصے کو نظم کیا ہی کہ کیقباد کی رندانہ زندگی اُس کے عہد کی سرمستی اور اُس کی تعیش پسند زندگی کا اہل شہر پر اثر سب کچھ اپنے لطف بیان سے لطیف پیرایہ میں کہہ گئے۔

اس مثنوی کی بحر اگرچہ وہی ہی جو نظامی کے مخزن الاسرار کی ہی لیکن اسلوب بیان و ترتیب مضامین خاص خسرو کا ایجاد ہی۔ یہ اسی ایجاد کا نتیجہ ہی کہ قران السعدین اس قدر مقبول ہوئی۔ اگرچہ اس ایجاد سے یہ نقص ضرور کتاب میں پیدا ہوگیا کہ کہیں کہیں واقعہ کا تسلسل باقی نہیں رہتا۔ لیکن ایسے پھیکے و بدمزے قصے کے لئے تسلسل ایسا ضروری نہ تھا جیسا کہ دل آویز و دل پذیر ہونا ضروری تھا۔

قران السعدین کی پسندیدگی کی وجہ

قران السعدین نظم کے تین اصناف پر محیط ہی۔ قصیدہ، غزل، مثنوی اس طرح اس کتاب میں اقسام ثلثۂ نظم کا لطف آتا ہی۔ جو قصہ کہ نظم کیا گیا ہی وہ خود ہندوستان کی صحیح اور سچی داستان ہی۔ اپنے ملک کے واقعات سے

دلچسپی ایک امر فطری ہے۔ پھر مضامین میں اس قدر تنوعات ہیں کہ ہر طرح کے خیالات موجود۔ کہیں بہار کا ترانہ ہے اور اس کی نسیم کی عطر فشانی۔ کہیں لو کی لپٹ اور باد خزاں کے جھونکے۔ کسی جگہ سیر دریا اور کشتی کی روانی ہے اور کسی جگہ ساقی و جام کی گردش سے مستی و مدہوشی۔ صرف وصف نگاری کی تحت میں چالیس سے زیادہ اشیاء کا بیان آگیا ہے۔ لطف یہ کہ ان سب چیزوں کا تعلق ہند کی ہی خاک سے ہے۔ پھر کیوں ایسی کتاب مطبوع عام و خاص نہوتی۔ ہر شخص کے جذبات کی ضیافت کا سامان جس چیز میں جمع ہوگا اُسے ہر شخص ضرور پسند کرے گا۔ قران السعدین کی یہی بوقلمونی اس کی شہرت و ہمہ گیری کی قوی و اصلی علت ہے۔ اس لئے اساتذۂ فن نے بھی اسے تعلیم فارسی کا ایک عنصر بنا دیا تاکہ طلبہ کو ایک ہی کتاب میں موقع موقع سے اصنافِ نظم کی تمام اقسام کا اجمالی علم ہو جائے۔ مضمون کی رنگارنگی دلچسپی کو روز افزوں کرتی رہے۔

دوسری وہ مثنویاں جن میں ہندوستان کے ہی واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ داخلِ درس نہوئیں مثلاً

مثنوی خضر خاں و دیول دئی کا اجمالی بیان

خضر خاں و دیول دئی کا قصہ باوجود اس کے کہ خود موجب رازِ محبت ہے اس پر داستان عشق و حسن جس میں حسن کی ناز آفرینی عشق کی نیازمندی، فراق کے صدمے، وعدۂ یار کی لذتیں۔ یہ ایسے مضامین ہیں جنھیں اگر خاص ملک خسرو کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔

پھر وہ شخص جس کے عشق کی داستان ہے خسرو کو اس سے تعلقات گوناگوں سبب سے

بڑا علاقہ یہ کہ دونوں ایک پیر طریقت کے حلقہ بگوش۔ آخر میں اُسی شاہزادہ کی جو وارث
تخت و تاج تھا قسمت کا پلٹ جانا اور انقلاب دہر کا ایک عجیب و مہیب عبرت ناک سماں
یہ مضامین خسرو جیسے شخص کے لئے جو واقعات عالم پر غائر نظر رکھتا ہو اور اُن سے
کل ممکن الاستخراج نتیجے نکال کر دنیا کے سامنے مقبول طبع صورت میں پیش
کر سکتا ہو کیسے وسیع ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ خسرو کی تمام مثنویوں میں جوش سے لبریز ہی مثنوی خضر خاں و دیول دیبا
ہی اس مثنوی کی حمد و مناجات سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ شاعر کس جوش سے اس
قصے کو بیان کیا چاہتا ہے۔ مثلاً حمد اس شعر سے شروع کرتے ہیں ؎

سرِ نامہ بنامِ آں خداوند　　　که دلہا را بخوباں داد پیوند

اس کے بعد مناجات ہے اور اُس کا اوّل شعر یہ ہے ؎

خداوندا چو جاں دادی دلم بخش　　　دلِ عاشق نہ جانِ عاقلم بخش

یہ مثنوی کیا لکھی ہے سحر سامری کی تصویر کھینچ دی ہے۔ حاصل یہ کہ دیگر تاریخی مثنویاں
جو سلسلہ تعلیم میں داخل نصاب نہوئیں تو اُس کی صرف یہ وجہ ہوئی کہ اُن مثنویوں میں
کشش و تعلیم کی صرف ایک ایک ہی چیز تھی۔ باعتبار مضمون و موضوع تاریخ اور باعتبار نظم
مثنوی حال آنکہ تعلیم اس کی مقتضی تھی کہ مختلف مضامین مختلف شعرا و مختلف دور کے
پڑھائی جائیں تاکہ زمانہ تعلیم میں ہر دور کی خصوصیت ہر ایک کا انداز و اسلوب بیان
طالب العلم کو معلوم ہو جائے۔ اسی خیال سے خمسہ نظامی میں سے سکندر نامہ جامی

کی مثنویوں میں سے یوسف زلیخا، سعدی کے کلام میں سے بوستاں اور خسرو کی تصانیف سے قران السعدین داخل نصاب کی گئیں۔ خلاصہ یہ کہ خسرو کی مثنویوں کو سلطنت، ملک اور تعلیم تینوں نے انتہائی عزت وپسندیدگی سے دیکھا۔

قطعہ و رباعی | غزل، قصیدہ، مثنوی میں جب کہ کسی شاعر کا کمال ثابت ہو جائے تو پھر کسی اور صنف نظم کی بحث سے اُس کا کمال بے نیاز ہی۔ لیکن جب کہ یہ دیکھا جاتا ہی کہ بعض شعرا کے لئے صرف چھوٹی قسمیں نظم کی دلیل کمال سمجھی گیئں تو پھر یہی مناسب معلوم ہوتا ہی کہ خسرو جیسے ہمہ گیر شاعر کی خسرویت کا نمونہ اُن چھوٹی قسموں میں بھی دکھا دیا جائے۔

سب سے پہلے خسرو کا وہ قطعہ ہدیۂ ناظرین ہی جس میں اُنہوں نے موسیقی و شاعری کا محاکمہ کیا ہی[1]۔ کیوں کہ جہاں خسرو کو دیوان فطرت سے تمغاے شاعری ملا تھا وہاں فن موسیقی میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا پھر ان سے بڑھکر کس کا محاکمہ قابل وقعت ہو سکتا ہی۔

دیگر قطعات و رباعیات کا بھی یہی حال ہی کہ ہر ایک میں ایک لطف خاص اس طرح پایا جاتا ہی کہ اُن کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہی کہ شاید خسرو کا اصلی میدان یہی ہی۔ لیکن یہ خصوصیت خسرو کی صرف قطعہ و رباعی کے ہی ساتھ نہیں ہی بلکہ اصناف نظم میں سے جس قسم نظم خسرو کا مطالعہ کروگے تو بے اختیار "کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست" کہہ اٹھوگے۔

---

[1] ملاحظہ ہو قطعۂ اول صفحہ ۱۴۴

قطعات

(۱)

مطربے میگفت خسرو راکہ اے گنجِ سخن | علمِ موسیقی زجنسِ نظم نیکوتر بود
زانکہ ایں علمست کز دقت نیاید بر قلم | واں نہ دشوارست کاندر کاغذ و دفتر بود
پاسخش گفتم کہ من در ہر دو معنی کاملم | ہر دو را سنجیدہ یروزنیکہ آں بہتر بود
فرق می گویم میانِ ہر دو معقول درست | تا دہد انصاف آں کز ہر دو دانشور بود
نظم را علمے تصور کن بہ نفسِ خود تمام | کو نہ محتاجِ سماع و صوت خنیاگر بود
گر کسے بے زیر و بم نظم فرو خواند رواست | نے بمعنی ہیچ نقصاں نے بلفظ اندر بود
ور کند مطرب بسے ہاں ہاں و ہوں ہوں در سرود | چوں سخن نہ بود ہمہ معنیِ او ابتر بود
نالہ زیرا ہیں کہ صوتے دارد و گفتار نے | لاجرم در قولِ محتاجِ کسے دیگر بود
بس دریں صورت ضرورت صاحبِ صوت و سماع | از برائے شعر محتاجِ سخن پرور بود
نظم را حاصل عروسے داں و نغمہ زیورش | نیست عیبے گر عروسِ خوب بے زیور بود
من کسے را آدمی دانم کہ داند ایں قدر | ورنداند پرسد از من۔ ورنہ پرسد خر بود

ق

دیگر

زافسردگاں مجو اثرِ زندگیِ دل | نے از فراجِ ظالمِ سوزندہ خوے خوش
نے شعلۂ بر آتشِ لالہ تواں فروخت | نے ازگلِ چراغ تواں یافت بوے خوش

دیگر

تصوّف

بستاں چو بسر کشید پیرایۂ ابر — آوردہ بروشیر فرو دایۂ ابر
گل بسکہ لطیف و نازک آمد در باغ — ترسم کہ گراں شود بروسایۂ ابر

دیگر

دل در شکنِ زلف دوتاے تو بماند — جاں نیز چو ذرّہ در ہواے تو بماند
ہر کس سرِ خود گرفت و رفت از کوئے — الا سرِ من کہ زیر پاے تو بماند

عشق

جاناں منشیں بر گزرے تیزیٔ آہ — آتش رسدت ز آتش انگیزیٔ آہ
تا در سر کوئے تو نہ پنداری سہل — شب گردیٔ گریہ و سحر خیزیٔ آہ

دیگر

ماییم خراب جرعۂ می خوارا — مارا چہ غم از طعنۂ نیکو کارا
از سر کہ لگد می خورد از خمارا — کے غم خورد از سرزنشِ ہشیارا

دیگر

اے غم ہی کہ برمنِ غم خوار آئی — وقتت چہ شود گر بدلِ یار آئی
دی شب کہ سیاہ میکنی روزِ مرا — یارب کہ بروزِ من گرفتار آئی

دیگر

دوشس آمد و وعدۂ شرابم می داد — خونابہ بجائے مئ نابم می داد
می پرسیدم حالِ دل او خامش بود — وان زلف بجائے او جوابم می داد

دیگر

از شعلۂ عشق ہر کہ افروختہ نیست — با او سرِ سوزنے دلم دوختہ نیست
گر سوختہ دل نہ زما دور کہ ما — آتش بدرے زنیم کو سوختہ نیست

اقسام پنجگانہ نظم میں خسرو کے کمال و زور بیان کا ایک مختصر نمونہ پیش کیا جا چکا۔ اب چند فرعی و جزئی باتیں ہیں جن کا اظہار بھی غالباً نامناسب نہ ہوگا۔

صنائع و بدائع | اختراع معانی و بدائع و صنائع میں خسرو خسروِ شاعرانِ سلف و خلف ہیں۔ اگر اُن کے اختراعات کی بحث چھیڑی جائے تو ایک دفتر طویل ہوگا۔ اعجاز خسروی متعدد بار چھپ کر فارسی داں دنیا میں شائع ہو چکی ہے۔ جسے شوق ہو وہ اُسے مطالعہ کرے۔ بس خدا کی قدرت اُسے نظر آئیگی۔ اس جگہ ان کی ایک ایسی صنعت کا ذکر کرتا ہوں جس کی کوشش دیگر شعرا نے بھی کی ہے۔

ترکیب الفاظ سے لحن | یعنی ان کے کلام میں اکثر الفاظ کی ترکیب و نشست سے ایک لحن خاص پیدا ہوتا ہے اور اسی سے لحن کے تطابق سے پڑھنے والے کے دماغ میں جذبات کی لہریں موجیں مارنے لگتی ہیں۔ مثالاً ذیل کے اشعار و مصرعے ملاحظہ ہوں ؎

گنج بر د رنج دے گنج سنج — در کششِ گنج ہمی برد رنج

باش بکامم کہ بکامِ توام　　　زندہ ونازندہ بنامِ توام

ع تہمتن تن سیاوش وش فریدوں فر سکندر در

ع سناں قاراں قلم ہاماں علم خاقاں دہل سنجر

فردوسی نے نقارہ کی آواز کو ایک شعر میں اس طرح باندھا ہی کہ شعر بھی بامعنی رہا اور ایک مصرع کے الفاظ سے نقارہ کی آواز پیدا ہوتی ہی۔ وہ شعر یہ ہی ؎

زنقارہ آواز آمد بروں　　　کہ دوں ست دوں ست گردونِ دوں

یہ شعر فردوسی کا بہت مشہور ہی اور اُس کے اس کمال کا بہترین نمونہ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کا ایک شعر نعت میں ہی جس کے مقابلہ میں فردوسی کی یہ صنعت خاک میں ملجاتی ہی۔ خسرو کا یہ شعر ہی ؎

دہل زن دہل زد بہ تحسینِ او　　　کہ دیں دینِ او دینِ او دینِ او

علم موسیقی سے آشنا ارباب ذوق سمجھ سکتے ہیں کہ خسرو کے شعر کا پایہ کس قدر بلند ہی۔ اس لئے کہ نہ صرف ایک بامعنی مصرع کے الفاظ بآواز دہل ادا کئے ہیں بلکہ اس میں تال اور سر کے اصول کی پوری پابندی ملحوظ رکھی ہی۔ اگرچہ خسرو جیسے شاعر کے لئے جو فن موسیقی کا بھی امام ہو فردوسی کے جواب میں اُس سے بہتر شعر پیش کردینا ایک معمولی بات ہی۔

اسی طرح خسرو کی ایک رباعی مشہور ہی جس کے چوتھے مصرعہ میں اسی کمال کا اظہار کیا ہی

آں روز کہ روحِ پاکِ آدم بہ بدن　　　گفتند درآ نمی شد از ترسِ بدن

خواندند ملائکاں بہ لحنِ داؤد　　　درتن درتن درآ درآ درتن درتن

تکرار لفظ اور اختلاف معنی | ایک ہی لفظ کو مختلف پہلوؤں سے استعمال کرکے مختلف معنی پیدا کرنے میں بھی اُن کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ تمثیلاً ذیل کے ابیات دیکھو۔

پیمانۂ دوست پر ز دُر کرد | پیمانۂ خصم نیز پر کرد
در چپ نہ دلِ خرد شوی راست | دانی چپ خود ز جانبِ راست

الفاظ ہندی کا استعمال | ہندی کے الفاظ بھی نہایت سلاست سے بے تکلف استعمال کر جاتے ہیں جس سے کلام میں چاشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً

ہم بہ نشستہ چوں دریا لکی نہ چرخ کہار آمدہ
خان کرٹہ چھوے کشور کشا | کز لبِ شاہاں کرٹہ دارد بہ پا

دوسرے مصرعہ میں لفظ کرٹہ سے وہی پاؤں کا زیور مراد ہے۔

اقتباس آیات قرآن | آیات کلام الٰہی سے اپنے اشعار میں یہ ایسی مرصع کاری کرتے ہیں کہ دل پھڑک اٹھتا ہے۔ تمثیلاً ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

حرز کلہ بستہ ز اوحیٰ بہٖ | چتر سیہ کردہ ز اسریٰ بہٖ
زیر نگیں عرصۂ ملک جمش | خطبۂ ھب لی رقم خاتمش
نَعْبُدُ اِیَّاكَ طرازِ علم | فاخلع نعلیك مقامِ قدم

اکثر اشعار کے دوسرے مصرعہ میں کلامِ پاک کی کامل آیۃ تلاوت فرمائی ہے اور یہ وہ کمال خسرو کا ہے کہ کسی کے کلام میں اس فراوانی سے اس کی مثال نہیں ملتی۔ مثلاً اشعار ذیل کو دیکھو ؎

چہ ملامت کنید خسرو را | فَاتَّقُوا اللّٰهَ یَا اُولِی الْاَلْبَاب
قضا در ہفت سقفش دید و بر خواند | بَنَیْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا

اوّل آں اوّلیں خلیفۂ کار　　ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

فصل بہار مناظ قدرت میں بہار کا سماں ایک ایسا مضمون ہی کہ شاید ہی کوئی شاعر ایسا ہوگا جس نے اس منظر کی تصویر نہ کھینچی ہو۔لیکن یہی مضمون جب خسرو کے یہاں آتا ہی تو پھر اس کی بہار قابلِ دید ہوتی ہے خسرو نے جہاں کہیں ابر و بہار باغ و کہسار گل و گلزار کا نقشہ کھینچا ہی وہاں ہُو بہو فوٹو پیش کر دیا ہی۔ مثالاً چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

چوں نافہ کشاد باد نوروز　　بشگفت بہار عالم افروز
ابر از صدفِ سپہر یکسر　　در گوش بنفشہ ریخت گوہر
سرو از علم بلند پایہ　　بر فرق سمن فگند سایہ
از شبنم گوہریں شمائل　　آراست گلوے گل حمائل
غنچہ بدر آمد از شبستاں　　پر شیر شدش زا بر پستاں
بید از سرِ عجز چوں گہروار　　شد بر سر یاسمیں گہر بار
نازک تن لالۂ دل افروز　　لرزیدہ شد از نسیم نوروز

خود اپنے کلام کی تنقید بایں ہمہ کمال وہ اپنے کلام و شاعری کو خود پرکھتے ہیں اور خوب پرکھتے ہیں اپنا مرتبہ آپ بتاتے ہیں اور تواضع کا بیش بہا نمونہ پیش کرتے ہیں ؎

مشو خسرو بشعرِ خویشتن غرہ　　کہ گویندہ بسے ہست از پس و پیش
چو گفتِ خویش را بے عیب خواہی　　بچشمِ دشمناں بیں گفتۂ خویش

ہمہ کس گفتِ خود را خوب داند ۔ وگر یارست ہم تحسین کنند بیش

دیباچہ غرۃ الکمال جو شعر و سخن پر ایک بے نظیر تبصرہ کہا جاسکتا ہے اُس میں شعرا کی تین قسمیں خسرو علیہ الرحمتہ نے بیان کی ہیں اوّل اُستاد کامل دوم نیم اُستاد سوم سارق پھر اُستاد کامل کے لئے چار شرطیں قرار دی ہیں۔ اوّل کسی طرز خاص کا موجد ہو۔ دوم اُس کا کلام شعرا کے انداز پر ہو واعظانہ و صوفیانہ نہ ہو۔ سوم یہ کہ غلطیاں اور لغزشیں نہ کرتا ہو۔ چہارم یہ کہ مضامین سرقہ نہ کرتا ہو۔

پھر اپنے متعلق یوں فرماتے ہیں کہ میں اُستاد کامل نہیں ہوں ہاں نیم اُستاد ہوں اس لئے کہ مجھ میں صرف دو شرطیں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو میرا کلام شعرا کے انداز پر ہے دوسرے یہ کہ میں سارق نہیں ہوں۔ میں نہ تو کسی طرز خاص کا موجد ہوں نہ اس کا مدعی کہ میرا کلام لغزشوں سے پاک ہوتا ہے۔

انصاف پرستی و بے نفسی کی مثال اس سے زیادہ واضح اور کیا ہوسکتی ہے حاسد و معاند بھی اگر خسرو کا پایہ کم کرنا چاہے تو اس سے بڑھکر اور کیا کہہ سکتا ہے۔ اس طرح اپنے کلام کی آپ تنقید بے شائبہ نفس خصوصیات بلکہ اولیات خسرو ہے۔

تواضع و ہضم نفس | صاحب کمال کا یہ بھی کمال ہے کہ اُس میں شائبہ تک پندار و خودی کا نہ پایا جائے۔ نقادان فن کی نگاہوں میں جس قدر ایک باکمال کی عظمت بڑھتی جاتی ہے اُسی قدر خود اُس کے انداز میں تواضع بڑھتی جاتی ہے۔

ارباب قلم میں جتنے باکمال سخنور گزرے ہیں اُن میں کوئی رزم کا سماں باندھنے

میں کامل ہے کوئی بزم کا نقشہ کھینچنے میں یکتا ہے کوئی غزل سرائی میں بے نظیر ہے کوئی قصائد میں بے ہمتا ہے کوئی اخلاقی رنگ میں فرید ہے کوئی متصوفانہ و حکیمانہ آہنگ میں بے مثل۔ لیکن ایک جامع کمالات جس کے رشحات قلم سے نثر و نظم کی تمام اصناف نے تر و تازگی پائی ہو اور جس نے اپنی پرجوش طبیعت کے اوج و موج سے مضامین گوناگوں کا دریا بہا دیا ہو جب وہ اپنی ہیچمدانی کا اظہار کرتا ہے تو اُس سے اُس کا کمال اور بھی ارفع و اعلیٰ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خسرو علیہ الرحمۃ باوجود اُس جامعیت کے جو اُنھیں حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اپنی کم مائگی و بے بضاعتی اس طرح بار بار بیان کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غرور و پندار کا ایک شمہ بھی اس کامل الفن میں نہ تھا۔ حالانکہ شعر و سخن کا وہ میدان ہے جس میں تلامذہ نے اپنے اساتذہ کو ہل من مبارز کہہ کر پکارا ہے۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کا یہ کمال ہے کہ اساتذہ متقدمین جن کا کلام ابتدا میں آپ نے مطالعہ فرمایا تھا اور جن کی پختہ و پسندیدہ روش آپ نے اختیار کی اُن کا نام بھی ادب سے لیتے ہیں اپنے کو اُن کا ارادت مند و شاگرد بتاتے ہیں اپنے تلمذ کو اس جوش عقیدت سے ظاہر کرتے ہیں کہ واقعی تلامذہ جو اُن اساتذہ کے ہوں گے اُنھوں نے بھی اس سے زیادہ ادب آمیز کلمات ثنا نہ کہے ہوں گے۔

نظامی سے اظہار عقیدت اور اُن کے کمال کا اعتراف

امام مثنوی گویان مولانا نظامی علیہ الرحمۃ کے کمال اور اُستادی کا اس جوش عقیدت سے بار بار مختلف

مثنویوں میں ذکر فرماتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ اُن کے عہد میں موجود ہیں اور اُن سے اپنے مثنویوں کی اصلاح لے رہے ہیں۔ چنانچہ مثنوی مجنوں و لیلیٰ میں فرماتے ہیں ؎

زندہ است بمعنی او ستادم — ورنیست منش حیات دادم

مولانا کا کمال اور اپنی بے مائگی کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں ؎

میداد چو نظم نامہ را پیچ — باقی نگذاشت بہر ما ہیچ

مثنوی قران السعدین میں جن الفاظ سے مولانا کا کمال بیان کیا ہے وہ آداب سلف کا بہترین سبق آموز نمونہ ہے۔ فرماتے ہیں ؎

نظم نظامی بہ اضافت چو دُر — وز دُر او سر بسر آفاق پر

پختہ از و شد چو معانی تمام — خام بود پختنِ سودائے خام

ہر کہ دریں جنبش طبع آزمائے — سر بہ نہی اوّل و آنگاہ پائے

مثنوی او راست ثنائے بگو — بشنو و از دور دعائے بگو

از پئے بخشش بخدا آرزوے — لیک عنایت ز بزرگاں بجوے

سوزِ سخن را نہ بخامی طلب — پختگیش ہم ز نظامی طلب

اسی طرح جا بجا غزل سرائی میں اپنے ہمعصر و ہم عہد شاعر کہن مشق، پیرینہ سال سعدی علیہ الرحمۃ کی جو شیراز میں بیٹھے ہوئے حقایق و معارف کی نغمہ سرائی غزلیات میں کر رہے تھے اُستادی تسلیم فرماتے ہیں۔ قران السعدین میں فرماتے ہیں ؎

ور غزلت یاد جوانی دہد — وز خوشی طبع نشانی دہد
تن زن ازاں ہم کہ کساں گفتہ اند — ہر چہ تو گوئی بہ ازاں گفتہ اند
نوبتِ سعدی کہ مبادا کہن — شرم نداری کہ بگوئی سخن

پھر اپنی ایک غزل کے مقطع میں یوں فرماتے ہیں ؎

خسرو سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت — شیرہ زاں خمخانہ مستی کہ در شیراز بود

مثنوی نہ سپہر میں ایک جگہ سعدی و ہمام دونوں کو اُستادِ غزل تسلیم کرتے ہوئے ان کے دیگر اصنافِ نظم پر نہایت محققانہ و مودبانہ تنقید فرماتے ہیں ؎

کس نہ بیند سوے نظم دلگیر — کہ نہ گردد بدے منزل گیر
چوں نماند بدے خلقے یاد — گرچہ شد زادہ ہماں دل کہ تہ داد
تا بجائیکہ حد پارسیاں — اندریں عہد دو تن گشت عیاں
زاں یکے سعدی و ثانیش ہمام — ہر دو را در غزل آئینِ تمام
لیک اگر سوے دگر بارے ہست — شعر شاں ہست بداں گونہ کہ ہست

دیباچہ غرۃ الکمال میں نہایت وضاحت سے اس کی تصریح خسرو علیہ الرحمۃ نے خود فرما دی ہے کہ اصنافِ نظم میں سے کس پیشرو کی روش کس صنف میں اختیار فرماتے ہیں تفصیل کے لئے ناظرین کو غرۃ الکمال کی اشاعت کا منتظر رہنا چاہیئے۔ لیکن مجملاً اُس کا خلاصہ یہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

قصائد میں خاقانی و اسمٰعیل کا پیرو ہوں مثنوی میں نظامی کا غزل میں سعدی کا

اتباع کرتا ہوں لیکن قطعات و رباعیات و دیگر اقسام نظم میں کسی غیر کے مسلک کا سالک نہیں ہوں بلکہ جو کچھ کہتا ہوں اور جس طرز و اسلوب میں کہتا ہوں وہ خود اپنا ہی ایجاد ہے"
اس بیان سے مقصد یہ ہے کہ خسرو کے کمال کا یہ پہلو بھی ناظرین کے سامنے آجائے کہ ع نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں
ورنہ اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ نظم آپ کی فطری چیز ہے اس روانی سے یہ نظم لکھتے ہیں جیسے کوئی نثر لکھتا ہو۔ گویا ان کے خیالات عالم بالا سے نظم ہی کے پیرایہ میں ان کے دماغ میں اُترتے ہیں۔
مضمون آفرینی میں یہ کسی کے مرہون منت نہیں بلکہ اپنے ہی دماغ کے معدن سے انھوں نے صفحۂ قرطاس پر لال و گہر اُگل دیئے ہیں چنانچہ خود ہی ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

ہر چہ من از خامہ فشانم بروں　　　گنج خدا ئیست کہ رانم بروں

لیکن یہ محض اسلاف کا پاس ادب ہے جو اُن کے برابر بیٹھنے کا دعوی نہیں کرتے اور نہایت انکسار سے یوں فرماتے ہیں ؎

چوں پس رو طرزِ ہر سوادم　　　پس شاگردم نہ اوستادم

متاخرین اور کمال خسروی کا اعتراف

اس ادب شناسی کا یہ صلہ ملا کہ خسرو علیہ الرحمۃ کے معاصرین اور شعرائے مابعد ہر ایک نے خسرو کو اپنے سے بہتر اور اپنا رہنما تسلیم کیا۔ ان کے کمال کو باکمالوں نے پہچانا اور ادب سے سر تسلیم خم کیا۔
امیر حسن علاء سنجری جو خسرو علیہ الرحمۃ کے ہم عصر اور غزل کے بے مثل اُستاد ہیں

جب وہ اپنے کلام کا خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام سے مقابلہ کرتے ہیں تو اس طرح کہتے ہیں ؎

خسرو از راہ کرم بہ پذیرد | انچہ من بندہ حسن می گویم
سخنم چوں سخن خسرو نیست | سخن این ست کہ من می گویم

ملا عصمت بخاری اور بابا کمال خجندی جیسے باکمال اساتذہ بھی خسرو علیہ الرحمۃ کے خوشہ چیں ہیں بہارستان میں مولانا جامی نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور کاتبی نیشاپوری نے ملا عصمت کے خصوص میں نہایت ہی لطیف قطعہ کہا ہے۔

(۲) قطعہ کاتبی نیشاپوری

میر خسرو را علیہ الرحمۃ شب دیدم بخواب | گفتم این عصمت ترا یک خوشہ چین خرمن ست
شعر او چوں شعر تو اندر جہاں شہرت گرفت | گفت یا کے نیست شعر او ہماں شعر من ست

بابا کمال خجندی جو عجم کے ایک مشہور سخنور اور خواجہ حافظ اور عصار تبریزی کے معاصر و حریف مقابل ہیں ان کے متعلق امیر شاہی سبزواری یوں کہتا ہے۔

(۳) قطعہ امیر شاہی سبزواری

گر حسن معنی ز خسرو بر د نتواں عیب کرد | زانکہ اُستاد ست خسرو بلکہ ز اُستاداں زیاد
در معانی حسن را بر دا ز دیواں کمال | ہیچ نتواں گفتن او را دزد بر دزد اوفتاد

کمال سے مراد بابا کمال خجندی کی ذات ہے۔

(۴) قطعہ مرزا محمد طاہر آشنا

کسی نے مرزا محمد طاہر آشنا سے، پوچھا کہ اگلوں میں کس کا کلام دلفریب ہے اور پچھلوں میں

کس کا شعر دلپذیر ہے اس کے جواب میں ایک قطعہ لکھکر مرزا محمد طاہر نے بھیجدیا۔

اے کہ سوال کردۂ کز متقدمین کرا — ہست زیادہ در سخن شعر بلند و دل نشیں

وز متاخریں بود شعرِ خوشش کہ بیشتر — بیش ز ہمگناں بود طبع کہ معنی آفریں

نزدِ من اندر سخن زیں دو گروہ ایں دو تن — خسرو دہلوی ازاں قدسیِ مشہدی ازیں

ظہوری جو اپنے زمانہ میں نظم و نثر کا بے نظیر اُستاد تسلیم کیا گیا ہے وہ اُن مدعیان باطل کی بدمذاقی کا جنھیں خسرو کی ہم سری کا سودا سما گیا تھا اس طرح گلہ کرتا ہی۔

(۵) ظہوری اور بارگاہ خسروی کا ادب

بساط ادب برکراں افگنند — بہ خسرو غزل درمیاں افگنند

اس شعر سے معلوم ہو سکتا ہی کہ ظہوری کا دل خسرو کی عظمت سے کس قدر لبریز ہے خسرو کے بعد سب سے اول خواجو کرمانی ہیں جنھوں نے اپنا خمسہ مرتب کیا ہی ان کے شاعرانہ کمال کی نسبت صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ حافظ علیہ الرحمۃ جیسا مست با جوش و خروش شاعر بھی ان کا نام ادب سے لیتا ہی اور اپنے کو ان کا متبع کہتا ہی وہ اپنی مثنوی کمال نامہ میں خسرو کا اتباع کرنے والا اپنے آپ کو کہتے ہیں۔

(۶) خواجو کرمانی اور خسرو کی تقلید

سوختم ایں لخلخۂ خسروی — در طبق موہبتِ مولوی

مولانا جامی جن کی مثنوی نگاری خصوصیت کے ساتھ ممتاز سمجھی گئی ہے وہ ایک جگہ مولانا نظامی کا امام مثنوی گویاں صرف اس امر سے اثبات کرتے ہیں کہ خسرو کا

خمسہ بھی نظامی کے خمسہ سے بڑھ نہ سکا بلکہ اُس کے بعد کا اُسے مرتبہ ملا۔ نظامی کا خمسہ دُرِ شاہوار ہے اور خسرو کا خمسہ زرِ خالص۔ فرماتے ہیں۔

(۷) مولانا جامی اور خسرو

زویرانۂ گنجہ شد گنج سنج — رسانید گنجِ سخن را بہ پنج
چو خسرو بداں پنجہ ہم پنجہ شد — وزاں بازوئے فکرتش رنجہ شد
کفش بود زاں گونہ گوہر تہی — زرش ساخت لیکن زرِ دہ دہی

ان اشعار سے جہاں نظامی کا فضل ثابت ہوتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہے کہ نظامی کے بعد مثنوی میں خسرو ہی کا مرتبہ ہے۔ دوسرے مثنوی نگاروں کا مولانا جامی کے نزدیک یہ مرتبہ بھی نہیں کہ اُن کا نظامی کے مقابلہ میں نام تک لیا جا سکے۔ چہ جائیکہ مقابلہ۔

(۸) مولانا جامی کی دوسری شہادت

مثنوی تحفۃ الاحرار کے خطبہ میں مولانا جامی یوں تحریر فرماتے ہیں "ایں صدف پارۂ چند ست بے مقدار از جست و جوئی کارگاہ بے سرانجامی گرد کردہ شدہ و خزف ریزۂ چند بے اعتبار از رفت و روب بزم گاہ شکستہ جامی فراہم آوردہ چہ قدر آں دارد کہ در سلک جواہر شاہوار مخزن الاسرار حکیم گرامی شیخ نظامی انتظامش دہند یا در جنب جام زرنگار مطلع الانوار مورد بدائع لفظی و معنوی امیر خسرو دہلوی نامش برند چہ آں در جودت الفاظ و سلاست عبارات منزلے است کہ فصحٰی زمانا از عجز در ساں اوصاف

آں اعجمی اند۔ وایں در دقت معانی ولطافت اشارات بشابہ کہ نادرہ گویانِ عالم درمعرضِ جواب آں معترف بابکمی۔"

سخن سنج جام نے چند مختصر فقرات میں کیسی جامع تنقید مخزن الاسرار و مطلع الانوار پر کی ہے پھر نادرہ گویان کا مطلع الانوار کے جواب میں اپنے گنگ ہونے کا اعتراف خسرو کے اُستادفن ہونے کا کیسا کھلا اقرار ہے۔

(۹) مولانا جامی کی تیسری شہادت

مولانا جامی ایک جگہ خدا سے دعا مانگتے ہوئے جہاں اپنے سخن کا عروج منزل گاہ نظامی تک چاہتے ہیں وہاں اس کی بھی تمنا فرماتے ہیں کہ خسرو جیسی پختگی و لطافت میرے کلام میں پیدا ہو جائے ؎

اہلِ دِل از فکر چو محفل نہند | بادۂ راز از قدحِ دل دہند
رشحہ ازاں بادہ بجامی رساں | رونقِ نظمش بہ نظامی رساں
پست چو خاک ست بریز از نوش | جرعۂ از جا مکہ خسرو وش
قافیہ آنجا کہ نظامی سراست | ہرگز قافیہ جامی سزاست
بر سرِ خسرو کہ بلند اختر ست | از کفِ درویش گلے درخورست

(۱۰) امیر ہاشمی کرمانی اور کمال خسرو کا اعتراف

امیر ہاشمی کرمانی جو تقریباً مولانا جامی کے معاصر ہیں وہ اپنی مثنوی مظہر الآثار میں جو مخزن الاسرار کے رنگ میں لکھی ہے پہلے مولانا نظامی کے اُستادفن ہونے کا اقرار

کرتے ہیں۔ اُس کے بعد خسرو ہی کی اُستادی تسلیم کرتے ہیں خسرو کے بعد جامی کا مرتبہ قرار دیتے ہیں۔ خسرو کے متعلق اُن کے اشعار یہ ہیں ؎

چوں زقضا لاحقہ نو رسید | کوکبۂ نوبت خسرو رسید
خامہ برآورد بفکرِ جواب | ماند قلم بر ورقِ آفتاب
خامۂ خسرو چو گہر بار شد | نامۂ او مطلع الانوار شد
کرد دراں نامہ تکلف بسے | گفت جوابے کہ چہ گوید کسے
بزم سخن رابسخن ساز کرد | بر ہمہ کس راہ سخن باز کرد
فہم رموزش نکند ہر کسے | زانکہ معانیست بسے دربسے
زبدۂ اسرار حقایق ہمہ | محض اشارات دقایق ہمہ
گفتۂ او در نظر نکتہ داں | میدہد از علم لدنی نشاں
آنچہ دریں مائدہ افگند شور | سربسر از قوت طبع ست و زور
ایں مئے صاف از قدح دیگر ست | مستی او را فرح دیگر ست
ہست دریں بزم گہ دلفروز | نوبت ہر اہل دلے پنج روز
دور قدح طے شد و ساقی نماند | درخم دوراں مئے باقی نماند
چوں مئے خسرو بہ تمامی رسید | دورِ مئے عشق بجامی رسید

(۱۱) ضیاء برنی کا قول

مولانا ضیاء برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی جو خسرو کے ہم عصر ہیں تحریر فرماتے

ہیں۔ امیر خسرو خسرو شاعران سلف و خلف بودہ است و در اختراع معانی و کثرت تصنیفات غریبہ نظیر نداشت و ہرچہ نسبت طبع لطیف و موزوں کند باری تعالےٰ اور ادراں ہنر سر آمد گردانیدہ بود۔ وجودے عدیم المثال آفریدہ و در قرن متاخر از نوادر اعصار پیدا آوردہ۔

(۱۲) سفینۃ الاولیا میں داراشکوہ کی تحریر

امیر خسرو در شعر چناں قادر بودند کہ مطلع الانوار راکہ در جواب مخزن اسرار است در دو ہفتہ تمام کردہ اند۔ و در اشعار ایشاں یکہ بیتہاست کہ کم کسے بآن خوبی گفتہ باشد مضموں ہائے تازہ عالی در اشعار امیر آں قدر ست کہ اگر ہمہ راجمع کنند از تصانیف بعضے زیادہ میشود وہمیں طور در اقسام زبان وفنون علم ہندی بے مثل بودہ اند بجامعیت ایشاں کم کسے گزشتہ۔

(۱۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وے سلطان الشعرا و برہان الفضلا ست در وادی سخن یگانہ عالم ونقاوہ نوع بنی آدم ست وے در سخن عالمے ست از عوالم خداوندی کہ پایاں ندارد آنچہ اورا از مضامین و معانی در اطوار سخن وانواع آں دست داد ہیچ کس را از شعرائے متقدمین و متاخرین ندادہ۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ طبقات محدثین میں ہیں لیکن نظم سے بھی حصہ وافر کے مالک ہیں۔ آپ کے اشعار پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہتر نظم منظوم کرنے پر شیخ

رحمۃ اللہ علیہ کو خود بھی قدرت تھی بہرحال حدیث کی چھان بین کرنے والے کی نظر تنقیدی ہو ہی جاتی ہے پس شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایک جملہ مشعر کمال خسروی ہے۔

(۱۴) تذکرہ دولت شاہ سمرقندی

تذکرہ دولت شاہ میں ہے کہ امیرزادہ بایسغر خمسہ خسروی کو خمسہ نظامی پر ترجیح دیتا تھا اور خاقان مغفور الغ بیگ اسے قبول نہیں کرتا تھا۔ اس بحث نے یہاں تک طوالت اختیار کی کہ دونوں بادشاہوں میں کشاکش بڑھتی بڑھتے نوبت مقابلہ و مقاتلہ کی پہونچی۔ آخر میں دولت شاہ خسرو علیہ الرحمۃ کے متعلق یہ فقرات لکھتا ہے۔

القصہ معانی خاص و نازکیہائے امیر خسرو دہلوی و سخنہائے پرشور عاشقانہ او آتش در نہاد آدمی میزند خواجہ خسرو پادشاہ عاشقان ست ازانش خسرو نام ست در ملک سخنوری ایں نامش تمام ست درحق او مرتبہ سخن گزاری ختم ست۔

(۱۵) آزاد بلگرامی

رئیس المحققین میر غلام علی آزاد بلگرامی فرماتے ہیں کہ حضرت سعدی شیرازی کے کلام میں اگرچہ خال خال وقوعہ گوئی پائی جاتی ہے جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے (شعر سعدی)

دل و جانم بتو مشغول و نظر در چپ و راست
تا نہ گویند رقیباں کہ تو منظور منی

مگر ناسخ نقوش مانوی حضرت امیر خسرو دہلوی وقوعہ گوئی کے بانی تسلیم کئے گئے ہیں حضرت خسرو فرماتے ہیں ؎

خوش آں زماں کہ بروئیش نظر نہفتہ کنم　　چو سوئے من نگرد او نظر بگردانم

ولہٗ

غلام آں نفسم کا مدم چو خانۂ او　　بخشم گفت کہ از در کشید بیرونش

چو رفتم بر درش بسیار دربانٌ گفت ایں مسکیں

گرفتارست شاید کایں طرف بسیار می آید

محقق بلگرامی ایک عجیب صنعت سے ان کے کلام کی داد دیتے ہیں۔ یعنی خسرو کے دو شعر ول سے دونوں آخر کے مصرعے لیتے ہیں اور اول مصرعہ اپنے طرف سے موزوں کرکے کلام خسرو کی داد دیتے ہیں ؎

خسرو

آزاد

اے خسروِ شوخاں چہ کند وصفِ تو آزادؔ　　خوباں عملِ فتنہ زدیوانِ تو یابند

دیگر

میر خسرو نمکیں شعر ترا خواند آزادؔ　　از نمکدانِ تو شد تازہ گرفتاریِ دل

میر آزاد بلگرامی نے جو تنقید کہ کلام خسرو پر کی ہو مو بمو راست ہے۔ خود ایک غزل میں خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

روح لیلیٰ آید و آموزد آئینہائے عشق

شعر خسرو گر رقم بر تربتِ مجنوں کنم

اگر تمام اقوال مصنفین کے جو خسرو علیہ الرحمۃ کی نفس شاعری کے متعلق ہیں جمع کروں تو ایک رسالہ ہو جائے۔ لہٰذا اسی قدر پر بس کرتا ہوں

کہ مثنوی میں بعد نظامی علیہ الرحمۃ کی خسرو دہلوی سے بہتر کسی نے مثنوی نہیں لکھی۔ مولانا جامی خواجو کرمانی امیر ہاشمی کرمانی آذر اصفہانی سلم السماوات شرع الشعرا والہ داغستانی وغیرہ یہ سب اس کے معترف و مقر ہیں۔ قصائد میں خاقانی اور غزل میں سعدی کے بعد ہیں۔ باعتبار جامعیت کے کوئی ان کا مقابل نہیں۔ صاحب شعر العجم کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(۱۶) شعر العجم کی عبارت

''ایران میں جس قدر شعرا گزرے ہیں خاص خاص اصناف شاعری میں کمال رکھتے تھے مثلاً فردوسی و نظامی مثنوی میں۔ انوری اور کمال قصائد میں سعدی و حافظ غزل میں۔ یہی لوگ جب دوسری صنف میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو پھیکے پڑ جاتے ہیں۔ بخلاف اس کے امیر قصائد مثنوی اور غزل تینوں میں ایک درجہ رکھتے ہیں مثنوی میں نظامی کے بعد آج تک ان کا جواب نہیں ہوا۔ غزل میں وہ سعدی کے دوش بدوش ہیں قصائد میں ان کی چنداں شہرت نہیں ہوئی لیکن کلام موجود ہے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ کمال اور ظہیر سے ایک قدم پیچھے نہیں''۔

اسی شعر العجم میں ایک دوسرے موقع پر ہے۔

''ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا۔ اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگوں اوصاف کے جامع ایران و روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی چار پیدا کئے ہوں گے صرف ایک

شاعری کرلو تو اُن کی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے۔ فردوسی سعدی انوری حافظ عرفی نظیری بے شبہ اقلیم سخن کے جم و کے ہیں مگر ان کی حدود حکومت ایک اقلیم سے آگے نہیں بڑھتیں۔ حافظ۔ عرفی۔ نظیری غزل کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتے اور انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہیں سکتا۔ لیکن خسرو کی جہانگیری میں غزل مثنوی قصیدہ رُباعی سب کچھ داخل ہے اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہائے سخن یعنی تضمین مستزاد اور صنائع و بدائع کا تو شمار نہیں۔"

خسرو کا حاسد عبید شاعر

صفحات تاریخ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ صاحب فضل و کمال کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ محسود ہو۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا باکمال گزرا ہو جس پر بعض بدنصیبوں نے حسد نہ کھایا ہو چنانچہ خسرو جیسا خوش طبع منکسر المزاج مسکین طبیعت محتاج دوست عاجز پرور اور دلنواز شخص بھی حاسدوں سے محفوظ نہ رہ سکا سچ ہے ع

گل ست سعدی و در چشم دشمناں خارست

دربار شاہی میں ایک ایرانی عبید نامی تھا وہ فضل و کمال میں جب خسرو کا مقابلہ نہ کرسکا تو آتش حسد سے جل بھنکر کوئلہ ہو گیا۔ امیر خسرو پر طعن و تشنیع اور ان سے بغض و حسد ہی رکھنے کو اُس نے اپنا مایۂ ناز و افتخار سمجھا۔ صاحب شعرالعجم کی بھی یہی رائے ہے۔ شعرالعجم کے الفاظ یہ ہیں "بعض بعض ایرانی شعرا قومی تعصب کو چھپا نہیں سکے عبید ایک شاعر جو امیر خسرو کا معاصر ہے کہتا ہے کہ غلط اوفتاد خسرو را الخ خسرو کا خمسہ جب طیار ہوا تو اس حیرت افزا

کمال نے اُسے ششدر تو کر دیا لیکن حسد سے مجبور تھا داد کیونکر دیتا اس لئے کہ یہ شیوۂ اہلِ ہنر ہی نہ طریق حسود۔ آخر ایک شعر میں اپنے حسد ہی کا اظہار کیا ؎

غلط او فتاد خسرو را ز خامی
کہ سکباپخت در دیگ نظامی

ادبی مذاق رکھنے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ اہل کمال کا ایک گروہ ایسا بھی گزرا ہے جسے معاصرین سے داد فضل کمال نہ ملی بلکہ بعض ایسے شرکاء فن جو اُن کے علو شان کے سمجھنے سے قاصر تھے اُنھوں نے نہ صرف اُن کے کمال کا انکار کیا بلکہ مطاعن کی بوچھار کی ہے۔ لیکن جبکہ معاصرت جو تنافر کی ایک قوی علت تھی مٹ گئی تو پھر اُس کا آفتاب کمال ایسا چمکا کہ اُس کے انوار میں تمام ہلکی اور دھیمی روشنیاں جذب ہو کر فنا ہو گئیں۔

یادش بخیر غالب دہلوی کی شان میں اُس کے بعض معاصرین نے کیا کیا کچھ نہ کہا کسی نے تو یہ کہا ؎

کلامِ میر سمجھے ہم زبانِ میرزا سمجھے
مگر ان کی کہی یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

کسی نے اُس کے دیوان کے حجم و ضخامت پر یہ شعر چسپت کیا ؎

ڈیڑھ جزو پہ بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب
غالب آسان نہیں صاحبِ دیواں ہونا

اس شعر کے کہنے والے آوج تخلص عبداللہ نام دہلی کے ایک شاعر گزرے ہیں جنھیں یہ ناز تھا کہ سات دواوین مرتب کر چکا ہوں اور آٹھواں زیر ترتیب ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں :-

"ایک دن رستہ میں ملے دیکھتے ہی کہنے لگے آج گیا تھا انھیں بھی سنا آیا۔ میں نے کہا کیا کڑک کر بولے ؎

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب
غالب آسان نہیں صاحب دیواں ہونا

پھر بیان کیا کہ ایک جلسہ میں مومن خاں بھی موجود تھے مجھ سے سب نے شعر کی فرمایش کی میں نے ناسخ کی غزل پر غزل کہی تھی وہ سنائی مقطع پر بہت حیران ہوئے ع

کہ جس کو کہتے ہیں چرخ ہفتم ورق ہے دیوان ہفتمیں کا

پوچھنے لگے کہ کیا آپ ساتواں دیوان لکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہاں اب آٹھواں ہے چپ ہو گئے"

لیکن اب کہ وہ بساط لپٹ گئی۔ دنیا دیکھ رہی ہے کہ وہی ڈیڑھ جز کا دیوان ارباب بصیرت کی آنکھوں کی عینک بن گیا۔ اور عبداللہ خاں جو آٹھ دیوان چھوڑ گئے اُن میں سے آٹھ غزلوں کا بھی پتہ نہیں آج وہ اشعار جو غالب کی شان میں طنزیہ کہے گئے تھے کیا کچھ بھی واقعیت رکھتے ہیں؟

وہ شعراء اور اُن کے طعن آمیز اشعار کیا اس ثبوت میں پیش کیے جا سکتے ہیں کہ غالب کا کلام بے معنی و مہمل ہے اور اُسے صاحب دیوان نہیں کہا جا سکتا چونکہ اُس کا

دیوان صرف ایک جلد ہی اور وہ بھی مختصر۔ پس کیا عبید کے اس شعر کو جو اسکی حاسدانہ طبیعت کی یادگار ہی اس ثبوت میں پیش کرنا کہ اہل ایران نے خسرو کو مثنوی نگار تسلیم نہیں کیا آفتاب پر خاک ڈالانا نہیں ہی؟

عبید کا افساد اور اُس کا انجام

صاحب منتخب التواریخ تغلق شاہ کا عہد بیان کرتے ہوئے ایک فتنہ کا یوں ذکر کرتے ہیں "دریں میان عبید شاعر مشہور مفتن معارض امیر خسرو علیہ الرحمۃ کہ ایں بیت ازاں بدبخت شہرت دارد غلط او فتاد الخ امیر در اکثر تصانیف از دست او و سعد فلسفی شکایت ہا کردہ و شیخ زادہ دمشقی بہ تقریب دیر رسیدن ڈاک چوکی از دہلی بدروغ آوازہ در انداختند کہ سلطان تغلق نماند۔ وفتورے عظیم در اہلِ اسلام رفت۔" اس کے بعد فتنہ اور پھر اُس کے اندفاع کا ذکر ہے آخر میں مفسدین کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھتا ہی۔ "عبید نیز ہم چناں منکوب بدست آمد و ایں جماعت را باخیل و تبار زیر پائے فیل انداختند در سنہ احدی وعشرین وسبعماۃ۔" تاریخ فیروز شاہی میں مولانا ضیاء برنی کے الفاظ عبید کے متعلق یہ ہیں۔ "بدبخت خبیث فتان مشطط"

اس عبارت سے صاف واضح ہی کہ عبید ایک مفسد فتنہ پرداز بے مایہ اور معمولی قابلیت کا شخص گزرا ہی شعر و سخن میں اُسے کچھ دخل ہی لیکن اس فن میں اُن کا کوئی خاص پایہ نہیں اُس عہد میں عبید جیسے شاعر ہندوستان کے ہر گلی کوچے میں تھے۔ اس کے اخلاق کی خامی و کمزوری اُس کی فتنہ پردازی و فساد انگیزی سے ظاہر ہے۔ کسی تذکرے میں بھی فقیر کی نظر سے یہ نہیں گزرا کہ اُس کے ثبوت شاعری میں

اُس سے کیا یادگار ہے نہ عبید کا دیوان ہے نہ مثنوی نہ قصائد۔ نہ کوئی اُس کے فضائل علمیہ ہی کا معترف ہے۔

خسرو کا اتباع اور اہل زبان

خسرو علیہ الرحمۃ کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ ہندوستان میں پیدا ہوئے اسی جگہ نشو و نما پایا۔ اسی سرزمین میں اُن کی تعلیم و تربیت ہوئی لیکن کلام کا ایسا نمونہ چھوڑ گئے کہ اہل ایران نے اُس کی تقلید کی خسرو کے قصائد اہل ایران میں ایسے مقبول ہوئے کہ سلمان ساوجی وغیرہ نے بھی اُسے نمونہ بنا کر طبع آزمائی کی ہے جو شہادتیں کہ اوپر مذکور ہوئیں اُن سے اہل ایران میں کلام خسرو کی مقبولیت اور اہل زبان میں خسرو کے صاحب فن ہونے کا اعتراف بخوبی ثابت ہوتا ہے

ایک سطحی اعتراض اور اُس کا جواب

یہ اعتراض کہ خسرو علیہ الرحمۃ نے مولانا نظامی کے رنگ میں مثنویاں کیوں لکھیں اُنھیں داستانوں کو مکرر نظم میں کیوں لائے یہ کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ تعصب کا نتیجہ ہے اس کا جواب پھر کیا دیا جائے۔ دنیا میں شاید ہی کسی موضوع پر ایسی کتاب کسی نے لکھی ہو جس موضوع پر اُس سے بعد آنے والوں نے اپنی قوت دماغی نہ صرف کی ہو بلکہ کبھی کبھی اتحاد موضوع کے ساتھ اتحاد اسم بھی پایا جاتا ہے۔ امام غزالی کی مشہور تصنیف تہافۃ الفلاسفہ ہے لیکن اسی نام کی اور دو کتابیں بھی موجود ہیں۔ ان تینوں کا موضوع ایک ہے لیکن انداز بیان ترتیب فصول سب میں جداگانہ ہے۔ شرح تجرید کے حواشی دیکھو دو نامور محقق یکے بعد دیگرے اُس کا حل لکھتے ہیں اور دونوں کے حواشی کا ایک ہی نام ہے یعنی قدیمہ۔ اسی طرح شیخ

بوعلی سینا کی معرکۃ الآرا کتاب اشارات ہی اُس کی بھی دو شرحیں ہیں اور دونوں شرح اشارات سے موسوم ہیں۔ شعر و شاعری میں جہاں صرف طبع آزمائی ہوتی ہے اُس میں اگر ایک ہی داستان کو دو شاعروں نے نظم کیا تو یہ اعتراض کیونکر ہو سکتا ہی۔ زور طبیعت کا اُسی جگہ صحیح اندازہ ہوتا ہی جہاں ایک ہی مضمون کو دو شخص بیان کریں اس سے ہر ایک کی قوّت فکریہ کا زور او راُس کی رسائی معلوم ہوتی ہی۔ بدین وجہ خسرو شیریں، مجنون و لیلیٰ و داستان بہرام گور متعدد شعرائے نظم کی ہیں جن میں سوائے امیر خسرو کے سب اہلِ زبان ہیں۔ پھر خسرو پر اس اعتراض کی تخصیص کیا ہی۔ خسرو نے نام رکھنے میں جو صنعت قلب سے کام لیا ہی اُس سے ایک لطف پیدا ہو گیا۔ مثلاً مولانا نظامی کی کتاب کا نام لیلیٰ مجنوں ہے اور ان کی مثنوی کا مجنوں لیلیٰ۔

اساتذۂ فن کے کلاموں پر جن کی نظر ہے اُن سے یہ امر مخفی نہیں کہ ایک ہی مضمون ہوتا ہی جسے ہر ایک شاعر کہتا ہی لیکن ہر ایک کا انداز جدا ہر ایک کی بندش الگ کہیں اگلوں کے کلام میں لطافت ہوتی ہی اور کہیں پچھلے اُس مضمون کو زیادہ پُر تاثیر بنا دیتے ہیں مثلاً سعدی کا ایک شعر ہی۔

پہلی مثال

بجز ایں گنہ ندارم کہ محبّ و مہربانم ۔۔۔ بچہ جرم دیگر از من بسر انتقام داری

اسی مضمون کو خسرو کہتے ہیں ؎

گفتم کہ ہمیں تُرا غلامم ۔۔۔ گر ہست گناہِ من ہمیں ست

خسرو کے شعر کا لطف ظاہر ہی صرف ایک لفظ غلام نے وہ خوبی پیدا کردی ہی جو محب و مہربان کے دو لفظوں سے بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اُس پر گناہ کا اقرار حرف شرط کے ساتھ ایک عجیب لطف دے رہا ہی۔

کیا خسرو پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ جبکہ سعدی کا شعر موجود تھا تو پھر اس مضمون کے ادا کرنے میں کیوں وقت ضائع کیا گیا۔

دوسری مثال

خسرو کا ایک شعر ہی ؎

گفتہ بودے خسروا در خواب رُخ بنمامت　　　این سخن بیگانہ را گو آشنا را خواب نیست

اسی مضمون کو جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

گفتی شبے بخوابِ تو آیم ولے چہ سود　　　چوں من بعمرِ خویش ندانم کہ خواب چیست

خسرو جن کا زمانہ جامی سے بہت پیشتر ہے جبکہ اُن کا ایسا پرلطف شعر موجود تھا تو پھر جامی کو ایسا شعر لکھنا جو لطف میں بھی خسرو کے شعر سے پیچھے ہی کیا ضرور تھا۔ کیا یہ اعتراض مولانا جامی پر ایک فضول ولا یعنی اعتراض نہیں؟

تیسری مثال

میر تقی میر کا ایک شعر ہی ؎

جاتا ہے آسماں لئے کوچہ سے یار کے　　　آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

غالب دہلوی کہتا ہی ؎

سر پھوڑتا وہ غالبؔ شوریدہ حال کا یاد آگیا ہمیں تری دیوار دیکھکر

خلاصہ یہ کہ کوئی مضمون جسے متقدم نے کہا ہو اگر اُسے کوئی متاخر کہے تو اگر دونوں کے کلام میں باعتبار بندش و ترکیب الفاظ مساوات ہی تو فضل متقدم کی طرف ہوگا۔ لیکن اگر متاخر نے اُس میں کوئی لطف پیدا کیا تو پھر یہ مضمون اُس کا ہو جائے گا اور یہ ایک طرح کی صنعت شمار کی جاتی ہی جسے ابداع کہتے ہیں۔

جواب کا دوسرا حصہ یہ واقعہ ہی کہ ہر شاعر کی طبیعت ایک خاص رنگ رکھتی ہی اور اُس کے بیان کا اسلوب ایک خاص طرز رکھتا ہی۔ اکثر کلام اُس کا اُسی رنگ و روش میں پایا جاتا ہی۔ لیکن کبھی کبھی وہ اپنے مخصوص طرز سے علیحدہ ہو کر کسی دوسرے طرز میں بھی طبیعت کی جولانی دکھاتا ہی جس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ دوسری روش بھی اُس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔

مثلاً غالبؔ کی نازک خیالی اور دقت پسندی ضرب المثل ہی جیسا کہ وہ خود کہتا ہے

مشکل ہی زبس کلام میرا اے دل سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمایش گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

لیکن جب کبھی اُس کا جی چاہتا ہی تو اپنے خاص رنگ سے علیحدہ ہو کر سہل کہنے پر جو آتا ہی تو سہل ممتنع میں بھی اپنی اُستادی ثابت کر دیتا ہی۔ مثلاً اُس کی ان غزلیات کو دیکھئے جن میں سے ایک ایک شعر یہاں درج ہی ؎

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے

کب وہ سنتا ہی کہانی میری　　اور پھر وہ بھی زبانی میری

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام　　ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید　　نا امیدی اس کی دیکھا چاہیئے

خسرو اور مجتہدانہ طبیعت خسرو علیہ الرحمۃ ایک مجتہدانہ طبیعت لے کر اس عالمِ کون و فساد میں آئے تھے۔ ناظرین تھوڑا صبر کریں نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب کے جود و کرم کا چشمہ عنقریب اُنھیں سیراب کر دے گا۔ بہت بڑا حصّہ کلامِ خسرو کا تصحیح و مقابلہ کی منازل سے گزر کر تنقید و تقریظ کے مقام تک آ چکا ہی۔ جس وقت خسرو کا کلام ناظرین کے سامنے ہوگا اُس وقت یہ فیصلہ خود بخود ہو جائے گا کہ بیشک خسرو میں مجتہدانہ قابلیت موجود تھی۔ آپ کی مثنوی تغلق نامہ، خضر خاں و دیول دیبی اور مثنوی نہ سپہر آپ کی جدّت و جودت آفریں طبیعت پر گواہ ہیں یہ تینوں تاریخی مثنویاں ہیں۔ واقعات ایسی صحت سے لکھے گئے ہیں کہ اُس عہد کی بہترین تاریخ یہی مثنویاں ہیں تاریخی بحث ایک خشک مضمون ہی لیکن خسرو نے اپنی جادو بیانی سے ایسا رنگین اُسے کر دیا ہی کہ تاریخ اپنی صحت کے ساتھ باقی رہی اور مضمون میں دلکشی و دل آویزی پیدا ہو گئی۔ نہ سپہر کی ترتیب بھی ایک جدّت رکھتی ہی۔ اس مثنوی کے نو باب ہیں ہر باب کو سپہر سے تعبیر کیا ہی۔ پھر ابتدا نویں آسمان سے کی ہی اُس کے بعد آٹھواں پھر ساتواں اسی طرح پہلے سپہر پر خاتمہ ہے۔ ہر سپہر کا عنوان آخر میں ہوتا ہے اور ہر سپہر کی بحر ایک نئی بحر ہوتی ہی۔ اس طرح یہ مثنوی نو بحروں پر مشتمل ہی۔ خسرو کی اس مثنوی کا جواب آج تک نہ ہو سکا۔ بعضوں نے سبحۃ الابرار جامی کے متعلق یہ لکھ دیا کہ

یہ مثنوی نہ سپہر کے ہم رنگ ہی۔ بغیر کتاب دیکھے جو اجتہاد و قیاس کیا جاتا ہی وہ ایسا ہی غلط ہوتا ہے
لیکن خمسہ میں خسرو نے اپنی روش چھوڑ کر حضرت نظامی کی روش اختیار کی ہے اور یہ
ثابت کر دیا کہ اس روش میں بھی مثنوی کہہ سکتا ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

میخواست بسے دلِ ہوس باز | کز سحرِ قدیم نو کُنم ساز
پے بر پئے او چناں کہ دانم | گفتم قدمے زدن توانم
از شیوۂ خود رمیدہ گشتم | تسلیم ہماں جریدہ گشتم
چیدم بقلم نمونۂ پیش | بردم زمیاں تکلفِ خویش
زاں کردہ ام ایں نوائے خوش ساز | تا گوشِ زمانہ را کنم باز
ذوقے کہ دریں دمِ حیات ست | ہمشیرۂ اوّلیں نبات ست

خسرو علیہ الرحمتہ اپنی مثنوی مجنوں لیلیٰ کے متعلق آخر شعر میں فرماتے ہیں کہ یہ کتاب اوّلیں نبات (یعنی لیلیٰ مجنونِ نظامی) کی ہمشیرہ ہی۔ جس طرح کہ یہ مثنوی مجنوں لیلیٰ کے متعلق دعوے کیا گیا ہی دیگر مثنویوں کے متعلق بھی کیا جا سکتا ہی خود اسی مثنوی ہشت بہشت کو بخیال نکتہ چینی اوّل سے آخر تک اُٹھا کر پڑھ جائیے۔ کسی جگہ اور کسی موقع پر کسی قسم کا مضمون آپ ایسا نہ پائیں گے کہ اُس کو آپ کسی مضمون کی نقل خیال کر سکیں یا پیش رو اور پیرو کا فرق محسوس ہو اگرچہ وہی قصہ ہی وہی داستان وہی عالم ہے وہی جہان۔

دیکھئے متاخرین اہلِ کمال نے جو امام فن مسلم ہو چکے ہیں جب کسی متقدم کی غزل پر غزل لکھی تو چند اشعار میں بھی وہ اس نقصان کو پوشیدہ نہ کر سکے اور یہاں دفتر کے دفتر

موجود ہیں مگر ممکن نہیں کہ کوئی منصف شخص یہ کہہ سکے کہ یہ نقل ہے اور وہ اصل یا یہ اصل ہے اور وہ نقل۔

نظامی و خسرو کا مقابلہ | نہایت تفصیل سے مثنوی میں مولانا نظامی کا کمال ابھی ہم بیان کر چکے ہیں لاریب مولانا کی مثنویاں باوجود بیشمار جوابوں کے بھی آج تک لاجواب رہیں۔ خود امیر خسرو کی بے نظیر انصاف پسندی بار بار مولانا کے کمال کا اعتراف کرتی ہے۔ مثنوی مجنوں لیلی میں اُن لوگوں کو جو خسرو پر نظامی کا نام لے کر طعن کیا کرتے تھے مخاطب بنا کر فرماتے ہیں ؎

گر ما ز ہُنر تہی میانیم | بارے تو بگو کہ تا بدانیم
از دعوی این خیال سنجی | ناگفتہ ملاف تا نہ رنجی
نبود چو فسانۂ تو نامی | بیہودہ چہ لافی از نظامی
گفتی دم اوست مُردہ راز بیست | آن زان ولیست زان تو چیست
گر زان قدح آری آبخوردم | بے گفت تو اعتراف کردم

یہ واقعہ ہے کہ مولانا نظامی نے بغیر کسی نمونہ کے صنف مثنوی کو ایسا آراستہ و پیراستہ کیا کہ سو برس تک تو کسی کی ہمت مثنوی لکھنے کی نہ ہوئی۔ اور بعد سو برس کے جنھوں نے مثنویاں لکھیں تو وہ نظامی جیسی کوئی نمایاں ترقی نہ کر سکے۔ اس لئے کہ وہ اس مرتبۂ کمال تک مولانا کے پُرزور قلم سے پہنچ چکی تھی جو انسان کی قوت فکریہ کی انتہائی منزل ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مولانا نظامی جس روش کے موجد ہونے کا فخر رکھتے ہیں

اُس کے مکمل ہونے کا بھی سہرہ اُنھیں کے سر ہے۔ یہ دو کمال یعنی ایجاد و تکمیل مولانا کے ایسے ہیں جن میں کوئی اُن کا ہمسر نہیں خسرو کا نظامی سے جب مقابلہ کیا جائے گا تو یہ حیثیت ضرور ملحوظ ہوگی۔

نظامی کی فارغ البالی | خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مولانا نظامی یک فنی تھے طبیعت کا سارا زور مثنوی پر ختم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا فراغ عطا فرمایا تھا مولانا کو نہ کوئی دوسرا خیال تھا نہ طبیعت پر کسی طرح کا بار۔ اطمینان و سکون سے کلام میں کمال پیدا کرتے رہے۔ خسرو کے وہ اشعار یہ ہیں ؎

اوزاں ہمہ فکرِ گوہر آمائے — نہ نہاد زیک روش بروں پائے
وانکہ زجہاں فراغ جستہ — وزشغلِ زمانہ دست شستہ
بارے نہ بدل مگر ہمیں بار — کارے نہ دگر مگر ہمیں کار
کوشش ہمہ در سخن سگالی — خاطر زہر التفات خالی

اس کے بعد اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ میں مسکین ہوں بندگی سے چارہ نہیں پیٹ کے لئے مزدوری کرتا ہوں صبح سے شام تک اپنے ہی جیسے انسان کے آگے پاؤں پر کھڑا رہتا ہوں۔ اس محنت و ملازمت کا جب صلہ دیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق محنت و مزد نہیں دیتے بلکہ احسان کر رہے ہیں۔ خود خسرو کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

مسکین منِ مستمندِ بیہوش — از سوختگی چو دیگ در جوش

شب تا سحر از صباح تا شام | در گوشۂ غم نگیرم آرام
با شم زبرائے نفس خود رائے | پیش چو خودے ستادہ برپائے
تا خوے نرود زپائے تا سر | دستم نشود زآب کس تر
مردے کہ دہند منت داد | وان رنج کہ من برم ہمہ باد
چوں خرکہ علف کشد بزاری | ریزند جوش وے بخواری

باوجود اس کے خسرو کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ خمسہ نظامی کے بعد انھیں کا خمسہ جگہ پاسکا۔ حالانکہ جلال فراہانی، خواجو کرمانی، عماد فقیہ کرمانی۔ مولانا کاتبی۔ ہاتفی وغیرہ وغیرہ سبھوں نے طبع آزمائیاں کیں لیکن اہل زبان ہونے پر بھی خسرو کے مقابل نہ ہوسکے۔ اس پر بھی اگر کسی کو خسرو کا کمال نہ دکھائی دے تو اس کا کیا علاج۔ خسرو علیہ الرحمۃ نے مثنوی قران السعدین میں اس کا بہت ہی اچھا فیصلہ کردیا ہے۔

باز کسے را کہ حسد رہ زند | زخمہ دریں رہ نہ یکے۔ دہ زند
جس کی راہ حسد نے مار رکھی ہے | وہ ایک چھوڑ دس اعتراض کرے گا
گر بمثل صد ہنر آرم زغیب | ہیچ نگاہے نکند۔ جز بہ عیب
مثلاً اگر میں سو ہنر کی باتیں پیدا کروں | تاہم حاسد عیب کی ہی طرف نظر کرے گا
صد سخن راست نگیرد بہ ہیچ | یک رقم کثر کند انگشت پیچ
سو اچھے شعر اُس کے نزدیک بے قدر ہیں | لیکن سقم ایک بھی ہو تو اُسے انگشت نما بنائے گا

گر بہ از ین ست گہر سفتنش	عیب بود عیبِ کساں گفتنش
اگر اُس کی سخن طرازی مجھ سے بہتر ہے	تو دوسروں کی عیب چینی خود اُس کے لئے عیب ہے
ور کم ازیں مایہ رسیدش زغیب	طفل رہِ ماست ز طفلاں چہ عیب
اور اگر اُس کا کلام مجھ سے پست ہے	تو وہ ابھی راہ میں بچہ ہے بچوں کے کہے کا بُرا ماننا کیا

الحمدللہ کہ اُن مضامین سے فرصت ملی جن کی ترتیب علاوہ تنقید ہشت بہشت کے فقیر کے متعلق کی گئی تھی مولیٰ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اُس جناب کا اسے مقبول و پسندیدہ فرمائے جس کے کلام وکمال کا نمونہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخر میں اُس بزرگ ومخلص کی دُعا کا خواستگار ہوں جس کی پیہم سرگرمیوں نے مجھ جیسے کاہل و ناکارہ کو بھی معطل نہ چھوڑا۔ فجزاہ اللہ عنی خیر الجزاء۔

مثنوی ہشت بہشت

مثنوی کی بنا اور اُس کے ادوار باخبرہ روان علم سے یہ امر مخفی نہیں کہ رودکی نے سب سے پہلے مثنوی کی بنیا درکھی۔ فردوسی نے اوس پر ایک شان دار عمارت قائم کی۔ مولانا نظامی رحمۃ نے اوس محل کو آراستہ اور نقش ونگار سے پیراستہ کیا۔ امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے سو برس بعد اوس پر ایسی نظر افروز قلعی چڑھائی جسے دیکھکر ان سے بعد آنے والے شعرا اپنی طبیعت کو قابو میں نہ رکھ سکے اور ہر ایک نے اپنے اپنے عہد میں اس بات کی کوشش کی کہ اس محل دلکشا میں کہیں میرا کمال بھی آویزاں ہو جاے۔ لیکن اہل معانی وسخن شناس با انصاف جانتے ہیں کہ اُن اہل کمال کی تمنائیں کہاں تک سرسبز ہوئیں ؎

المنۃ للہ کہ حق بیں ہیں یہ آنکھیں — احسان خدا کا کہ یہ دل گھر ہے خدا کا

مثنوی ہشت بہشت اس وقت پیش نظر امیر علیہ الرحمۃ کی مثنوی ہشت بہشت ہی جو آپ کے خمسہ میں باعتبار ترتیب تصنیف سب سے آخر دور کی پر جوش صہباے عرفان کا پیمانہ ہی۔ جیسا کہ خود اِس کتاب میں ہم نشین عؔلی کی زبان سے فرماتے ہیں ؎

چوں بعنوانِ پنجم آمد حرف — تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف

امیر صاحب نے اس مثنوی کو ۷۰۱ھ میں تحریر فرمایا ہی۔ اوس وقت

آپ کی عمر اکیاون سال کی تھی۔کل اشعار اِس کے تین ہزار تین سو پچاس ہیں جیسا کہ اِن اشعار سے ظاہر ہی ؎

ہمہ بیتش بگاہ عرض شمار | سہ صد و پنجہ آمد و سہ ہزار
سال ہجری یکے و ہفصد بود | کیں بنا بر دسر بچرخ کبود

بحر اس کی خفیف مسدس مخبوں مقصور ہے۔یعنی فاعلاتن مفاعلن فعلات یوں تو شاعر کے آخر عمر کا کلام سابق کے کلام سے پختگی و برجستگی صفائی و استواری میں بڑھ کر ہوتا ہی ہے لیکن امیر صاحب نے کوشش بھی کی ہی کہ اس کتاب میں شاعری حد کمال تک پہونچ جائے۔فرماتے ہیں ؎

کوششِ کیں خط چناں نگاری چیست | کہ فزوں آید از چہار نخست
کاولیں نکتہ گرچہ چست بود | آخریں بہتر از نخست بود

چنانچہ جب یہ مثنوی تمام ہو چکی تو امیر صاحب نے اوس کو ویسا ہی بہتر و برتر پایا جیسا کہ اون کی تمنا تھی۔اپنی اِس کامیابی کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں ؎

گر بود نا فتدِ خزانۂ راز | واند اندیشۂ مرا پرواز

مثنوی بمقابلہ دیگر اصناف نظم کے

اِن جزئیات کے بعد دو باتوں کا بیان کر دینا نہایت ضروری سمجھتا ہوں۔اوّل یہ کہ شاعر مثنوی لکھنے کے قابل کب ہوتا ہے۔دوسرے یہ کہ وہ کون سے محاسن ہیں جن سے مثنوی کی آرائش تمام ہوتی ہے۔امر اوّل کے متعلق ارباب تحقیق کی یہ رائے ہے کہ شاعر مثنوی اس وقت

لکھتا ہے جب کلام پر اوس کو پوری قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کسی واقعہ کو نظم میں بیان کرنا وزن و قافیہ کا سبنھالے رکھنا شاعرانہ تخیل کو ہاتھ سے ندینا برائے بیت الفاظ کا داخل ہونا اور ربط کلام پر خیال رکھکر مسلسل واقعات کا بیان کرنا نہایت ہی اہم و معرکتہ الآرا رہے۔ اسلیئے مثنوی نظم نگاری میں اعلیٰ درجہ کا فن شمار کیا جاتا ہے۔ امر دوم کے متعلق سخن سنجوں کی یہ رائے سدید ہی کہ چھ باتیں ہیں جو مثنوی کے لیئے ستّہ ضروریہ کہی جا سکتی ہیں (۱) آداب سخن کی پاسداری و نگہداشت (۲) قافیہ کا ردیف کے ساتھ دست و گریبان ہونا اور صحت قوافی کا لحاظ (۳) شاعرانہ علم کلام اور قیاس شعری کی قوت (۴) کسی خاص مضمون کو طرق مختلفہ سے بیان کرنا۔ مثلاً آفتاب کا طلوع و غروب صبح و شام کی جلوہ آرائی۔ گلوں کے قہقہے۔ بلبلوں کے چہچہے۔ معشوقوں کے سراپا کے مرقعے۔ عشاق کی مجبوری و حرماں نصیبی کے نقشے۔ ہمکناری کے شوق۔ ہم آغوشی کے ذوق وغیرہ وغیرہ (۵) صنایع و بدائع لفظی و معنوی و مراعات النظائر (۶) سب سے آخر مگر سب سے اہم تسلسل ہے۔ یعنی واقعات کے سلسلہ کی کوئی کڑی نکلنے نہ پائے جس شخص کا بیان ہو اوس کی حیثیت و شان کا لحاظ ابتدا سے انتہا تک قایم رہے۔ شعرا نے مثنوی کے لیئے جو بحریں اختیار کی ہیں وہ سب چھوٹی بحریں ہیں قافیہ چھوڑکر دو تین لفظوں میں مصرعہ پورا ہو جاتا ہے اب شاعر کا کمال یہ ہے کہ اونھیں دو تین لفظوں میں واقعہ نگاری۔ سخن آفرینی اور

کلام کی سلاست و روانی کا جوہر دکھادے۔

مثنوی ہشت بہشت کا درجہ

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی ہشت بہشت اس وقت پیش نظر ہی وہ ان نکات کو خوب سمجھے ہوئے تھے۔یہی وجہ ہے کہ زباندان ہوکر جب کسی اہل زباں کے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں تو کتنے اہل زبان ہیں جنکو اپنے دامن کی ہوا بھی پانے نہیں دیتے۔آپ کی مثنوی ہشت بہشت تمام اُن محاسن سے آراستہ ہے جو مثنوی کے زیور قرار دیے جائیں۔لیکن واقعات کے تسلسل اور استقصاے جزئیات میں ایسی کامل ہے کہ بلاخوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ اِس وصف خاص میں کوئی مثنوی اس کی ہمسری کا دعوی کر نہیں سکتی چاہے متقدمین کی ہو یا متاخرین کی۔یہ مثنوی بھی اپنی سابق کی چار مثنویوں کی طرح سلطان علاء الدین خلجی کے نام سے معنون ہے۔فلسفہ تاریخ سے آشنا جب عہد علائی پر ایک گہری نظر ڈالتا ہے اور پھر اس مثنوی کو پڑھتا ہے تو نصیحت گری کا یہ انوکھا طرز اور تنبیہ و بیداری کا جدید پر لطف سبق دیکھکر بے اختیار کہہ اوٹھتا ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں　　　گفتہ آید در حدیث دیگراں

اِس تمہید کے بعد مقصود یہ ہے کہ مثنوی کے جن محاسن کا بیان مجملاً ہوا۔اور جنکے متعلق ہشت بہشت میں پایا جانا کہا گیا اُن امور کی تفصیل و تمثیل مثنوی ہشت بہشت کے اشعار لیکر کر دیجاے۔ہر چند مثنوی ہفت پیکر مولانا نظامی کے ساتھ ساتھ اگر اشعار کی خوبی بیان کی جاتی تو لطف مزید حاصل ہوتا۔لیکن یہاں صرف خسرو

کی شاعری کا کمال دکھانا ہے کہ اِس کتاب میں آپ نے کہاں تک قادرالکلامی کی داد دی ہے اور مثنوی کا حق کس حد تک ادا کیا۔ رہا حضرت نظامی کی ہفت پیکر سے مقابلہ اُس کا بیان آیندہ آئیگا اگرچہ خسرو جیسے باکمال و جامع شاعر کے کمال شاعری کا اظہار مجھ جیسے بے بضاعت کے لئے درخور حوصلہ نہیں ہوسکتا ؎

دامانِ نگہ تنگ وگل حسنِ تو بسیار
گلچینِ بہار تو زداماں گلہ دارد

مگر محض بخیال امتثال امر جابجا سے گلہاے مضامین لیکر ایک گلدستہ طیار کیا جاتا ہے خدا اسے مقبولیت عطا فرماے ؎

الٰہی رنگِ تاثیرے کرامت کن فغانم را
بموجِ اشکِ بلبل آب دہ تیغ زبانم را

مثنوی ہشت بہشت کے قصّے

جو قصہ کہ اِس مثنوی میں منظوم ہوا ہے وہ بہرام گور شاہ ایران کی عیش پرستی کا ہے مولنا نظامی نے بھی اسی داستان کو ہفت پیکر میں بیان کیا ہے۔ بہرام گور کے متعلق تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس نے دیار عرب میں تربیت پائی تھی اور عربوں ہی کی گود میں اس کا نشو و نما ہوا تھا۔ بہادر تھا شجاع تھا صید و شکار کا شوقین تھا لیکن طبیعت عیاشانہ پائی تھی جس پر ایران کی آب ہوا سے بہار رچھا گئی تھی۔ اہل روم سے اُس کے کئی معرکہ ہوئے۔ میدان مصاف کی بارہا گرماگرمی نے اُس کے جوہر شجاعت کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ ہندوستان سے اُس کا تعلق تھا

چنانچہ ہندوستان کی ایک عورت اُس کے پاس تھی جس کے شمع حسن کا وہ پروانہ تھا۔ یہی عورت اُس کے ساتھ صید و شکار میں بھی رہتی تھی اور غالباً یہی دلارام ہے۔ شکار کا شوقین تو تھا ہی اتفاقاً ایک روز کسی گورخر کا تعاقب کرتے ہوئے ایک کوئیں میں آرہا اور اوسی جگہہ خود موت کا شکار ہو گیا۔ تاریخ میں بہرام کے متعلق جو کچھ ہے اوس کا خلاصہ اسی قدر ہے۔

مولانا نظامی نے ہفت پیکر میں چند ابواب خسرو سے زیادہ قائم کئے ہیں جن میں خاقان چین سے بہرام کی جنگ و فتح کا ذکر ہے کہیں اُس کے شیر مارنے کی تعریف کہیں اُس کے اژدہا مارنے میں بہادری کا تذکرہ۔ کچھ وہ واقعات ہیں جو اُسے مالک تخت و تاج ہونے میں پیش آئے ہیں غرض چھوٹے چھوٹے پندرہ بیس عنوان انہیں جزئیات میں ہیں۔ پھر اُن کے ذیل میں کہیں کوئی حکایت آجاتی ہے اور کہیں کوئی تمثیل۔ ان عنوانوں کے علاوہ وہ سارے ابواب ہفت پیکر میں موجود ہیں جو ہشت بہشت میں ہیں صرف مدح شیخ کا ایک عنوان (جیسا کہ عموماً خسرو کی مثنویوں میں ہوا کرتا ہے) اس مثنوی میں بھی موجود ہے ہفت پیکر میں نصیحت کا مخاطب بیٹا ہے اور ہشت بہشت میں بیٹی باقی تمام بیان ایک ہیں خسرو کی کتاب ہشت بہشت میں حسب ذیل اکیس ابواب ہیں۔

حمد[1]۔ نعت[2]۔ معراج[3]۔ تعریف[4] بادشاہ۔ خطاب[5] بسوے بادشاہ۔ سبب[6] تالیف نصیحت[7] بدختر۔ صفت[8] دلارام و شکار[9] بہرام۔ رنجیدن[10] بہرام و گذاشتن دلارام

آراستہ[11] شدن محل بہرام۔ گنبد[12] مشکیں۔ گنبد[13] زعفرانی۔ گنبد[14] ریحانی۔ گنبد[15] گلناری گنبد[16] بنفشی۔ گنبد[17] صندلی۔ گنبد[18] کافوری۔ وفات[19] بہرام۔ خاتمہ[20] شکرگزاری[21] حق تعالیٰ۔ خسرو علیہ الرحمۃ بہرام گور کی داستان اِس طرح شروع فرماتے ہیں کہ بہرام کو گورخر کے شکار کا بہت ہی شوق تھا سوائے اُس کی ران کے اور کسی طرح کا گوشت پسند نہیں کرتا تھا۔ بغیر شکار گورخر اُسے چین نہیں پڑتا تھا۔

دلارام اوس کی معشوقہ ساتھ ہوتی تھی ایک روز کسی خلاف طبع امر پر خفا ہو کر بہرام نے اوس کو جنگل میں چھوڑ دیا۔ دلارام ایک گاؤں میں پہونچکر نغمہ سرائی سیکھتی ہے اور اوس کمال کی وساطت سے پھر بہرام کی معشوقہ بنتی ہے۔

بہرام کے وزیر دانا نے جب بہرام کا انہماک صید و شکار میں حد سے زیادہ دیکھا تو اوس نے اوس کے لئے ایک قصر عالیشان بنوایا۔ جس میں سات گنبد تھے گنبد کی رونق کا سامان یہ کیا کہ ہفت اقلیم کے بادشاہوں کے پاس عاقل و مدبّر اشخاص شاہانہ تحائف کے ساتھ بھیجے اور اون سلاطین سے بہرام کے لئے اون کی لڑکیوں کی استدعا کی۔ قاصد کامیاب واپس آئے۔ ہر اقلیم کی شاہزادی ساتھ ساتھ لائے۔

وزیر نے ایک ایک گنبد میں ایک ایک شاہزادی کو جگہ دی۔ بہرام ہر رات ایک شاہزادی کے ساتھ ہم خواب ہوتا ہے۔ نیند آنے کے لئے شاہزادی سے کسی قصّہ کی فرمایش کرتا ہے وہ شاہزادی معذرت کرتے ہوئے پہلے

بہرام کو دعائیں دیتی ہے پھر قصہ شروع کرتی ہے اِس طرح اس میں سات قصے ہیں۔

ہر گنبد کا رنگ جداگانہ ہے جو شاہزادی جس گنبد میں ہے اوس کا لباس بھی گنبد ہی کے رنگ کا ہے۔ خود بہرام کا لباس بھی گنبد کی رعایت سے ہر شب نئے رنگ کا ہوتا ہے۔

جس روز جس گنبد میں جاتا ہے اوس میں ستارہ کے رنگ کا بھی لحاظ ہے اہل نجوم کے یہاں سبع سیّارگان اپنا اپنا رنگ خاص رکھتے ہیں۔ کوئی سیاہ ہے کوئی سرخ۔ کوئی سبز اور ہفتہ کے ہر سات ایام یعنی شنبہ، یکشنبہ وغیرہ اونھیں سیّاروں سے اپنا اپنا علاقہ رکھتے ہیں۔ غرض گنبد کے رنگ کی مناسبت کہیں نہیں چھوڑی گئی ہے آخر کار بہرام کا گورخر کے شکار میں ایک کوئیں میں گر کر مر جانا ہے اور داستان کا خاتمہ ہے۔

مولٰنا نظامی نے بھی ان سارے واقعات کو بعینہ بیان فرمایا ہے لیکن وہ سات قصے جو شاہزادیوں نے کہے ہیں وہ دونوں کتابوں میں جدا جدا ہیں۔

خسرو کے قصص سب اون کی قوت متخیلہ کے نتیجے ہیں۔ قصّے فرضی ہیں لیکن اسلوب بیان ایسا ہے جس سے فرضی واقعی معلوم ہوتا ہے برخلاف اسکے مولٰنا نظامی کے یہاں اسرائیلیات بھی داخل ہیں جن کے ہونے سے نہونا اچھا تھا۔

مولانا نظامی کے یہاں اثنائے قصے میں نصائح کا سلسلہ بھی آجاتا ہے جس سے کہیں کہیں داستان کا تسلسل جاتا رہتا ہے لیکن خسرو کے یہاں کوئی ایسا مضمون بیچ میں نہیں آتا ہے جس سے تسلسل میں کہیں بھی ربط جاتا رہے

داستان گوئی بجائے خود ایک بڑا فن ہے لیکن ہر عہد میں اس کا خاص طریقہ رہا ہے اوس زمانے میں اکثر قصے طلسم و جادو و دیگر وہمیات سے کامل ہوا کرتے تھے۔ اس زمانے میں قصہ و داستان کا جو مذاق ہے اوس کو اب سے چھ سو برس قبل تلاش کرنا فضول ہے یہ تو اپنے اپنے زمانے کا مذاق ہی اوس عہد اور اوس دور ایّام میں قصص جسقدر محال و دور از عقل ہوتے سامع کی دلچسپی اوسی قدر زیادہ ہوتی۔

ہفت پیکر کے قصص اسرائیلیات کے سوا جو ہیں اوس عہد کی قصہ خوانی کے وہ صحیح نمونے ہیں خسرو علیہ الرحمۃ نے ہشت بہشت کے قصص کو دائرہ امکان میں لانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ قصے ایسے دلچسپ لکھے ہیں اور جزئی سے جزئی باتوں کو بھی اس تفصیل سے بیان کیا ہے کہ یہ قصے جیسے کہ خسرو کے زمانہ سے میں دلچسپ تھے آج بھی اون کی وہی دلچسپی ہے۔

ہشت بہشت کے بعض قصے مغرب کے داستان نگاروں نے بھی پسند کئے اور اون کا ترجمہ انگریزی میں شائع کیا مثلاً بہشت دوم کا جو قصہ ہے وہ انگریزی فسانوں میں بھی موجود ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح

خسرو کی شاعری بلند پایہ رکھتی ہے اوسی طرح داستان نگاری اور اُسکی تکمیل و ترتیب میں بھی اونھیں کمال ہے۔

حمد باری تعالیٰ کی حمد میں شاعر عموماً اسماے حسنیٰ اور صفات الٰہیہ کی توضیح کیا کرتا ہے۔ اپنی قوت شاعری سے مضمون کو پھیلا کر اور طرح طرح کے نکات بیان کرکے داد سخن دیتا ہے۔ اب خوبی و کمال اس میں یہ ہے کہ حمد کا مضمون صفائی و چستی کے ساتھ اِس طرح بیان کیا جائے کہ قریب الفہم ہو اور سخن گذاری کا پیرایہ موثر ہو۔ ساتھ ہی اس کے کوئی تلمیح یا نکتہ تعبیہ رکھکر اہل علم کے لیے ضیافت کا خوان بچھایا جائے تو نورٌ علیٰ نور۔

قدرت کا بیان

اِس وقت مثنوی مذکور کی حمد میں سے اسی قسم کے چند اشعار لیکر اون کی توضیح کی جاتی ہے خسرو اوس قادر مطلق کی قدرت کاملہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

هر چہ نتواں زپادشاہی کرد — کردی و بیکسی و خواہی کرد

سطوت وجلالت قوت وطاقت شاہی سب کو معلوم ہے۔ ان چیزوں کا ایک ناقص وادنیٰ نمونہ جب چند دنوں کے لئے کسی کو سلطان ذیجاہ بناتا ہے تو تنک ظرفی کے سبب کاسۂ پر غرور میں ایسا سودا سماجاتا ہے کہ دائرہ امکان و حدوث سے قدم باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ دیگر ابناے آدم اپنے ضعف و کمزوری سے اوس کے غرور و پندار کو امر واقعی تسلیم کرکے اوس خیال باطل کو اور بھی راسخ

کردیتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے اور واقعات اس وقت تک اوس کی تصدیق کرتے ہیں کہ تھوڑیسی قوت و قدرت جہاں انسان کو عطا ہوئی بس اوس نے خدائی کا دعویٰ کرکے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلیٰ کا علم بلند کیا۔ رعایا و برایا اپنی بدعقلی و کم فہمی کا ثبوت دیتے ہوے اوس کی خدائی کا اقرار کرنے والے بھی ہوئے۔

عہد عتیق میں نمرود کا حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے مناظرہ کرنا اس کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ احیا و امانت کی حقیقت سے ناآشنا و جاہل اپنے زعم باطل کے بموجب کہہ ہی اوٹھا کہ اَنَا اُحْیِیْ وَاُمِیْتُ حضرت ابراہیم خلیل نے بحث کا پہلو بدلکر یوں تقریر فرمائی اِنَّ اللّٰہَ یَأْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ یعنی اللہ تعالیٰ سورج کو پورب سے نکالا کرتا ہے تو اوسے پچھم سے نکال۔ اِس کا معارضہ وہ نہ کرسکا اور مبہوت ہوکر رہگیا۔

اگر خسرو اللہ تعالیٰ کے اوصاف بادشاہی کو پورے زور کے ساتھ چند ابیات میں بیان بھی کرتے تو یہ شان ظاہر نہو سکتی تھی اور منکر کو بھی کج بحثی کا موقع رہ سکتا تھا اب اس ایک شعر کی بلاغت قابل ہزار داد ہے۔ کس خوبی سے نمرود کے پورے واقعہ کی تلمیح موجود ہے اور کیسی مُسکت دلیل سے مخلوق پرستوں کی لب بندی کی ہے سلطنت کی قوت و قدرت تسلیم کرتے ہوے اوس کی ہمقداری اور ایک محدود دائرہ تک محدود زمانہ کے لئے اوس کا اثر کس طرح ثابت کیا ہے۔ اوس پر ایک چھوٹے سے مصرعہ "کردی ومیکنی و خواہی کرد" نے ازمنۂ ثلثہ کا احاطہ کرکے ازل سے ابد

تک اوس کی قدرت کا اظہار کر دیا جس کا دعویٰ تو کسی سے ہو بھی نہیں سکتا ہے

کمال صنعت

حرفِ انگشت چوں زنست بشت   کس بحرفِ تو چوں نہد انگشت

وسوسہ شیطانی منکر الٰہ سے صنعت باری میں عیب جوئی کرانا چاہتا ہے۔ خسرو نے ایک ہی دلپذیر شعر میں یہ بتا دیا ہے کہ جن قوا و اعضا سے کہ تم اس بے ادبی کا ارتکاب کیا چاہتے ہو وہ بھی اوسی کی مخلوق ہے۔ اُسی کے حکم نے ایک مدت معینہ تک اون کو تمہارا مطیع بنا رکھا ہے جن انگلیوں سے اپنے زعم باطل میں تم اوس کے عیوب کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہو آخر یہ تمہاری مخلوق و پیدا کردہ تو ہیں نہیں ان میں احساس و حرکت کی قوت تمہاری خلق کردہ تو ہے نہیں پھر ایسا کرنا کیا سخت کفران نعمت نہ ہوگا۔ کمال صنعت الٰہی کے بیان کرنے کا کیسا موثر پیرایہ ہے۔

ایجاد و انعدام

تو نگاری زخاک صورت پاک   تو توانیش باز کردن خاک

صانع کا کمال یہ ہے کہ جس طرح بنانے پر قادر ہو اوسی طرح بگاڑنے پر بھی قدرت رکھتا ہو۔ یوں تو اس عالم کون و فساد میں پہاڑ سورج چاند وغیرہ بہت سی بڑی بڑی چیزیں ہیں جن کے متعلق قدرت کا اظہار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ان چیزوں کا نیست کرنا جب ہوگا تب ہوگا۔ یہ چیزیں کن کن عناصر سے مرکب ہو کر رونق

بخش عالم ہوئی ہیں یہ تحقیق جب ہوگی تب ہوگی۔ مگر خاک سے پاکیزہ صورتوں کا پیدا ہونا اور چند روز تک اپنی بہار دکھا کر ایک غیر محسوس طریق پر نیست ہوجانا تو رات دن کا مشاہدہ ہے اور یہ عبرت کے لئے زود اثر ہے باعتبار دور کی چیزوں کے۔ اپنے اور اپنے سے قریب کی چیزوں میں غور و فکر کرنا زیادہ مناسب ہے ؎

احسان مانو حسن خداداد کا بتو   پتھر تھے تمکو شیشے سے نازک بنا دیا

وفی انفسکم افلا تبصرون انسان کی پیدایش خاک سے ہے۔ گل بوٹے بھی خاک ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ سے کچھ ہو کر پھر خاک ہوجاتے ہیں۔ قیاس خطابی کا ایک عظیم دفتر صرف ایک شعر میں موجود ہے۔ نبات حیوان انسان ان کی بدایۃ ونہایۃ ان کا عروج ونزول ان کا عود الی المرجع ذرا چشم بصیرت سے اگر مطالعہ کیا جاے اور پھر یہ شعر پڑھا جاے تو شاعر کی قادرالکلامی کا پورا لطف حاصل ہو

ترغیب طاعت اور انعام الٰہی

بندگاں را زبندگی شب و روز   خواجگی بخش و بندگی آموز

بندگی سے خواجگی کیونکر حاصل ہوسکتی ہے اس کو تو وہی سمجھیگا جس نے عبودیت کا مزہ چکھا ہوگا ؎

دو کارست با فرد فرخندگی   خداوندی از تو زما بندگی

خسرو نے اِس شعر میں بندگی وعبادت کی ترغیب جس دل آویز پیرایہ میں بیان کی ہے اوس کا لطف تو ارباب ذوق سلیم ہی پا سکتے ہیں۔ لیکن الفاظ

جہاں تک مدد کر سکتے ہیں وہ گزارش ہے۔ غور کیجئے وہ کونسا دل ہے جس میں خواجگی و سرداری کی تمنا نہیں۔ انسان تمام عمر جس کے حاصل کرنے میں سرگرداں و پریشان رہتا ہے وہ ہی خواجگی ہے اور غلط راہ روی کے سبب سے اکثر و بیشتر فرزند آدم صحیح معنوں میں خواجگی پانے سے محروم رہے اور رہتے ہیں پس امیر صاحب کا حمد میں یہ فرمانا کہ یہ بھی تیری شان کریمی کا صدقہ ہے جو بندوں کو بندگی سکھا کر تو خواجگی بخشتا ہے جہاں ایک پاکیزہ الفاظ میں حمد الٰہی و ذکر نعمت جلیلہ ہے اوسی کے ضمن میں بندوں کو بندگی کی رغبت اور صحیح راہ خواجگی کی طرف رہبری بھی ہے ؎

خلاص حافظ ازاں زلف تابدار مباد　　　که بستگان کمند تو رستگارانند

نعت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف میں شعرا نے عجیب و غریب لطائف پیدا کئے ہیں۔ آپ کے معجزات آپ کے فضائل و کمالات کا شاعرانہ انداز سے بیان کرنا ہر ایک سخنور کے لئے تاج کرامت رہا ہے۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے اس میں بھی جو جدّت پیدا کی ہے وہ تمام متاخرین کے گلدستہ نعت میں گل سرسبد ہے۔ چند اشعار اس کے ملاحظہ ہوں۔

میم کا نکتہ

میم احمد کہ در احد غرق ست　　　کمر خدمت از پئے فرق ست

احمد اندر احد کمر بند ست　　　یعنی از بندہ آں خداوند ست

احمدؐ یا محمدؐ صلی اللہ وآلہ وسلم کی میم سے شاعروں نے بعد امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے طرح طرح کے نکات پیدا کئے۔ جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

محمدؐ کشش قلم چون نامور ساخت ز میمش حلقۂ طوق و کمر ساخت

خود امیر صاحب دوسری جگہ ایک اور طرز سے نکتہ سرا ہوئے ہیں ؎

میم احمدؐ را گزیدہ بعد ازاں خاتمِ مہرِ نبوّت ساختہ

ان سب نکات سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرداری و سروری کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے لیکن یہ نکتہ کہ آپ بندہ ہیں اس کی طرف یہ میم کیونکر اشارہ کرتی ہے اس کو امیر صاحب نے دکھایا ؎

تہی دست سلطان پشمینہ پوش گدائی خرد بادشائی فروش

جس طرح خسرو سے پیشتر کسی شاعر نے میم کے نکتہ کو بیان نہ کیا۔ اوسی طرح امیر صاحب سے بعد کے شعرا اس سے بہتر یا اس کے برابر نکتہ پیدا نہ کرسکے۔

انا من نور اللہ والخلق کلّھم من نوری

پایۂ قدرش آسمان پیوند سایۂ نورش آفتاب بلند

ایک حدیث شریف میں وارد ہے لَمْ یَکُنْ لَہٗ ظِلٌّ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ دوسری حدیث حضرت جابر سے یوں منقول ہے یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ قَبْلَ کُلِّ الْاَشْیَاءِ یعنی مرتبہ ایجاد میں اولیت نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اور تیسری حدیث اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْخَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ

نُوری یعنی میں نورِ الٰہی سے منوّر ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے مستنیر ہے ان حدیثوں کی تلمیح اس شعر میں جس طرح واقع ہوئی ہے وہ امیر صاحب کے صاحب فن ہونے کی دلیل ہے مطلب شعر کا نہایت واضح ہے کہ آفتاب وغیرہ جتنی منور اشیا ہیں سب آپ کی ذات پر انوار سے اکتساب ضیا کرتے ہیں ؎

اوست خور و صبح و بیست آفتاب　　　صبح ز خورشید بود نور یاب

اس بنا بر آفتاب آپ کے نور کا سایہ ٹھیرا۔ تو جب سایہ آفتاب کے نور سے پیدا ہوتا ہے اور آفتاب خود سایہ آپ کے نور کا ہے تو آپ کا سایہ کہاں سے آئے آفتاب بلند میں ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ ہر چیز کا سایہ زمین پر گرتا ہے لیکن آپ کا سایہ اوپر ہے پس اوس کو کوئی زمین پر کیونکر دیکھے۔ اس سے ایک لطیف اشارہ علو مرتبہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی ہے یعنی اگر آپ کا سایہ دیکھنا چاہتے ہو تو نظر کو بلند کرو۔ جب فلک چہارم تک نظر کی رسائی ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھنے میں آئے۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ آفتاب باوجود اس کے کہ فلک چہارم پر ہے لیکن اپنی روشنی و گرمی سے عالم سفلی کو فیض پہونچا رہا ہے۔ اسی طرح وہ ذات گرامی باوجود اوس شان و عظمت کے جو خالق نے اوسے عطا فرمائی ہے تمام عالم علوی و سفلی کو جو اوس سے بدرجہا ادون و پست ہیں نعمتوں سے مالا مال فرما رہی ہے۔

ہستی از وے علم بر آوردہ　　او تفاخر بہ نیستی کردہ

نعت میں اس شعر کا خسرو علیہ الرحمۃ کے قلم سے نکلنا مبدء فیاض کے فیض خاص کا نتیجہ ہے۔ فی الحقیقت کمال بندگی یہی ہے کہ بندہ اپنے کو معبود حقیقی کے مقابل میں نیست سمجھے۔

ع باوجودت زمن آواز نیاید کہ منم۔ اور کمال عشق بھی یہی ہے کہ عاشق معشوق کے مقابل میں فنا ہو جائے ع زندہ معشوق ست عاشق مردۂ۔ پس بمضمون لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ اگرچہ باعث وجود کل کائنات آپ ہی ٹھیرے لیکن چونکہ آپ کا دنیا میں تشریف لانا رشتۂ عبدیت و معبودیت کو صحیح اور سچے طریقہ سے جوڑنا تھا اور عبدیت اوس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک فنائے کلی کا مرتبہ حاصل نہو۔ ان باتوں کا لحاظ کرتے ہوے، امیر صاحب کا نعت میں یہ فرمانا کہ "او تفاخر بہ نیستی کردہ" کیسا بلیغ و پر معنی مصرعہ ہے۔ صاحب معرفت کے لئے دوسرا نکتہ یہ بھی ہے کہ اعلیٰ مرتبہ اوسی وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ مرتبہ ادنیٰ فنا ہو جاے۔ مثلاً علقہ یعنی وہ کیڑا جس سے انسان پیدا ہوتا ہے اوس کی اپنی صورت نوعیہ جب فنا ہوئی تو اوس سے ایک اعلیٰ صورت انسانی کا اوسپر فیضان ہوا۔ طفل شیر خوار کا ہر روزہ نمو اسی کا مشعر ہے۔ کہ ادون کے فنا سے اعلیٰ کا حصول ہے

پس درآور کارگہ نیستی عدم　　تا بہ بینی صنع و صانع را بہم

اس لئے وجہ تفاخر ظاہر۔لیکن یہ ایک صوفیانہ رمز ہے۔اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جسے شیخ نے فنا کے مراتب طے کرا کے نیست و نیستی کی لذت سے آشنا کیا ہو فقد بر و تشکر۔

منقبت اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین

دوستانِ دگر گزاں جمعند صبح را نور و شام را شمعند

صبح کی روشنی آفتاب سے ہے۔اِس لئے اصحاب رضی اللہ عنہم آفتاب ٹھیرے۔صبح کے لئے نور اور شام کے لئے شمع مناسب رعایت ہے اس منقبت میں نکتہ یہ ہے کہ دن کا وقت کاروبار کے لئے ہے اور رات کا وقت عبادت کے لئے زیادہ مناسب کیونکہ یکسوئی خوب ہوتی ہے۔پس امت دن کو کاروبار میں اور رات کو عبادت میں اون سے ہدایت پاتی ہے۔دین و دنیا کے لئے اصحاب کا مقتدا ہونا رات دن کی رونق بلکہ اُن کے بقائے وجود کا سبب اون نفوس قدسیہ کے فیضان کو قرار دینا اصحاب کی عظمت اور تعلیم محمدی کی جامعیت و اہمیت کو بتاتا ہے۔صرف ایک شعر میں اصحاب کرام کی سیر کن منقبت لکھنا امیر صاحب ہی کا کام ہے۔

مدح شیخ طریقت

حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ میں جو حق شناسی و سپاس گذاری کا جوہر ودیعت کیا گیا تھا اوس کی چمک آپ کی تصانیف میں لعلِ شب چراغ ہے اسی بنا پر آپ کی مثنویوں میں ایک عنوان مستقل مدح شیخ طریقت کا ہر مثنوی نگار سے زیادہ ہے جس سے مقصود اظہار امتنان

وتشکر ہے۔

پیر کی مدح میں فرطِ محبت دائرہ اعتدال سے اکثر کو باہر کردیتی ہے۔مناقب و مدائح کا مطالعہ کرو تو اکثر ایسا پاؤ گے کہ اگر ممدوح کا نام نہ لیا جاے تو مناقب کبھی تو نعت سے اور کبھی حمد سے ٹکر کھا جاتے ہیں بادشاہوں کی مدح میں رؤسا وارا کین دولت کی شان میں جو قصائد لکھے گئے ہیں (اور خاصکر متاخرین کے قصائد) اُن میں اسی سقم نے کلام کو بے جان کردیا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ میں یہ کمال ہے کہ اون کی طبع سلیم سرمو دائرہ ادب سے تجاوز نہیں کرتی جیسا کہ حمد نعت منقبت ہر ایک کے لئے الفاظ خاص ہیں اور ہر ایک کے مراتب خاص ویسا ہی اس کا نمایاں فرق کلام خسرو کی ممتاز خصوصیت ہے اور یہی بیان کا کمال ہے ورنہ اگر خصوصیت اوٹھا دی جاے تو پھر کیا باقی رہ جاتا ہے۔غرض شیخ طریقت کی مدح میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ حفظ مراتب کا بے مثل درس ہے اور کمال ولایت کا اظہار جن اوصاف سے کیا ہے وہ ولی شناسی کا حقیقی وصحیح معیار۔ تمہید منقبت کو دیکھو کس طرح ادب سے مزیّن ہے ؎

چوں من از خوانِ نعمتِ خواجہٴ خویش	نعمتِ تازہ یافتم در پیش
زلہ کردم ازاں رقاتے چند	تا کنم توشہٴ ابد پیوند
گندمی بود زلہ آدم را	خوانچہ نیز بود مریم را
زلہٴ کز رسولِ والا بود	نہ کم از آدم و مسیحا بود

کنم اکنوں ازاں نعیمِ جلال　　خوانچہ مدحِ شیخ مالا مال

تمہید میں پاسِ ادب دیکھ چکے۔ اب بیان مدح میں ایک ولی کی کس کمال پر مدح ہو سکتی ہے اس کو ان مدحیہ اشعار میں دیکھو۔

رہنما کی تعریف اور وصی کی شناخت

غوث عالم نظام ملّت و دیں　　قطب ہفت آسمان و ہفت زمیں

رہبرِ پیش ہیں محمد نام　　زدہ پے بر پئے محمد گام

پاک روح اللہی بدینِ قوی　　زندہ دار شریعت نبوی

سبحان اللہ وجزاہ اللہ اپنے قلم میں وہ قوت کہاں سے لاؤں جس سے ان اشعار کی خوبی اس طرح صفحہ قرطاس پر کھنچ جائے کہ محاسن کا ہر خط و خال سامنے آجائے بہر حال دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ کمال رہبری کا کیسا انتہا کرتا ہے ارباب عقل کا یہ فیصلہ ہے۔ کہ رہبر کی تین قسمیں ہیں ایک وہ باکمال جسے منزل مقصود کی راہیں معلوم دشواریوں پر اطلاع خطرات و مہالک سے واقفیت اور تدابیر کا عالم جن سے خطرات و موانع کا اثر نہ آنے پائے ایسا رہبر اپنے علم و بصیرت سے رہبری کرتا ہوا خطرات و مہالک سے بچاتا ہوا موانع کو ہٹاتا ہوا اپنے پیچھے آنے والوں کو سلامتی کے ساتھ کے مقاصد تک پہونچا دیتا ہے۔ جیسا ایک ماہر ناخدا کہ وہ سمندر کی راہوں سے واقف مقام خطر سے آگاہ۔ مہالک سے بچ کر نکل جانے کی راہ سے بھی معلوم۔

دوسرا وہ ناقص رہبر جسے نہ راہ معلوم نہ خطرات کا علم لیکن ہر طرح کے خطرات پر غالب آنے کی قوت اوسے حاصل۔

تیسرا وہ مدعی باطل کہ نہ راہ کی خبر نہ دشواریوں کا علم نہ اون کے اندفاع کی قدرت نہ مقصد کا تعین۔

ان اقسام ثلثہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مصرعہ کو پھر پڑھو ع

رہبر پیش بین محمد نام

رہبر کی صفت پیش بین کیسی واقع ہوئی ہے اور منازل سلوک طے کرانے پر اوس کی کیسی قوت کا اظہار ہے اب دوسرا مصرعہ پڑھو جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ صفت اوس رہبر کو کیونکر حاصل ہوئی۔ اور اوس کی رہبری حتمی منزل رساں کیوں ہے۔ ع

زن پے بر پے محمد گام

جس کا قدم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہو اوس کی رہبری حتمی منزل رساں کیوں نہ ہو۔

اب تیسرے شعر کو دیکھیے جس حدیث کی تلمیح ہے اوس کے بیان کا کہاں موقع ہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ حقیقی تصوف و صحیح فقر متقر شریعت سے لذت آشنا ہونا اور سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیکر مجسم بن جانا ہے امت کا کمال ہی یہ ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوس کا شعار ہو جاتا۔

بن جائے جسقدر امت کا اتباع کامل اوسی قدر اوس کی توحید مضبوط مفہوم الوہیت صحیح عرفان کامل۔ حق جل مجدہ کی محبت سچی و واقعی قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

مثنوی نگار کا یہ کمال ہے کہ جس شے کی تعریف کر رہا ہو اُس کے بیان توصیف کے لئے ایسے الفاظ لائے جو اوس کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہوں اور یہ اوس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک بیان کرنے والے کا علم خود اوس کے تمام رموز و نکات سے آشنا نہو۔

یہ کمال خسرو علیہ الرحمۃ کے بیان میں ہر جگہہ نمایاں پاؤ گے جس کی ایک کھُلی مثال اشعار مذکورہ ہیں۔

کیمیا سنجِ کورۂ مقصود کردہ حل جملہ نقد ہائے وجود
دلش از عشق خون و دیدہ پرآب ایں ست کبریتِ احمر آں سیماب

کمال عشق اور قوت تکمیل

سالک کا سلوک ابتدا میں لازم ہوتا ہے پھر ایک مقام و وقت ایسا آتا ہے جہاں پہونچکر وہ اپنے منازل عروج بھی طے کرتا رہتا ہے اور دوسروں کی بھی دستگیری و رہبری کرتا ہے یعنی اپنی ذات سے کامل اور دوسروں کے لئے مکمل۔ جیسا کہ علوم متداولہ پڑھنے والے ابتدا میں پڑھنا شروع کرتے ہیں اور پھر ایک خاص استعداد علمیہ جسے فراغ تحصیل سے تعبیر کیا جاتا ہے جب انھیں

حاصل ہو جاتی ہے تو اپنی تحصیل و ترقی کے ساتھ دوسروں کے جہل مٹانے اور اُنپر نقش علم جمانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

ان اشعار میں شیخ کے وجود کو کامل و مکمل جن بلیغ استعاروں میں کہا ہے اوس پر غور کرو تو لذت عشق مزہ دے جاے گی۔ کورہ مقصود کا کیمیا سنج کہنا کیسا نادر نکتہ ہے۔ کیمیا گر کیا کرتا ہے مس یعنی تانبا لیتا ہے اوس کو صاف کرتا اور گلاتا ہے جب اوس کے کثیف وردی اجزا گل کر خاکستر ہو جاتے ہیں اور قابلیت طلا کی طرف مستحل ہونے کی پیدا ہو جاتی ہے تو اُس وقت اجزاے کیمیاوی ڈال کر کندن بنا دیتا ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ اپنے پیر دستگیر شیخ طریقت (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کے کامل و مکمل ہونے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ مقاصد میں جو اغراض فاسد و ہواے نفسانیہ کی آمیزش ہو گئی ہے جس سے حقیقی مقصد نہاں ہو گیا ہے اور جس تک پہونچنا اصل کمال ہے یہ مجسمہ کمال و تکمیل پہلے اوسے غل و غش سے پاک کرتا ہے یہاں تک کہ مقصد حقیقی کی دلکش تصویر متعین و مشہود ہو جاتی ہے۔ اب کہ اوس میں قابلیت پیدا ہو جاتی ہے تو اجزاے کیمیاوی کبریت احمر اور سیماب جو اوس کے پاس ہیں اون کا ایک ذرہ اوس میں ڈالکر خالص طلا بنا دیتا ہے۔

اِس کیمیا سنجی کے لئے جسے اجزاے کیمیاوی قرار دیا ہے اوس کی خوبی ایک

اہل دل ہی سمجھ سکتا ہے کبریت احمر یعنی گوگرد سرخ طلا کے لئے اکسیر ہے اسی طرح عشق حقیقی عاشق کی روحی ترقیات کے لئے اکسیر ہے علاوہ اس کے عشق کی آگ مشہور ہے خود گوگرد بھی آتش انگیز چیز ہے پس جو دل کہ عشق کے باعث خون ہو گیا ہی اوس کی تشبیہ عبارت صوری و معنوی کبریت احمر کے ساتھ نہایت نادر تشبیہ ہے۔ دوسری تشبیہ اس شعر میں اشک کی سیماب سے ہے اشک کو قرار نہیں ہوتا روکو تو رک نہیں سکتا ع

ابھی روکا تھا ان اشکوں کو پھر باہر نکل آئے

سیماب کی بے قراری ضرب المثل ہے نیز کشتۂ سیماب اکسیر ہے عشق کی رعایت سے اوس کے سب لوازم جمع ہو گئے کیمیا گری کا بھی نسخہ ہاتھ آگیا عشق الٰہی سے دلکو سوختہ کرو کیمیا کا یہ بے خطا نسخہ ہے ؎

سیماب کشتہ ہوئے تو مس کو طلا کرے — دل جس کا کشتہ ہو وہ خدا جانے کیا کرے

برادران طریقت کی مدح

داں مریدانِ رہروانِ یقیں — ہر یکے والئے ولایتِ دیں
ہمہ شیطاں کش و فرشتہ خدم — در رہش بر ہوا نہادہ قدم
زندہ دارِ شب از دمِ تسبیح — غلغل افگندہ در رواقِ مسیح
ہر سوا زشین شرع ساختہ تاج — دلِ شاں عرش و سجدہ شاں معراج

ان اشعار میں اپنے برادران طریقت کی خسرو علیہ الرحمۃ نے مدح فرمائی ہی جو بالواسطہ

شیخ کی ہی مدح ہے۔ مرید کا کمال شیخ کے اثر فیض کا نتیجہ ہے پھر جس کمال کا اظہار ہے وہ وہی عبودیت شریعت کی پابندی، راتوں کی بیداری سجدہ میں نیازمندی وخاکساری۔ آخر شعر میں ان دو حدیثوں کی تلمیح کہ قلب المومن عرش اللہ اور الصلوٰۃ معراج المومنین۔

شیخ کی مدح ختم ہوئی خاتمہ پر جس تذلل وعجز کا اظہار مخلصانہ دعا میں فرمایا ہے وہ خاکساری وشکستگی، باہمی مودت واتحاد قلبی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

دعا اور باہمی اتحاد

ملکِ وحدت بنامِ ایشان ست　　　بندہ خسرو غلامِ ایشان ست

نامِ من زاں ستودہ کیشان باد　　　حشرِ من درمیانِ ایشاں باد

نصیحت بسلطان علاء الدین خلجی شعرا نے اپنے بادشاہ وقت کو نصیحت کی ہے خسرو نے بھی نصیحت کی ہے لیکن علاوہ اور نصیحتوں کے امیر خسرو نے بادشاہ وقت کو خود اس کے نفس سے ڈرایا ہے اور یہ ایک عجیب جامع و نادر نصیحت ہے شعرا عموماً بادشاہوں کو دشمنوں کے غلبہ سے مظلوموں کی آہ سے پرہیزگاروں کی بددعا سے غرور وتکبر کے نتائج بد اور از یں قبیل اور بلاؤں سے ڈراتے ہیں۔ شاہان سلف کے حالات سے عبرت گیری کی نصیحت کرتے ہیں لیکن یہ نصیحت کہ محافظ وپاسبان تو روپے کے بندے ہیں تم ہوشیاری کو اپنا پاسبان بناؤ اور آپ اپنے محافظ رہو کیہی بہترین حفاظت ہے۔ تمہاری

غفلت سے بڑھ کر کوئی تمہارا دشمن نہیں۔ اس کو وضاحت کے ساتھ خسرو نے بیان کیا ہے۔ امیر خسرو نے دیکھا کہ عیش و تنعم میں پڑکر جو غفلت پیدا ہوتی ہے یہی بدترین دشمن زوال سلطنت کا اصل باعث ہے۔ بادشاہ اگر غافل نہو تو پھر نہ مظلوموں کی آہ ہے نہ ابرار کی بددعا۔ اِس لئے بادشاہ کو اس اہم نکتہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں ؎

ورچہ کس نیست دشمنِ تنِ تو — غفلتِ تو بس ست دشمنِ تو
ورچہ صد پاسباں بود از پس — پاسِ تو بہ ز تو ندارد کس
برچنیں پایہ کاستواریِ تست — پاسبانِ تو ہوشیاری تست
پاسبانیکہ بہر مزد بود — پاسبان نے کہ سیم دزد بود

بادشاہ میں اگر دو صفتیں ہوں تو قیام سلطنت کے لئے کافی ہیں یعنی عدل اور شجاعت۔ عدل کو تو جیسا چاہئے اوروں نے بھی بیان کیا ہے لیکن بزدلی کے نتیجہ کو دکھا کر شجاعت کی ترغیب امیر خسرو جس خوش اسلوبی سے دیتے ہیں ملاحظہ ہو ؎

چوں درآئی بصفتِ تیغ زناں — از تزلزل کشیدہ دار عناں
لشکرے کز عدو فرار کند — چوں بسلطاں رسد قرار کند
لیکن ار شہ نعوذ باللہ تافت — کے فراہم شود صفے کہ شگافت
شاہ کوہے بود بسنگِ وقار — جنبش او قیامت آرد بار

آخر شعر میں اس نکتہ کو بھی ملاحظہ کیجیے کہ بادشاہ جب کوہ ہے اور میدان جنگ سے اوس کا بھاگنا قیامت تو قیامت کے روز جو کوہ کا حال ہوگا وہ معلوم ہے۔ جو نصیحتیں کہ خسرو نے علاء الدین کو کی ہیں اور جس بے جگری سے کی ہیں وہ خسرو کی حقانیت کا عجیب نمونہ ہیں علاء الدین خلجی کا عہد تاریخ میں پڑھو تو تمہیں معلوم ہو کہ کس جبروت کی یہ سلطنت کرتا تھا۔ یہ خسرو ہی کا کام ہے جنھوں نے ہر مثنوی میں نصیحت کی ہے اور اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ علاء الدین کی بدمستی کا ایک نمونہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

مغلوں کی شکست اور ظفر خاں کی موت علاء الدین کے لئے بہت ہی ازدیاد مسرت کا باعث ہوئی۔ مزید برآں مہمات ملکی تو بر تو بادشاہ کے حسب مراد ہونے لگیں جس سے علاء الدین آپے میں نہ رہا دیکھتا تھا کہ اقبال بڑھ بڑھ کر اوس کی قدم لے رہا ہے ہر طرف سے فتح نامے آ رہے ہیں ہر سال دو تین بیٹے مشکوے معلّی میں پیدا ہوتے ہیں سارے مصالح ملکی دل کے حسب خواہش سرانجام پا رہے ہیں خزانے ہیں کہ پے در پے پہونچ رہے ہیں روزانہ جواہر و مروارید طبلوں میں بھرے جا رہے ہیں فیل خانوں میں ہاتھی کھڑے جھوم رہے ہیں ستّر ہزار گھوڑے شہر کی پاے گاہ میں بندھے ہنہنا رہے ہیں ایک چھوڑ دو دو تین تین اقلیمیں زیر قدم ہیں۔

بادشاہ اس جاہ و حشم کو دیکھ دیکھ مست ہو رہا تھا۔ دور دور کی سوجھنے لگی تھی

اور نئی نئی تمنائیں بیچین کرنے لگی تھیں۔ ایسے ایسے سودے پکانے لگا جو کبھی
کسی سلطان کے دماغ میں ہرگز نہ سمائے تھے۔ نہایت مستی و بے خبری و غایت
رعونت و غفلت اور کثرت جہل و بلادت سے دست و پا گم کرکے ناممکنات و محالات
میں اندیشہ کرنے لگا ؎

دیکھنا کثرت بلا نوشی　　　کاسۂ آسماں ہے جام مرا

بے علم تو تھا ہی نہ لکھنا جانے نہ پڑھنا۔ مزاج کا بھی بدخو۔ طبیعت کا بھی سخت
دل کا بھی قسی جون جون دنیا زیادہ ملتی جاتی تھی اور مقصد برآتے تھے وہ اور
بھی بے خبر اور مدہوش ہوتا جاتا تھا خدا اور رسول سب کو بھول بیٹھا ؎

بام فلک پہ آدم خاکی کو لے اُڑا　　　آیا کبھی جو ران تلے بادپائے عیش

اپنی مجلسوں میں باربار کہنے لگا کہ مجھے دو مہمیں پیش آئی ہیں اون کی اودھیڑبن
میں لگا ہوا ہوں اوّل یہ کہ خداوند تعالیٰ نے جس طور سے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ
والتسلیم کو چار یار دیے تھے کہ اون کی قوت و شوکت سے وہ دین و شریعت جاری
ہوئی جس سے آپ کا نام نامی قیامت تک باقی رہے گا۔ اور آپ کے بعد جو
شخص اپنے کو مسلمان کہتا اور سمجھتا ہے وہ اپنے کو آپ کی اُمّت و ملت میں تصوّر
کرتا ہے اوسی طور سے اللہ تعالیٰ نے مجھکو بھی چار یار دیے ہیں ایک الغ خاں
دوسرا ظفر خاں، تیسرا نصرت خاں، چوتھا الپ خاں۔ ان کو میری دولت سے
بادشاہوں جیسی قوت و شوکت میسر ہوئی ہے اور یہ ایسے ہیں کہ اگر میں چاہوں

ان چاروں کی قوت سے ایک دوسرا دین و مذہب جاری کرسکتا ہوں اور میری اور میرے یاروں کی تلوار کے زور سے خلق وہ راہ و روش جس کو میں جاری کروں اختیار کرسکتی ہے۔ اور اس دین و مذہب سے میرے اور میرے یاروں کے نام جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے یاروں کے نام قیامت تک رہینگے رہ سکتے ہیں۔ پھر کیوں نہیں میں بھی ایک دین و مذہب نیا قایم کروں۔ غرض قیامت تک اپنا نام باقی رکھنے کے لیئے اسی طرح کے خیالات کفریہ اسکے دماغ میں چکر لگاتے اور حضار مجلس سے پوچھا کرتا کہ کس طرح سے ایسی بات کروں جس سے میرا نام قیامت تک رہ جائے اور جس چیز کو میں جاری کرجاؤں میرے بعد بھی خلق اس پر عمل کرتی رہے۔ دوسری مہم اس کی یہ تھی کہ سکندر وار جہانگیری کروں اور ربع مسکوں کو اپنے تصرف میں لاوے۔

وہ بات کر جو کبھی آسماں سے ہو نہ سکے ستم کیا تو بڑا تو نے افتخار کیا

دوسری مہم کا دیباچہ تو شروع بھی کر دیا تھا اپنے کو خطبہ و سکہ میں سکندر ثانی لکھوانے لگا تھا

بخت پر نخوت نہ کر اس کا نہیں کچھ اعتبار چار دن مہمان ہے دو روز ہے تم میں پائدار

اب ناظرین خود بھی غور کرلیں کہ ایسے بادشاہ کو دینداری، مسکین نوازی، ضعفاپروری، عدل گستری کی نصیحت کرنی خدا کا خوف دلانا، قیامت کی بازپرس کی طرف متوجہ کرنا کیا آسان ہے؟ اور طرفہ یہ کہ اسی بادشاہ کی سرکار میں جب کہ بحیثیت ملازم ہوں لیکن بادشاہوں کو نصیحت کرنی جس قدر خطرناک ہے وہ ظاہر ہے۔ ایاز قدر خود بشناس اس لیے آخر میں فرماتے ہیں

من کیم کت زنم زپند نفس دولت و بخت پند گوی تو بس

ہست بیدار گردنِ بیدار | ہمچو باراں برشے دریا بار
نسزد چرب گردنِ بادام | نہ حلاوت لبشیرہ دادن ام
لیکن آرد بحضرتِ شاہی | ہر کسے قدرِ خود ہوا خواہی
گر پذیری مزاحبت احسان ست | ور گزاری خود از درآسان ست

خلاصہ مطلب یہ ہی کہ آپ کو نصیحت کرنی حکمت بہ لقمان آموختن ہی۔ لیکن خیر خواہی سلطنت کی راہ سے میں نے اپنی عقل کے مطابق تحفۂ ناچیز پیش کیا ہی۔ آپ کریم ہیں قبول فرمائیں۔ نصیحت کے وقت مخاطب کے اوصاف کا بھی اعتراف کرنا اور یہ کہنا کہ آپ خود عاقل و فرزانہ ہیں۔ ہماری نصیحت کی ضرورت نہیں۔ میں تو ایک محقر تحفہ پیش کرتا ہوں یہ آپ کا کرم ہی کرم ہی کہ اُسے شرف قبول بخشیں۔ لہٰذا اور قبول نصیحت کے لیے اس سے زیادہ موثر پیرایہ نہیں ہو سکتا۔ قطع نظر اُس سلاست و بلاغت اور حق گوئی کے جو ان اشعار میں ہی رموز سلطنت و فراجدانی سلاطین میں امیر صاحب کا کیسا کمال ثابت ہوتا ہی یہ نصایح صاف بتا رہے ہیں کہ امیر صاحب کی مصاحبت سے سلاطین کو وہی فیض پہنچتا تھا جو سکندر کو ارسطو جیسے وزیر سے حاصل تھا۔ خوش نصیب تھے وہ سلاطین جن کے دربار کی رونق ایسے امیر سے تھی۔

نصیحت بدختر نیک اختر

شعرائے سلف کی تصنیف صرف شاعری کا آب و رنگ نہیں ہی۔ بلکہ گوناگوں افادات کا ایک خزانہ ہی جسے بحور و قوافی سے مخفی کر دیا گیا ہی تاکہ اہل اُسے ہٹا کر اگلوں کی کمائی سے لاما ل ہوں اور نا اہل کا ہاتھ اُس کے پانے سے محروم رہ جائے اُنہیں مقاصد کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسے کلمات جو عموماً سامع کو خوشگوار نہ گزرتے اُن کے لیے اُن پاک نفسوں نے ایک باب نصیحتِ فرزند کا قایم کیا۔

خسرو کی جدت اور ایک دلچسپ بحث

باپ اپنے بیٹے کو سب کچھ کہہ سکتا ہے اور ہر لب ولہجہ میں کہہ سکتا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کی جدت طبع یہاں بھی اپنا جوہر دکھاتی ہے یعنی بجائے اس کے کہ نصیحت کا مخاطب اولادِ ذکور کو قرار دیتے اس کتاب میں آپ نے دخترِ نیک اختر کو مخاطب فرما کر کچھ نصیحتیں کی ہیں جس سے بہت بڑا سبق تعلیم و تربیت کا طبقہ اناث کے لیئے حاصل ہوتا ہے اور ایک شریف بہو بیٹی کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کون سے ہنر و سلیقہ کے زیور ایسے ہیں جو فی الحقیقت شریف عورت کو مزین کر دیتے ہیں اس طرح یہ صنف نازک بھی خزانہ خسروی کے عطیات سے محروم نہ رہی۔

نصیحت سے پہلے ایک عجیب دلکش مباحثہ ہے جس کا ممنون طبقۂ اناث ہمیشہ رہیگا۔ یعنی اس امر پر کہ لڑکی بھی فرزند ہے اور شفقتِ پدری کی اُسی قدر یہ بھی مستحق ہے جسقدر کہ فرزند نرینہ دلائل قایم کیئے ہیں اور پھر جس شاعرانہ قوت سے یہ ثابت کیا ہے کہ نعماے الٰہیہ میں سے ایک بہت بڑی نعمت لڑکی کا وجود ہے وہ آپکے قیاس شعری کی قوت اور قوت محاکات کا زبردست ثبوت ہے۔

محاسن بیان میں صنعتِ التفات جس طرح کہ متکلّم کے کمال کا ثبوت ہے اُسی طرح شاعر کی نظموں میں اس نوعیت کے صنایع حسنِ نظم کو اور چار چاند لگانے والے ہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ اس صنعت کا نمونہ جس زور بیان اور حسن اسلوب سے اس جگہ پیش فرماتے ہیں وہ دلکش اور سراپا اثر ہونے میں اپنی نظیر آپ ہے۔

عام طبیعتیں ولادتِ دختر سے نفور رہتی ہیں اور لڑکوں کی ولادت کی متمنّی و آرزومند۔ اُسی کراہت کا نتیجہ ہے کہ بہت سے ملکوں میں لڑکیوں کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا اور میراثِ پدری سے بالکل بے نصیب کر دی جاتی ہیں۔

بدقسمتی سے بہت سی آبادیاں ایسی آج بھی موجود ہیں جن میں خود مسلمان اسی مہلک مرض میں

مبتلا ہیں ہادیِ مطلق اُنھیں ایمانِ کامل عطا فرمائے تاکہ وہ اپنی میراث کتاب اللہ کے موافق تقسیم کریں۔ خیر یہ تو ایک جداگانہ بحث ہے جس کا یہ موقع نہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ لڑکی جہاں پیدا ہوئی بس والدین پر خجالت و تاسف کا ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ چہرے کا رنگ متغیر صاحب اولاد ہونے کی مسرت کا فوراً کنڑولوں کا ملال زبانوں تک آجاتا ہے کہ لڑکی پیدا ہوئی گھر خالی ہوا۔

خسرو علیہ الرحمۃ اس خیال باطل کا اس انداز خاص سے رد فرماتے ہیں کہ سطحی نظر رکھنے والوں کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ حضرت امیر بھی اونھیں میں سے ہیں لیکن نظم کے صنائع و بدائع سے جو واقف ہے وہ بیان کی خوبی دیکھتا ہے اور لطف سخن سے سر دھنتا ہے۔ داد دیتا ہے لیکن اُس کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ دیکھو۔ قبل اس کے کہ اصلاح کی باتیں شروع کریں اپنے کلام کو زیادہ موثر کرنے کے لئے پہلے اپنے آپ کو عوام الناس کی سلک میں منسلک کرتے ہیں اور ٹھیک اوسی طرح جیسا کہ ایک عامی ولادت دختر سے دل تنگ ہو جاتا ہے خسرو علیہ الرحمۃ بھی کراہت کا اظہار کرتے ہیں اور اس مبالغے سے اس داستانِ الم کا نقشہ ایک شعر میں کھینچتے ہیں کہ جس سے زیادہ متصور ہو نہیں سکتا۔

فلسفہ جذبات اور شکسپیر کے ڈرامے سے مثال

اس مقام و کلام کا لطف وہی سمجھ سکتا ہے جس نے فلسفہ جذبات کا محققانہ مطالعہ کیا ہوگا۔ ایسی حالت میں جبکہ ایک مجمع مخالف کے سامنے اون کے خیال باطل کا رد مقصود ہو تو اونھیں راہ صواب پر لانے کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ اون کے

جذبہ فاسد سے فساد کا اندفاع اور اونھیں امر حق کی طرف متوجہ کرنے کا زیادہ موثر پیرایہ کون سا ہی؟ اپنے کو پہلے اون کا ہمدرد ثابت کرنا یا اختلاف کا ابتدا ہی سے اظہار؟

انگریزی خواں اصحاب جنھوں نے شکسپیر کے ڈرامے عموماً اور جولیس سیزر کا خصوصاً مطالعہ کیا ہوگا، اونھیں یہ نکتہ یاد ہوگا کہ سیزر کے قتل کے بعد اوس کا دوست انٹنی جب بلوائیوں کے سامنے پہونچتا ہے تو کس انداز سے تقریر کا افتتاح کرتا ہے۔ بروٹس کے افعال کا کس طرح ذکر کرتا ہے۔ تھوڑی تھوڑی تقریر کے بعد یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ بروٹس ایک شریف آدمی ہے۔ حاضرین آہستہ آہستہ اپنی غلطی اور بروٹس کی شرارت کا احساس کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ جوش سے مجمع لبریز ہو جاتا ہے اور انٹنی کا مدعا اُنھیں بلوائیوں کے ہاتھوں سے پورا ہوتا ہے۔ شاعر کی اسی صنعت وکمال کو اشعار ذیل مین دیکھو۔

خسرو اور زبان عوام کی ترجمانی

اے زعفّت فگندہ برقعِ نور	ہم عفیفہ بنام ہم مستور
ماہت از ہفت بر نرفتہ ہنوز	روشنی چوں مہ چہاردہ روز
کاش ماہِ تو ہم بچہ بودی	دررحم طفل ہشت مہ بودی

فی الحقیقت کمال شاعری یہ ہے کہ فطرت انسانی پر فلسفیانہ نظر ڈال کر جذبات

[illegible]

فوٹویں ہو بہو دیکھیں۔ پہلا اور دوسرا شعر فطری جذباتِ پدری کا نقشہ پیش کرتا ہے اور تیسرا شعر اوس جذبے کا پتہ دیتا ہے جو دوں ہمتی وخیال فاسد نے پیدا کر دیا ہی۔ اس لطف کو دیکھو۔

بیٹی کا وجود اگرچہ جاہلانہ وپست خیالات سے مکروہ وقابل نفرت معلوم ہوتا ہے لیکن جوشش خون وعلاقہ جزئیت کچھ دلی میلان کا بھی سراغ دیتا ہے۔ اوّل ودوم اشعار میں اوسی شفقت پدری کا اظہار فرماتے ہیں اوس کے نورانی چہرے کو دیکھتے ہیں اپنی اولاد ہے اس سے اوس کی صورت ایسی پیاری اور حسین معلوم ہوتی ہے کہ چودھویں رات کا چاند اوس کے مقابل میں ماند ہے یہ سب کچھ ہے لیکن بیٹی ہے جب یہ خیال آتا ہے تو باپ کہتا ہے کہ کاش تو پیدا ہوتی۔ داغ لاولدی اس داغ سے بہتر تھا۔ اور اگر تیرا استقرار حمل میں ہو گیا تھا تو اٹھواسنی ہوتی یعنی آٹھ مہینے بعد پیدا ہوتی تاکہ جلد مرجاتی یہ ایک مشہور تجربہ ہے کہ آٹھ مہینے کا بچہ بچا نہیں کرتا اسی لئے ہندوستان کی عورتیں آٹھواں مہینہ زبان پر لانا بھی پسند نہیں کرتی ہیں اور اسے منحوس وشگون بد سمجھتی ہیں اس کا اظہار ان گنا کہہ کر کیا جاتا ہے۔ دیکھو ایک طرف تو اون جذبات کا اظہار ہے جو باپ میں بحیثیت باپ ہونے کے پایا جاتا ہے دوسری طرف اوس کراہت ونفرت کا نقشہ ہے جو جہالت وتاریکی دماغ کا نتیجہ ہے۔

یہاں تک شاعر نے عوام کی زبان بن کر اون کے دونوں جذبات کی تصویر کشی

کی۔ اب اوس کی التفات کروٹ لیتی ہے اور ایسی تدریجی حرکت کرتی ہے کہ اوس کی ہر جنبش میں سابق سے زیادہ قوت کا اظہار نمایاں ہوتا ہے۔

اصلاح عوام اور صنعت التفات

لیک چوں دادۂ خدا ے رواست | باخدادادگان ستیزہ خطاست
من پذیرفتم انچہ یزداں داد | کانچہ اوداد باز نتواں داد
شکر گویم بہر چہ از در اوست | کان دہد بندہ راکہ درخور اوست
ہر چہ او داد بس پسندیدہ است | ہم دراوّل صلاح او دیدہ است

اشعار مذکورہ بالا میں اصلاح عوام میں ترقی جس آہستگی سے کی گئی ہے اور اوس کراہت کا جس طرح آہستہ آہستہ اندفاع کیا گیا ہے وہ کس قدر دلپذیر و پُرتاثیر ہے۔ شاعر پہلے شعر میں یہ کہتا ہے کہ بیٹی کی ولادت ناگوار و مکروہ سہی لیکن کیا کیا جاے خدا کی دی ہوئی چیز میں بندہ ستیزہ کرے یہ تو بڑی غلطی ہے پھر دوسرے شعر میں یہ کہتا ہے عطاے الہی رد نہیں کی جاسکتی بلکہ قبول کی جاتی ہے پس میں نے بھی قبول کیا۔ تیسرے شعر میں اسے نعمت سمجھتے ہوے اظہار تشکّر و امتنان ہے چوتھے میں انتہاے پسندیدگی کی صدا ہے۔ سلسلۂ کلام پر غور کرو۔

پہلے ستیزہ پر تعجب پھر اوس کی قبولیت اس کے بعد شکر یہ آخر میں انتہاے پسندیدگی۔ اس قدر کہہ لینے کے بعد شاعر کا بیان ایک اور پہلو بدلتا ہے۔

گراں بہا دلائل سے صنفِ نازک کی اہمیت

پدرم ہم زمادرست آخر　　مادرم نیز دخترست آخر
گر نہ بر در صدف نقاب شدے　　قطرۂ آب باز آب شدے
دانہ بے کشت کے ببار آید　　آسماں بے زمیں چہ کار آید
بے پدر ممکن ست شد معلوم　　ق چوں مسیحا ز مریم معصوم
لیک بے مادر خجستہ وجود　　ولدے رانگفتہ کس مولود

عورتوں کے وجود کی اہمیت اور صنف نازک کا بقا سے بنی آدم میں عنصر قوی و غالب ہونا جس طرح کہ ان اشعار میں ثابت کیا گیا ہے فقیر کی نظر سے کوئی نظم یا نثر اس زور و قوت کے ساتھ دیکھنے میں نہیں آئی۔ بالخصوص آخری شعر جس میں قیاس تمثیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور مولود کہے گئے لیکن آج تک بغیر ماں کے کسی کو مولود نہیں کہا جا سکا۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ بغیر ماں کے مولود کا پایا جانا غیر ممکن اور بغیر باپ کے ممکن تو ماں یعنی عورت کا وجود افزایش بنی آدم میں باپ یعنی مرد سے زیادہ اہم و ضروری۔ اگر مردوں کا وجود تمھیں عزیز ہے تو ان کی افزایش بغیر افزایش اناث ناممکن ہے دوسرے شعر میں یہ کہتے ہیں کہ اگر پانی کو سیپ نہ ملے تو پانی پانی ہے لیکن سیپ جو بمنزلہ ماں کے ہے وہ چند دنوں میں اوس کی حقیقت بدل کر اوس مرتبۂ کمال پر پہونچاتی ہے جہاں پہونچکر تاج شاہانہ کی زینت اوس سے کی جاتی ہے۔ اسی

طرح ایک کیڑا بصورت علقہ یعنی جونک مادۂ منویہ کے ساتھ باپ کی صلب سے جدا ہوتا ہے اور رحم مادر کی بدولت اشرف المخلوقات اور تمام کائنات پر تصرف کرنے والا اون سے خدمت لینے والا ہو جاتا ہے پس انسان کو کرامت انسانی جس کی بدولت نصیب ہوتی ہے کیا اوس کا وجود قابل نفرت وکراہت ہے؟ کیا یہ ناسپاسی منعم ومربی کے حق میں جائز ہو سکتی ہے۔ نہیں کبھی نہیں ہرگز نہیں

نصیحت کا شفقت آمیز حصّہ

ان دلائل کے بعد خسرو علیہ الرحمۃ بیٹی کو ایسے شفقت بھرے الفاظ سے خطاب کرتے ہیں جس کا ایک ایک لفظ محبت والفت پدری میں ڈوبا ہوا ہے۔ جس طرح ایک وہ باپ خطاب کرتا ہو جس کے ہر رگ وپے میں اسلامی تعلیم سرایت کر گئی ہو اور اپنے پیغمبر کا اسوۂ حسنہ اوس کے دل پر نقش نگیں بن گیا ہو حقوق اولاد سے واقف ہو اور شفقت پدرانہ اپنے اوپر فرحت بخش وروح افزا فرض جانتا ہو۔

اے تنت راجانِ من پیوند — کہ ہم مادری وہم فرزند
تو بدیں مایہ کز قضا داری — گر نہی پا بدیدہ جا داری
سر برآراز مبارک اختر خویش — کہ مبارک تری زجوہر خویش
آنچہ نقش تو باصلاح من ست — چوں تو خون منی صلاح من ست

یہاں پہونچکر یہ بیش بہا مضمون ختم ہوتا ہے لیکن اس تائید میں کہ خسرو علیہ الرحمۃ

لڑکی کے وجود سے اندوہگین نہ تھے اوران باتوں سے اپنے دل کی تسلی نہیں کررہے ہیں بلکہ اصلاح عوام مقصود ہے۔ اگراس موقع پروہ اشعار جو خمسہ کی اوّل مثنوی مطلع الانوار میں موجود ہیں نقل کردیے جائیں تو ناموزوں نہو گا۔

مطلع الانوار سے تائید مزید

اے رُخِ تو چشم و چراغ دلم | خوب تریں میوہ ز باغ دلم
گرچہ کہ اخواں چو تو نیک اختر اند | نے ز تو در دیدۂ من بہتر اند
گاہِ تماشا بدلِ باغباں | سرو ہماں باشد و سوسن ہماں
دختر اگر نیست پسر کے شود | بے صدفِ تازہ گہر کے شود
بخت کہ فالِ تو ہمایوں نہاد | نام تو مستورۂ میموں نہاد

دیکھو اشعار مطلع الانوار میں کہیں نام ونشان بھی اوس نفرت کا نہیں ہے اسلئے کہ وہاں محض اپنی لڑکی کو نصیحت مقصود ہے۔ ابتداہی اس شفقت سے فرماتے ہیں کہ تو میرے آنکھوں کی نوردل کا سرور باغ دل کا اچھے سے اچھا میوہ ہے تیرے بھائی بھی گو نیک اختر اور میرے جگر کے پیوند ہیں لیکن میری نگاہوں میں تجھ سے بہتر نہیں ہیں۔ اور ایسا کیوں نہو۔ باغبان جب اپنے ہرے بھرے لہلہاتے باغ کو دیکھتا ہے تو سرو وسوسن دونوں کی تازگی اوس کے سلئے یکساں نظرافروز تفریح بخش ہوتی ہے۔

اب اگراتنی تفصیل کے بعد بھی کوئی یہ کہے کہ نہیں خسرو علیہ الرحمۃ بھی مثل عوام

تنگ حوصلۂ تیرہ خیال اشخاص کے ولادت دختر سے دل تنگ ہوئے اور ناقد کی تقریر شاعر کے شعر کی تاویل ہے تو اس سخن فہمی کا کیا جواب۔

اِس شاندار و مرصع تمہید کے ختم ہونے پر نصایح کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جسمیں کمال نکتہ سنجی سے ایسی سود مند نصیحتیں کی ہیں کہ ہر نصیحت بجاے خود ایک نور رہا۔

ارباب دانش سے یہ مراد پوشیدہ نہیں کہ نصیحت کرنے کے لئے تو ہر شخص آمادہ ہو جاتا ہے لیکن جو نصیحت کا حق ہے وہ ہر ایک سے ادا نہیں ہوتا۔ اس میں چند نکات بمنزلۂ اصول ہیں جنھیں معمولی نگاہیں پا نہیں سکتیں۔ مثلاً

خسرو اور نکات نصیحت

مخاطب کی ضروریات کا اوس کی شان وحیثیت کے موافق لحاظ رکھنا، افراط و تفریط سے نصیحت کا بری رہنا، وہ نصایح ایسے اصول پر مبنی نہوں جو ناصح کے خود تراشیدہ ہوں بلکہ اون کی بنیاد ایسے اصول پر ہو جو محقق و مسلم ہو چکے ہوں خطاب کے وقت اگرچہ ایک ہی فرد واحد مخاطب ہو لیکن نصیحت میں ایسی جامعیت ہو جو کل اجناس کے لئے یکساں مفید ہو۔

خسرو علیہ الرحمۃ کو جہاں دیوان فطرت سے بہت سی نعمتیں عطا ہوئی تھیں وہاں نصیحت گری کا سلیقہ بھی بہ تمام و کمال عطا ہوا تھا۔ یہاں چونکہ نصیحت کی مخاطب بیٹی ہے اِسلئے جو نصیحتیں کی ہیں اون میں طبقۂ اُناث کی بہبود و صلاح کا کامل لحاظ کر لیا ہے۔ ایک شریف بہو بیٹی کے مخصوص فرائض کیا ہیں۔ وہ کون سی صفات

ہیں کہ اگر کسی عورت میں نہ پائی جائیں تو وہ اپنی صفات سے خالی و عاری سمجھی جاے گی اس کو واضح طور پر دکھایا ہے۔

عصمت و عفت کی تاکید

ان نصایح کی بنیاد ایسی مضبوط چٹانوں پر ہے جنھیں فرضی و ملمع تہذیب کے طوفان جنبش نہیں دے سکتے۔ خسرو کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

گرچہ خردی کنوں و بے تمیز — روزے آخر بزرگ گردی نیز
تا بود در بزرگیت دستور — خردۂ چند گویمت مستور
از عروسی شوی چو بر سر تخت — عصمتت خواہم اوّل آنگہ بخت

خلاصہ یہ کہ اے بیٹی اگرچہ اس وقت تو کم عمر اور چھوٹی ہے اور اپنے بھلے برے کی تجھے تمیز بھی نہیں لیکن آخر ایک روز جوان ہوگی پھولے گی پھلے گی اوس وقت کے لحاظ سے میں چند نادر باتیں کہتا ہوں تاکہ وہی باتیں تیری اوس زندگی میں دستور العمل ہوں۔

اے بیٹی خدا تجھے جب عروس بنائے تو اوس وقت کے لئے خدا سے میری یہی دعا ہے کہ بخت و اقبال سے پہلے عصمت کی دولت سے وہ تجھے مالا مال فرمائے۔

عصمت و عفت اگرچہ مرد کے لئے بھی ضروری ہے لیکن عورت کے لئے اوس سے بہت زیادہ ضروری۔ شریعت میں بے عصمتی کی سزا گو مرد و زن دونوں کے لئے یکسان و مساوی ہے لیکن عورت کی بے عصمتی سے خاندان و قبیلہ

پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے اوس کا اندازہ ہر شریف کرسکتا ہے۔

طاعت و عبادت

از من این آنچہ اوّلیں پند ست — جہد بر طاعتِ خداوند ست
تا توانی خدا پرستی کن — وز نیاز خدائے مستی کن

بچوّں کا پہلا مدرسہ جس کی تعلیم بہت ہی اثر کرنے والی ہے وہ ماں کی آغوش شفقت ہے اگر ماں خدا ترس و عبادت گذار ہے تو اولاد میں اللہ کی عظمت، عبادت کی رغبت بچپن ہی سے راسخ ہو جائے گی اور جوان ہو کر اپنے لئے، قوم کے لئے، ملک کے لئے اون کا وجود رحمت ہوگا۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بغیر دینداری و خداشناسی ایک انسان انسان نہیں ہوتا بلکہ حیوانی زندگی بسر کرتا ہے۔

حیا و پردہ

پا بدامانِ عافیت در کن — رو بدیوار و پشت بر در کن
راہِ در کم کن از درونِ سرائے — ور مثل خضر در زند مکشائے
زن کہ در کوچہ با بہ تگ باشد — زن نباشد کہ مادہ سگ باشد

عورتوں کے لئے حیا و شرم بہترین زیور ہے۔ اگر عورت میں حیا نہیں تو کچھ نہیں سیر و تفریح اور در بدر مارے پھرنا شریف زادیوں کو زیب نہیں دیتا ایسی باتیں گو ابتدا میں معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن انتہا میں اون کا نتیجہ حیا سوز نکلتا ہے یہ سب بری عادتیں ہیں۔

جھولا اور سرود

بادِ پیچ و دف کہ لعب زن ست | بروے ایں چنبرست و آں رسن ست
دف شاں بی ہراسِ دشمن و دوست | فتنہ را بانگ می زند در پوست
آنکہ اوّل سرود سادہ بود | درنہایت صلاے بادہ بود

شریف بہو بیٹیوں کے لئے جھولا جھولنا۔ طبلہ بجانا۔ نغمات و سرود سے جی خوش کرنا عیب ہے۔ ابتدا میں یہ تفریح طبع کا سامان ہے لیکن انتہا اس کی شرافت کی بربادی ہے

حد سے زیادہ بناؤ سنوار

درزن آرد دو فتنہ رسوائی | سیم پاشی و پیکر آرائی
بس عروساں کہ فتنہ جوے شدند | ازسفیدہ سیاہ روے شدند
چوں شدی بہر سفت و نہ درنج | نقد عصمت فتاد درشش و پنج
ایں ہمہ فتنہا کہ ہست وبال | با رضاے حلال ہست حلال

بناؤ سنوار، زیبائش و آرائش اوسی انداز سے چاہیئے جتنا کہ اوس کے شوہر کو پسندیدہ ہو اور شرافت کی حدود میں ہو۔ ہر وقت پوڈر و غازہ ملنا ہمہ دم اپنی آرایش میں محو رہنا چاہے گھر بنے یا غارت ہو سخت عیب ہے۔ شریف عورتوں کی تزئین بھی ایک امتیازی شرافت رکھتی ہے۔ شریف زادیاں صاف ستھری رہتی ہیں، اچھے کپڑے پہنتی ہیں، آرایش بھی کرتی ہیں لیکن ان کی ہر ایک شان آبرو باختہ عورتوں سے صاف امتیاز رکھتی ہے۔

خانہ داری وکفایت شعاری

از عروساں خزینہ داری بہ — راست گوئی وراست کاری بہ
مرد اگر یک قراضہ کارکند — زن بکد بانوی ھزار کند
دل نگہبان رخت باید داشت — گرہ خویش سخت باید داشت
چوں زشو خرچ زن فزوں باشد — حال سامانِ خانہ چوں باشد

عورت کا کمال یہ ہے کہ گھر داری میں ایسا سلیقہ پیدا کرے کہ ایک روپے میں ہزار روپے جیسی عافیت وفراغت شوہر وبچوں کو پہونچے بغیر مرضی شوہر ایک حبہ بھی خرچ نہ کرے عورت کے لئے سخاوت ہنر نہیں ہے بلکہ شوہر کی کمائی اور اوس کی دولت اوسی کے مطابقِ مرضی صرف کرنا عورت کا کمال ہے۔

ہنر ودستکاری

گرچہ زر باشدت فراخ نہ تنگ — یا نداری ز دوک وسوزن ننگ
دوک وسوزن گذاشتن نہ فن ست — تاہم کالت پردہ پوشی بدن ست

عورتوں کا خاص ہنر چرخہ کاتنا اور کپڑا سینا ہے خبردار اس ہنر خاص سے غفلت نہونے پاوے چاہے خدا تجھے اپنے فضل سے مالا مال کردے لیکن ہنر مندی سے بے پروائی نہو۔

ہر ایک نصیحت کو پڑھو اور اس پر غور کرو کہ خسرو یہ نصائح اپنے بیٹی کو فرما رہے ہیں اولاد سے زیادہ محبت کس کے ساتھ ہوگی جب ایک ایسا جلیل الشان باپ اپنی

بیٹی کے لئے ان اوصاف سے متصف ہونا پسند کرتا ہے تو وہ دوسری عورتوں میں بھی ضرور انھیں اوصاف کو ڈھونڈھے گا۔

امرا کا اثر متوسط و غربا پر

تجربہ اس پر گواہ ہے کہ افراد ہوں یا اقوام جہاں ان میں تمول آیا بس کاہلی و بے پروائی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ ادبار و نکبت ہے۔ خسرو اسی لئے بیٹی سے یہہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ رزق میں کشایش فرمائے اور فراخی دولت تجھے نصیب ہو تو اوس وقت بھی اون ہنروں سے غفلت نکرنا جو شعار عورتوں کا ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ امراو اہل دول کا اثر آہستہ آہستہ اوسط و ادنیٰ طبقہ پر بھی پڑتا جاتا ہے پس جب امرا کا گھر ایسا ہو کہ جہاں نہ گانا ہے نہ بجانا، نہ جھولا ہے نہ راگ راگنیاں نہ بناؤ سنوار ہے نہ بیہودہ اسراف بلکہ خانہ داری کا انتظام ہے اور بی بی کی سرگرمی۔ خود بی بی ہر طرح کا سلیقہ رکھتی ہو اپنے فرائض و ذمہ داریوں کو محسوس کرتی ہو۔ علی الصباح اوٹھ کر دوگانہ فریضہ ادا کرکے تلاوت سے جب فارغ ہوئی ہو تو بچوں کے کپڑے درست کرتی ہو یا اپنا لباس بناتی ہو غرض خود کام کرتی ہو اور کام کرنے والوں پر نظر رکھتی ہو۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود اوس گھر کا ساز و سامان درست ہوگا۔ اور اوس کا اثر اوسط و ادنیٰ پر یہ ہوگا کہ وہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کو عار نہ سمجھیں گے بلکہ بڑائی کی علامت خیال کریں گے دفعۃً قوم کی قوم میں قوت عملیہ کو ایسی جنبش ہوگی کہ ہر جنس اور اوس کا ہر فرد اپنے اپنے

فرائض میں مصروف ہو گا۔

اس زمانے کے خوش حال طبقہ میں اپنا کسی طرح کا کام اپنے ہاتھ سے کرنا عیب سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ غربا و مساکین کا شعار ہے۔ عورتیں ہیں کہ ہنر و خانہ داری سے ہاتھ اوٹھا بیٹھی ہیں اوس کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہے کہ شوہر روپیہ کماتے کماتے تھکا جاتا ہے لیکن گھر میں کسی کو آسایش نصیب نہیں۔ شاید خسرو کے عہد میں بھی امرا کے گھرانوں کا انھیں لغویات و باطل خیالات کی طرف میلان شروع ہو گیا ہو گا۔

نئی تہذیب کا اعتراض

بہر حال اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ نصیحتیں اسی قابل ہیں کہ ہر شریف بہو بیٹی انھیں اپنا دستور العمل بنائے۔ لیکن ہزار افسوس کہ اس دور تہذیب کے روشن خیال حضرات خسرو کی ایسی بیش بہا نصائح پر کہہ اوٹھے کہ "اوس زمانے میں عورتوں کی حالت نہایت پست تھی امیر خسرو اس قدر صاحب دولت و ثروت تھے لیکن بیٹی سے کہتے ہیں کہ خبردار چرخہ کاتنا نہ چھوڑنا اور کبھی موکھے کے پاس بیٹھ کر ادہر اودھر نہ جھانکنا"۔ میرے دوستو۔ جوشِ تہذیب میں آ کر اسلام کے مایۂ ناز بزرگوں کو اپنے مطاعن کا ہدف نہ بناؤ۔

ناصح کی شان کا علو

ذرا اس کو سوچو کہ یہ نصائح کس نے کئے ہیں۔ کس زمانے میں کئے ہیں نصیحت

کرنے والا کس دل و دماغ کا شخص تھا۔ اس کی خاندانی وجاہت کیا رتبہ رکھتی تھی علاوہ علم وفضل کے کیسی آب وہوا میں یہ زندگی بسر کرتا تھا۔ انقلابات ایّام کے کیا تجارب اس کے پاس تھے اوس وقت مسلمانوں کی ذی علم جماعت دنیا میں کیا وقار و وقعت رکھتی تھی۔ اگر تم انصاف سے ان امور پر ایک سرسری نظر بھی ڈالوگے تو تم اپنے اس فیصلے پر قائم نہ رہوگے کہ عورتوں کی اوس وقت ایسی ذلیل و پست حالت تھی جو اون کو ایسی نصیحتیں کی گئیں۔

امیر خسرو اوس باکمال وبلند حوصلہ باپ کے فرزند ہیں جس نے ترکستان سے جب ہندوستان کا ارادہ کیا تو خاک ہند نے کس کس طرح اپنے مہمان عزیز کی میزبانی کی۔ بادشاہ نے جاگیر دی۔ عہدہ دیا۔ منصب کا پایہ بلند کیا یہاں تک کہ امراے سلطنت کی سلک میں منسلک ہوگئے۔

امیر خسرو کی ماں اوس جلیل الشان باخدا رئیس کی بیٹی تھیں جنھیں دینی دولت کے علاوہ ہندوستان میں عماد الملک کا لقب حاصل تھا اگر والدین کی شرافت اُن کے حوصلہ کی بلندی ہمّت کی فراخی اولاد کے حق میں کچھ بھی مفید ہوتی ہے اور والدین کا خون اگر کچھ بھی اثر رکھتا ہے تو پھر اسے خسرو کے حق میں ماننے سے کیوں دریغ کیا جائے خود امیر خسرو کی ذات گوناگوں کمالات کی جامع تھی علوم وفنون میں اونھیں جو یگانہ بلند حاصل تھی اوس کی شہادت اون کی تصانیف ہیں۔ تزکیہ باطن کے لئے محبوب الٰہی کا محبوب ہونا کفایت کرتا ہے۔ تمول کے لیے لفظ امیر کافی ہے انقلاب دہر کا تجربہ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ گیارہ سلاطین با آئین ان کے وقت میں گذرے

جن میں سے سات بادشاہوں کے تقرب کا انھیں پورا موقع ملا۔ موقع شناسی اور دماغ میں سلجھاؤ اس سے ظاہر ہے کہ سلاطین کا تغیر سلطنت کا نظام الٹ دیا کرتا تھا۔ لیکن امیر خسرو ہر عہد میں ممتاز وباوقار رہے۔

ایّام سلف کی برکات

وہ زمانہ مسلمانوں کی ایسی اعلیٰ تہذیب کا تھا جس نے ہندوستان جیسے متعصب ملک میں اپنی تہذیب گھر گھر پہونچا دی تھی۔ مسلمانوں کے قوائے عملیہ سست و کاہل نہ تھے اس لئے محض بیکار رہنا موجب عار سمجھا جاتا تھا۔ اس میں کوئی تخصیص مرد و عورت کی نہ تھی تعلیمات اسلامی کا یہ اثر تھا کہ سلاطین تک شریعت کے فتوے سے کانپ اوٹھتے تھے۔ اوس وقت علما و مشایخ کی ایسی جماعت ہندوستان میں تھی اور روز افزوں ہو رہی تھی جن کی تصانیف آج شریعت وعلوم اسلامیہ کی ضامن ہیں۔

دنیا کے مختلف گوشے مسلمانوں کے سیف و قلم سے مفتوح ہو چکے تھے ان کی سطوت وجلالت اکناف عالم پر چھائی ہوئی تھی۔ پس اوس عہد میں جبکہ ملک اپنے زیر نگیں تھا فاتحانہ ولولہ کا نہ جذبات دل و دماغ میں تھے۔ سیاست کی تلوار اور شریعت کا تازیانہ ہر طرح کی محافظت کرسکتا تھا۔ اولیاے کرام و علماے عظام کی پاک صحبتیں خیالات فاسدہ کی بیخ کنی کیا کرتی تھیں فتوحات کے فراخ دروازے بے زری و تنگ دستی کے مفہوم کو مٹا رہے تھے۔ خسرو جیسا عالی دماغ دل کامل

امیر کبیر آزمودہ کار اپنی بیٹی کو جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اگر تمغاے شرافت نہیں ہے تو پھر اس عہد کے مسلمان جن کی حالت ہر پہلو سے زبوں ہے ان کی بات پایۂ اعتبار رکھنے کی کیونکر مستحق ہو سکتی ہے۔ اوس عہد کی ماؤں کی بلندی تو اسی سے ظاہر ہے کہ اون کی اولادیں دنیا میں ہر طرح کی یادگاریں چھوڑ گئیں۔ علم، عمل دولت، سلطنت، جرأت، شجاعت کیا کچھ فضائل انسانی کے بیش بہا خزائن نہ تھے جو اسلاف نہ چھوڑ گئے۔ لیکن اون کے جانشین ایسی ہی بلند حوصلہ و عالی ہمت پیدا ہوے جنھوں نے نہایت بدسلیقگی سے اون بیش بہا خزائن کا مالک اغیار کو کر دیا اور خود دست نگر ہونے کا بھی شعور کھو بیٹھے۔

حاصل جواب

وہ شریفانہ معاشرت کہاں گئی۔ جبکہ عورتوں کے کپڑے غیر محرم دیکھ بھی نہ سکتے تھے چہ جائیکہ اون کا سینا اور دھونا۔ تم چرخہ چلانے یا سلائی کا ہنر جاننے پر طعن کرتے ہو یہ تو ویسا ہی ہوا جیسا کہ ناعاقبت اندیش اہل دول لڑکوں کو تعلیم سے محروم اس بنا پر رکھتے ہیں کہ علم غربا کے لئے ہے، ہماری اولاد کو کیا دفاتر میں نوکری یا اسکولوں میں معلمی کرنی ہے۔

ہاں یہ اعتراض کہ کمالات علمیہ اور دیگر فضائل انسانی کی طرف اس بلند آہنگی سے کیوں توجہ نہ دلائی گئی جس قدر کہ امور خانہ داری پر زور دیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی خسرو کا ایک کمال ہے کہ جہاں نصیحت کا مخاطب بیٹی کو فرمایا ہے

تو اوس وقت ایسی نصائح جو ما بہ الامتیاز مرد و زن ہیں اونھیں کو غالب رکھا ہے اور جہاں بیٹا مخاطب ہے تو اوس سے وہی باتیں کہی ہیں جن کا سزاوار مرد ہی ہو سکتا ہے۔ اگر عام پند اور ما بہ الاشتراک نصائح سے خطاب فرماتے جو مخصوص فرائض اناث نہیں بلکہ فرائض انسان و اسلام ہیں تو پھر یہ معلوم ہوتا کہ خطاب دختر کی اس میں تخصیص کیا ہے۔

خطیب کا یہ بھی ایک کمال ہے کہ مخاطب کا صحیح اندازہ کرکے اوس کو ایسی نصیحتیں کرے جو اوسی سے مخصوص ہوں ورنہ عام نصیحت کے لئے خصوصیت و تشخص بیکار ہے اوس کے لئے پھر خطاب عام چاہیئے۔ بہرحال خسرو کے تمام نصائح کو پڑھ جاؤ اوس کے بعد ایک ایسی ذات کا جو ان اوصاف سے متصف ہو تصور کرو تمھیں ایک رحمت الٰہی مجسم نظر آئیگی۔ افسوس ہے کہ یہ مضمون اندازہ سے بہت زیادہ پھیل گیا لیکن خسرو علیہ الرحمۃ پر جبکہ ایسا قلم معترضانہ رواں ہو جیسے اون کے کلام کا صحیح مفہوم لکھنا چاہیئے تھا تو پھر اُس کی اصلاح اس سے کم میں ناممکن تھی۔ اس دَور کے ارباب قلم کی غلطی تسلیم کرنا اس سے کہیں زیادہ سہل ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ پر ایک بے بنیاد الزام کا اثبات زبردستی کیا جائے۔ ناظرین مجھے معاف فرمائیں میں سلف کا دلدادہ و شیفتہ ہوں ؎

فتنۂ گفتگوے ایشانم | مستِ لاے سبوے ایشانم

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ ایسے مضامین تھے جو آغاز مقصد سے قبل مثنوی میں عموماً

خسرو لکھا کرتے ہیں۔ اب اصل قصہ سے اقتباس کر کے حسن کلام کا نمونہ دکھایا جاتا ہے۔

بیان حسن کنیز چینی

برچو نارنج نو بشاخ درخت   سخت رستہ ز صحبت دل سخت

رگ نمودہ بروں ز لطف بدن   ہمچو رشتہ درون در عدن

شوخی و عاشقانہ انداز کے ساتھ پہلے شعر میں سختی کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ بالکل نرالی ہے اور اچھوتا تخیل ہے لیکن معقول۔ دوسرے شعر میں گورے گورے بدن میں سے رگوں کا پھوٹ کر ایک دل فریب رنگ پیدا کرنا کیسا نادر خیال ہے۔ جس کسی نے سلک مروارید کو دیکھا ہوگا اس تشبیہ کے لطف کو وہی سمجھ سکتا ہے کہ کیسی لطیف تشبیہ ہے۔

قدر اندازی بہرام

آہن تیر چوں محک کردے   خط گوراں ز پشت حک کردے

ور ز آہو بدے نشانۂ او   موے بشگافتے ز شانۂ او

ور شدے بر نشانہ سخت انداز   رخنہ در نافِ کوہ کردے باز

صرف تین اشعار میں تمام شعبہاے تیر اندازی کے کمال کو جس صفائی و سلاست سے آپ نے بیان کیا ہے اُس سے کلام کی پختگی و چستی ظاہر ہے یعنی جس طرح چاہتا تھا تیر چلاتا تھا۔ کبھی تو گورخروں کی پشت پر جو خطوط ہوتے تھے اونھیں تیر سے اڑا دیتا

کبھی ہرن کے بالوں کی موشگافی کرتا۔ اور شکار کو کچھ بھی آسیب و آزار نہ پہونچتا اور جو زخم پہونچانا چاہتا تو ایسی قوت و طاقت سے تیر بیٹھتا کہ گورخر کا تو کیا ذکر پہاڑ میں بھی سوراخ ہو جاتا۔ خسرو علیہ الرحمۃ ہشت بہشت کی بنیاد رکھتے ہوے فرماتے ہیں۔

پس نوشتم بکلک مشک سرشت — نام این ہشت خانہ ہشت بہشت

تا کسے کاندرو گذر یابد — بے قیامت بہشت دریابد

اب اس بہشت کا جسے لطف حاصل کرنا ہو اوس کو ایک سرسری نظر سے پوری کتاب مطالعہ کرنا ضرور ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اشعار کہاں کہاں سے لیے گئے ہیں اور باہم ربط و مناسبت اونمیں کس طرح ہے۔

گنبد مشکیں بہشت دوم

بہرام کے وزیر باتدبیر نے صید و شکار سے جب بہرام کو باز رکھنا چاہا ہے تو اوس نے سات گنبد عجیب و غریب نادر و حسین طیار کرائے ہیں۔ ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے ہر ایک میں ایک شاہزادی ایک ایک اقلیم کی رونق بخش ہے۔ بہرام ہر ایک شاہزادی کے گنبد میں ایک ایک شب جاتا ہے اور کسی قصہ کی فرمایش کرتا ہے۔ شاہزادی قصہ بیان کرتی ہے۔ اس طرح اس میں سات قصے امیر خسرو نے نظم فرمائے ہیں۔ خسرو کی شاعرانہ قوت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب وہ ایک بہشت کا بیان شروع کرتے ہیں تو اوس کے رنگ کو بیان کرتے ہوے ابتداء قصے سے آخر قصے تک اوسی رنگ کی رنگینی معلوم ہوتی ہے۔ جو بات نکلتی ہے اوسی

رنگ میں ڈوبی ہوئی نکلتی ہے۔ پھر اوس رنگ کے فلسفے کو بیان کرکے اپنی رنگینی طبع کا عجیب رنگین ثبوت دیتے ہیں۔ مثلاً گنبد مشکیں کی تمہید میں فرماتے ہیں ؎

روز شنبہ کہ باد مشک انگیز شد بدامانِ صبح غالیہ ریز

شہ بگنبد سرائے مشکیں شد خانہ زو ہمچو نافۂ چیں شد

جامہ راہم برنگِ کیوانی داد ترتیبِ عنبر افشانی

ان اشعار میں قطع نظر اون صنائع لفظی کے جو امیر صاحب کا روزمرّہ ہے گنبد کا رنگ چونکہ سیاہ تھا اس لیئے بہرام کا اوس میں داخل ہونا بھی بروز شنبہ رکھا گیا۔ اور ستارہ شنبہ یعنی زحل کا رنگ سیاہ ہے۔ بہرام خود سیاہ پوش ہے شہزادی کا لباس بھی گنبد مشکیں کی طرح سیاہ ہے۔ اس کا التزام مثنوی کے ہر قصہ میں ہے کہ جس طرح ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے اُسی کی رعایت سے شاہزادیوں کا لباس بھی مختلف رنگ کا ہے۔

ہر یکے ہم برنگ مسکنِ خویش جامہ را رنگ داد بر تنِ خویش

اگرچہ کمال شاعری و لطف سخن کو ان باتوں سے سروکار نہیں لیکن اس قسم کی رعایتوں سے ایک دل فریب تخیل پیدا ہوتا ہے اور ساری کتاب کو پڑھ جانے سے ایک ایسی میناکاری معلوم ہوتی ہے جو ہشت بہشت کو اسم بامسمیٰ بنا دیتی ہے۔

گنبد مشکیں یعنی بہشت دوم میں سیاہ رنگ کی رعایت مقصود ہے۔ اسلیئے امیر صاحب اوس وقت کو جبکہ تینوں شاہزادے غریب الوطنی ورہ نوردی کے بعد باپ کے

پاس آتے ہیں اور باپ خوش خوش بڑے لڑکے کو سلطنت حوالہ کرتا ہے یوں بیان فرماتے ہیں ؎

پدر پیر شادمانی یافت بار دیگر ز سر جوانی یافت
بسکہ از خوش دلی بہ تمکیں گشت موے کافور گونش مشکیں گشت
کردہ روشن بہ مہترین پسراں بالش مشک وام تاجوراں
چتر مشکینش داد باہمہ چیز دیگراں را لواے مشکیں نیز

لیکن اس خیال سے کہ سیاہ رنگ عموماً نشان ماتم ہے اس کو عیش و نشاط، فرحت و انبساط سے کیا علاقہ۔ اِس لئے امیر صاحب ختم قصے پر اس فلسفہ کو بیان کرتے ہیں کہ سیاہ رنگ بھی اپنے موقع و مناسبت سے دل آویز و نظرافروز ہوا کرتا ہے ؎

رنگ مشکیں شعار عباسی ست زیور آراے چرخ شماسی ست
ظلمت شب کہ مشک فام بود بہر آسایش تمام بود
خون تر در میانِ نافۂ خشک تا نگردد سیہ نباشد مشک
خط و خالیکہ دلستاں دارد مشک رنگ ست زیب ازاں دارد

بیان وجوہ میں بتدریج ترقی و قوت بھی ملحوظ خاطر رہے۔ قصہ ختم ہوتا ہے۔ بہرام ہم آغوش ہو کر خواب سے راحت پذیر ہوتا ہے۔ اوس عیش کے وقت کو یوں بیان فرماتے ہیں ؎

شاہ کز نازنین مشکیں موے ایں فسانہ شنید روے بروے

خفت در خواب گاہ حور العین　　　گل در آغوش و مشک بر بالیں

واقعہ نگاری اور تسلسل

سبحان اللہ ایک رنگ سیاہ نے کتنے خوش آیند خیالات پیدا کر دیے ہیں جس سے شاعر کی قوت متخیلہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ اوس کے تمام اجزا اس طرح بیان کیے جائیں کہ تسلسل مضامین کی کوئی کڑی چھوٹنے نہ پائے اس کے ساتھ ہی اس کا بھی لحاظ رہے کہ غیر ضروری بات مذکور نہ ہونے پائے بعض مقام ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں کنایہ تصریح سے زیادہ صراحت کرتا ہے اور کلام کی بلاغت اوسی کی مقتضی ہوتی ہے۔ کسی جگہ تصریح و تشریح کے بغیر بلاغت کا حق ادا نہیں ہوتا۔ مثنوی نگار اگر اس کا لحاظ نہیں کرتا ہے تو اوس کی خامی و کم مائگی سمجھی جاتی ہے خسرو علیہ الرحمۃ کی شاعری اس کمال میں بھی کامل ہے۔ ہر ایک قصہ میں اس تفصیل سے جزئیات کو بیان فرماتے ہیں کہ ایک بات سے دوسری بات خود نکلتی آتی ہے اوس پر زبان کی صفائی اور بندش کی چستی کا یہ حال ہے کہ اوس سے کم عبارت میں اگر اوسی مضمون کو بیان کیا جاوے تو لطف ادا کو کھوے بغیر ہو نہیں سکتا۔ اور اگر طول دی جاوے تو حشو و زوائد میں شمار ہو۔ اوس کا اصلی لطف تو اوسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو پوری کتاب پڑھ جاوے۔ لیکن دو ایک نمونہ جستہ جستہ پیش کرتا ہوں۔

پہلی مثال بہشت دوم کی شاہزادی نے جو قصہ بیان کیا ہے اوس میں تین غریب الوطن شاہزادوں کی فراست اور علم بالآثار کا ذکر ہے۔ اوس وقت جبکہ شاہزادے ایک

بادشاہ کے مہمان ہیں اور اون کی ضیافت میں شراب وکباب مہیا کیا گیا ہی۔ ایک نے شراب میں آدمی کے خون کا لگاؤ بتلایا۔ دوسرے نے کباب کو کتے کا قرار دیا۔ تیسرے نے بادشاہ کو باورچی کا لڑکا کہا۔ بادشاہ پشت دیوار سے اون کی گفتگو سُن رہا تھا۔ اپنے متعلق ایسا ہوش ربا حکم سُن کر تحقیق شروع کرتا ہے۔ پہلے دونوں حکم صادق آتے ہیں۔ اس سے تیسرا حکم جو خود اوس کے متعلق ہے اوس کے صدق کا پلّہ غالب آتا ہے۔ ماں کے پاس جاتا ہے اوس کے غضبناک انکار پر قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ آخر ماں کو جب اپنی موت کا یقین آجاتا ہے تو مجبور ہو کر اقرار کرتی ہے۔ بادشاہ اپنے مہمانوں کے پاس آتا ہے اور اون کی فراست کی داد دینا چاہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تم لوگوں نے کیونکر یہ پہچان لیا۔ وہ وجہ بتلاتے ہیں۔ امیر صاحب کا قلم اس طرح اوس کی تصویر کشی کرتا ہے ؎

شہ چو بشنید راز ما درخویش — سر فگند از خجالت اندر پیش
رفت در خود فرو حیراں گشت — وز چناں پرسشے پشیماں گشت
جست بیروں ز کاخ شرمندہ — وز تحیر نہ زندہ نے مردہ
شد بخلوت سرائے مہماناں — بے زباں گشت زاں زباںداناں
چوں گذشت از شراب دورے چند — راز را بر گرفت مستی بند
گفت کانچہ از شما شنیدم راز — ہمچناں یافتم چو جستم باز

ایسے خجلت انگیز راز کے افشاء نے بادشاہ کی جو حالت کر دی ہو گی اوس کا نقشہ

امیر صاحب کے قلم نے کس خوبی سے کھینچا ہے۔ ایک ایک شعر کو پڑھئے اور ہزاروں داد دیجئے۔ بادشاہ کا ہکا بکا ہو جانا ایک فطری بات ہے لیکن تسلسل بیان اس کا مقتضی ہے کہ بادشاہ خود اپنے منہ سے اس شرمناک راز کی تصدیق کرے تکمیل قصہ کے لئے اوس کے منہ سے اقرار کرانا ضروری تھا۔ اس لئے بیچ میں شراب کو ڈالا۔ اس سے عمدہ ذریعہ اقرار کا ہو نہیں سکتا تھا۔

دوسری مثال اسی طرح بہشت ہفتم کے بیان میں شاہزادہ جب طلسمی سرمہ آنکھوں میں لگا کر وزیر کے دربار میں نظر سے غائب ہوتا ہے اور اپنے موکل دیو کو اشارہ کرتا ہے کہ بدکار وزیر کو دہول لگاے اس کا بیان بس ہو بہو فوٹو ہے ؎

کرد اشارت بدیو تا برخاست | دست خود کرد بہر سیلی راست
زد قفائے بخواجۂ دیواں | کہ بلرزید زاں طراق ایواں
کارداراں زجائے برجستند | سرآں حال راہمے جستند
ہمدریں گفتگوئے بُد ہرکس | کاہرمن باز در رسید ز پس
زد چناں سیلی دگر ناگاہ | کز سرِ خواجہ برفتاد کلاہ
کلہ گرد خوردہ راز اں گرد | تا ستاند قفائے دیگر خورد
حیرتے درمیانِ خلق افتاد | دوست آزردہ گشت دشمن شاد
مرد ماں از خجالتِ دستور | دور گشتند یک بیک ز حضور
ایں ز سودائے سیلیش خنداں | واں دگر پشتِ دست برنداں

خواجہ جست از خجالتِ لیلی   بارُخِ زرد گردنِ نیلی

ان ابیات میں جس تفصیل سے دیو کا ہاتھ اوٹھانا اور دہول مارنے کے لئے اوس کو سنبھالنا اور پھر ایک دہول لگا کر ٹھیر جانا لوگوں کا متحیّر ہونا اور آپس میں تحقیق کی نظر سے گفتگو کرنا۔ اس اثنا میں دوسری دہول کا رسید ہونا وغیرہ وغیرہ جس شرح و بسط سے بیان کیا ہے اوس کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ سچ پوچھئے تو واقعہ مذکورہ کی تصویر اس سے زیادہ روشن و دل آویز کیا کھینچی جا سکتی تھی۔

ان دو نمونوں سے یہ دکھلانا تھا کہ امیر صاحب جہاں صنائع و بدایع اور محاسن لفظی و معنوی کے خسرو ہیں وہاں بیان واقعات میں بھی اوسی قدر ارفع و اعلیٰ پایہ رکھتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ امیر صاحب مثنوی لکھنے کا حق رکھتے تھے اور صحیح معنوں میں آپ نے مثنوی کا حق ادا کیا۔

حیثیت شخصی کا لحاظ

مثنوی نگاری میں یہ حصہ شاعر کے لئے نہایت ہی معرکۃ الآرا رہے ایک ہی حالت ہوتی ہی مگر اوس کا اثر باعتبار اشخاص مختلف ہوتا ہے۔ اب اگر شاعر حالت کے ساتھ شخص کا لحاظ نہیں رکھتا ہے تو اوس کے بیان کا یہ پہلو کمزور رہ جائے گا۔ مثلاً فرض کرو ایک نبرد آزما ہے جس نے مختلف میدانہائے کارزار میں اپنے شجاعت کا جوہر دکھایا ہے۔ وہ کسی ایسے ناز پروردہ کا ہم سفر ہے جس نے تنعم کے سایہ سے کبھی قدم

باہر نہیں نکالا۔ اتفاقاً کسی موقع پر رہزنوں کی جماعت حملہ آور ہوتی ہے تو اوس وقت اوس تجربہ کار سپاہی اور نازپروردہ رفیق کے دل پر جو اثر ہوگا وہ ایک دوسرے سے بالکل مغائر ہوگا۔

سپاہی آزمودہ کار کے حواس درست ہوں گے دست و بازو میں قوت موجود ہوگی رگوں میں شجاعت کا خون دوڑتا ہوگا۔ چہرہ جوش بہادری سے تمتما رہا ہوگا۔ برخلاف اس کے نازپروردہ کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹ رہی ہوں گی۔ بدن پر لرزہ طاری ہوگا۔ ہوش برجا نہوں گے۔

اس مثال سے یہ غرض ہے کہ جب کسی واقعہ یا حالت کا بیان ہو تو جس شخص سے اوس کا تعلق ہے اوس کا لحاظ بھی ضروری ہے خسرو علیہ الرحمۃ کے اس کمال کے بھی نمونے ملاحظہ ہوں۔

مثال اوّل۔ بہرام شکارگاہ میں خفا ہو کر دلارام کو گھوڑے سے اوتار دیتا ہے اور خود گھوڑے کی باگ موڑ کر روانہ ہو جاتا ہے۔ دلارام دشت پرخار میں تنہا رہ جاتی ہے اوس وقت اوس کے دل پر کیا گذری اور اوس نے کیا کیا اور کیونکر کیا اس کی ہو بہو تصویر ان اشعار میں دیکھئے یہ یاد رہے کہ دلارام بہرام کی معشوقہ جاں نواز ہے عیش و عشرت ناز و تنعم میں نشو و نما پایا ہے۔ دل کی کلی ہمیشہ کھلتی رہی ہے یہ کوئی معمولی حیثیت کی عورت نہیں ہے اس پر جو یہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تو اس کی حالت بھی معمولی حیثیت کی عورت سے مغائر ہوگی خسرو اسی کو بیان کرتے ہیں۔

مانند بیخویشتن صنم تا دیر | تشنہ و غرق آب و از جاں سیر
پس بصد خستگی ز جا بر خاست | راہ صحرا گرفت و می شد راست
بسکہ منزل بدشت دیوان داشت | سایۂ خویش دیو می پنداشت
بسکہ رہ بر سنان تیزش بود | موزہ غربال خاک بیزش بود
از کف پاے خارہاے چو تیر | میگذشتش چو سوزنے ز حریر
پاکہ از برگ گل فگار بود | چوں شود چوں بروے خار شود
کس نہ ہمراہ و رہنماش مگر | سایہ در زیر و آفتاب زبر
می نمود اندراں پریشانی | گفتہ و کردہ را پشیمانی
زاں بساط ددان آہو خاے | کرد بیم دد انش آہو پاے
بیم بودش کہ پا شود بطواف | چوں سم آہو از میانہ شگاف

کس خوبی سے خسرو علیہ الرحمۃ نے اوس کی کیفیت کا نقشہ کھینچا ہے ملاحظہ ہو پہلا اثر تو اس ناگہانی آفت کا یہ ہوا کہ وہ ایسی متحیر و ششدر ہو گئی کہ تھوڑی دیر تک یہ بھی سمجھ نہ سکی کہ واقعہ کیا گذرا جب آہستہ آہستہ اوس کے حواس اپنا صحیح فعل کرنے لگے تو اوسے اپنی اس نازک حالت کا اندازہ ہوا۔ زبان سوکھ کر کانٹا ہو رہی ہے جسم ہے کہ پسینہ میں شرابور ہے۔ جلینا وبال ہو رہا ہے۔ دیکھئے پہلا شعر ان سب کیفیات پر کس طرح حاوی ہے ؎

مانند بیخویشتن صنم تا دیر | تشنہ و غرق آب و از جاں سیر

کچھہ سوچ سمجھکر اوٹھتی ہے تو جسم میں طاقت نہیں بدن ہے کہ رنج و غم سے چور چور ہے بصد خرابی اوٹھی اور ایک سمت کا رخ کیا۔ اس کیفیت کو دوسرے شعر میں دیکھیے

پس بصد خستگی زجا برخاست　　راہ صحرا گرفت و می شد راست

ایک صحراے لق و دق مہیب و وحشتناک ہے۔ غولان بیابانی کا نشیمن ہے۔ تنہائی و بیکسی نے ایسا متوحش کر دیا ہے کہ اپنے سایہ کو بھی وہ بھوت سمجھتی ہے انتہائی اضطراب و گھبراہٹ خوف و وحشت میں جو حالت کہ طاری ہوتی ہے اوس کا صحیح نقشہ یہی ہے جو اس شعر میں ہے ؎

بسکہ منزل بدشت دیواں داشت　　سایۂ خویش دیو می پنداشت

اوس کی نزاکت و لطافت کے ساتھ صحراے پرخار نے کیا سلوک کیا اوس کو اس شعر میں دیکھیے ؎

بسکہ رہ بر سنان تیز ش بود　　موزہ غربال خاک بیزش بود

اسی طرح ہر شعر ایک خاص حالت و کیفیت کا نمونہ ہے۔

دوسری مثال۔ بہشت دوم کے قصے میں بادشاہ نے جبکہ بیٹوں سے تخت و تاج کا مالک بننے کے لیے کہا ہے تو اوس وقت ہر ایک بیٹے نے جو جواب دیا ہے وہ قابل لحاظ ہے مثلاً بڑا بیٹا یہ جواب دیتا ہے ؎

پور دانا بخاک سود کلاہ　　گفت جاوید باد دولت شاہ

کی روا باشد از ہوا خواہی　　کہ زنم پیش شہ دم شاہی

تا تو ئی ملک بر کسے نہ سزاست | بے تو خود زیستن برائے چہ راست
تخت ما ولے چوں سنے نبود | جائے تو جائے چوں منے نبود
مور با آنکہ بر سریر بود | کی سلیمان و تخت گیر بود

بیٹے کی سعادت مندی اسی کی مقتضی تھی کہ باپ کے رہتے ہوئے بیٹا ہوس سلطانی نہ رکھے لیکن ضمن جواب میں اس امر کی ناموزونی جو آخر شعر میں بیان کی گئی ہے وہ حسن التعلیل کے ساتھ عجب ادب آموز نکتہ ہے ؎

مور با آنکہ بر سریر بود | کی سلیمان و تخت گیر بود

اس شعر پر جتنا غور کروگے اتنا ہی لطف آئیگا۔

اب بادشاہ منجھلے بیٹے کو بلاتا ہے اور اوس کے سامنے تخت و سلطنت پیش کرتا ہے منجھلے کا جواب سنئے ؎

گفت ما را بجان و بینائی | کردنی نیست ہر انچہ فرمائی
لیک پیش حدیث تاج و سریر | عیب باشد زبندہ عیب بگیر
گر بود در سرت کہ افسر خویش | خود مزین کنی بگوہر خویش
مہترے ہست آخر از من خورد | بار سر جز بدوش نتواں برد
بر بزرگاں رواست ایں معراج | لولوے خورد نیست در خور تاج

اگر منجھلا بیٹا صرف اسی قدر جواب پر اکتفا کرتا کہ آپ کا فرمان سر آنکھوں پر لیکن تاج و سریر کا ذکر آپ کے سامنے کرنا بڑے عیب کی بات ہے اگر اس میں حکم

عدولی ہو تو بندہ کو نافرمان نہ خیال کیا جاے تو بڑے اور منجھلے کی خصوصیت نمایاں نہوتی۔اس لئے اوس نے اپنے جواب میں اس قدر اور اضافہ کیا کہ اگر آپ کی یہی خواہش ہے کہ آپ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں تاج شاہی سے مزین فرمائیں تو بسم اللہ بڑا بھائی موجود ہے یہ حق اوس کا ہے اور آپ کے بعد اوسی کو زیب دیتا ہی اوس کی دلیل یہ ہے کہ سر سے بوجھ اوتار کر کاندھے پر رکھنے کا دستور ہے۔اب جواب کامل ہوگیا۔بڑے اور منجھلے کا فرق بھی نمایاں ہوگیا۔باپ کی موجودگی میں سلطنت سے دست برداری بھی ظاہر کردی اور اوسی کے ساتھ بڑے بھائی کا ادب وحق ملحوظ رکھتے ہوے فرق مراتب باپ اور بڑے بھائی کا بھی "بار سر جز بدوش نتواں برد" کہہ کر قائم کردیا۔

تیسری مثال۔بہشت ششم کے قصے میں جس وقت سوداگر زادہ طلسمی حمام سے ایک سال بعد برآمد ہوا ہی اوس وقت اوس کے غلاموں کو جو مسرت ہوئی ہے اور جس طرح اونھوں نے اپنی خوشی کا اظہار ولی نعمت سے کیا ہے، اوس فرط جوش ومحبت میں بھی اون کی غلامانہ حیثیت پوری طرح ملحوظ ہے ؎

چوں بدیدند روے منعم خویش ۔۔۔ دردویدند خواجہ را در پیش
ہر یک از بندگاں بہ آزادی ۔۔۔ گریہ میکرد لیکن از شادی
بندہ وارش بپا در افتادند ۔۔۔ بوسہ بر دست و پاش میدادند

جذبات عاشق ومعشوق اور اون کے لوازم | سرسری نگاہ میں عاشق کی

نیازمندی معشوق کی بے نیازی ایک معمولی مضمون ہے جسے ہر سخنور بیان کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ منزل عشق کی راہیں جس طرح عمل میں دشوار گزار ہیں اوسی طرح اون کا بیان بھی خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں ایسے ایسے لطیف نکات ہیں جنھیں ہر ناظم کی قوت فکر یہ پا نہیں سکتی ؎

ہزار آیت خوبی ست در مطالعۂ رو ۔۔۔ نہ ہر کہ خط بشناسد مفسری داند

پہلی مثال۔ عاشق جب مژدۂ وصل پاتا ہے تو اس روح پرور خبر سے اوس پر ایک عالم وجد طاری ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی عاشق کے لئے معشوق کا وصال بہت ہی دشوار ہو۔ کوشش وسعی کی راہیں مسدود ہوں۔ ہجوم یاس نے اوسے بالکل ہی وا رفتہ واز خود رفتہ کر دیا ہو اوس بیخودی کے عالم میں اوسے مژدۂ وصل پہونچے تو پھر اوس کے وجد وطرب کا ایک اور ہی عالم ہو گا۔ خسرو علیہ الرحمۃ ہشت بہشت میں اوس غریب الوطن شاہزادے کا قصہ جو ملکہ ملتان کی سنگی تصویر دیکھ کر دل ہاتھ سے دے چکا ہے وصل سے مایوس ہو کر پاگل ہو رہا ہے اوسکے پاس جس وقت مژدۂ وصل پہونچا ہے تو اوس کی کیا حالت ہوئی اوس کو بیان کرتے ہیں ؎

سوئے عاشق دویدیارے زود ۔۔۔ بردش از دوست مژدۂ مقصود
چوں بگوش وے ایں سخن در شد ۔۔۔ بے خبر بود بے خبر تر شد
ماند حیراں دراں حکایت نغز ۔۔۔ جوشے از دل درا و فتاد بمغز

خاست چوں بیدلان جاں داؤ	دل دیوانہ راعستاں دادہ
بارے کوباں بوجد و حال آمد	درنہاں خانۂ وصال آمد

دوسری مثال بہشت ششم میں سوداگرزادہ جبکہ ایک طلسم سے نکل کر ایک طلسمی گاؤں میں پہونچا ہے اور وہاں ایک بوڑھی عورت نے اوسے مہمان بنایا ہے تو اوس پیرزن کی حسینہ وجمیلہ لڑکی سے مہمان کی آنکھ لڑتی ہے تیر عشق دل کے پار ہو جاتا ہے اور وہ محبوبہ اپنی اداے معشوقانہ سے اوسے بسمل بنا دیتی ہے

زال را بود دخترے عیّار	دل فریبے چو صد ہزار نگار
دزد دلہا دو چشم پُرفن او	خون صد بیگنہ بگردن او
گشت چوں یک دگر نظر ہا گرم	نازنیں سر فرو فگند ز شرم
روے پوشید و کرد آں سو پشت	میہماں را بہ یک کرشمہ بکشت

معشوقہ کا سر جھکا لینا منہ کا چھپا لینا جہاں مقتضاے شرم وحیا ہے وہاں ایک ناز دلربایانہ بھی ہے لیکن شاعر کا کمال اس نکتہ کے ادا کرنے میں ہے جو اس جملہ میں مضمر ہے (کرد آں سو پشت) جس سے اس کا اظہار مقصود ہے کہ جس طرح میرا چہرہ روشن اور آنکھیں پُرفن ہیں پیٹھ بھی ویسی ہی محرابی ہے پیٹھ پھیرنے سے مقصود اظہار اون خوبیوں کا ہے جو پشت پھیرنے سے ہی نمایاں ہوتی ہیں۔

تیسری مثال۔ اسی بہشت ششم میں اوس موقع پر جبکہ سوداگرزادہ طلسمات طے کرتا ہوا آخر طلسم میں مبتلا ہوا ہے اوس وقت اوس کی حیثیت شاہانہ ہے ایک

ملک کا خود مختار بادشاہ ہے عجب عیش و عشرت سے ایام بسر ہو رہے ہیں خاص کر جب رات ہوتی ہے تو ایک گلبدن نازک اندام ایک گلدستہ پیش کرتی ہے اور تمام شب بادشاہ لذت و سرور میں بسر کرتا ہے آخر نوبت اوس معشوقہ کی پہونچتی ہے جس کا وصال طلسم کا خاتمہ ہے -

یہ نازنین ایسی ماہ طلعت و پری پیکر ہے کہ سارے طلسمات میں ایسی دلکش صورت اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی بادشاہ بیتاب ہو کر اوس سے ہم آغوش ہوا چاہتا ہے وہ اوس وقت اپنی نزاکت جس پیرایہ میں بیان کرتی ہے اوس سے یہ نکتہ حل ہوتا ہے کہ حسن کی سرکار ایسا بلند پایہ رکھتی ہے جہاں شاہانہ جاہ و تجمل اور ملوکانہ آرایش بھی ہیچ ہے بلاحظہ ہو ؎

ترک جادو گر فریب انگیز | گفت آہے بزن بر آتشِ تیز
گرد میدان بارگہ بر تست | تن شاہانہ را بباید شست
تا نگردد چو گیرمت بکنار | نازک اندام من زگرد فگار
کہ مرا نام مردم دیدہ است | گرد بر دیدہ ناپسندیدہ است

لیل و نہار

شاعر کا یہ بھی کمال ہے کہ اگر اوسے ایک ہی مضمون بار بار کہنا ہو تو ہر مرتبہ اوسے ایک جدید پہلو سے کہے مثلاً آفتاب کا طلوع و غروب جب عالم شاعری میں ہو تو ایک نئے انداز سے ہو اسی کے ساتھ استعارے ایسے ہوں جو اون واقعات سے جن کا تعلق اوس لیل و نہار سے ہے

مناسبت رکھتے ہوں اس کی مثالیں اس مثنوی میں بیشمار موجود ہیں یہاں صرف چار شعروں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

صبح

(۱) بامداداں کہ صبح جامہ سفید پردہ برداشت از رخ خورشید
(۲) گنبد آسماں چو شد بیدود گشت روشن جہان زراندود
(۳) آسماں چوں زچشمۂ خورشید کرد پیراہن زمانہ سفید
(۴) شاہ انجم برسم ہر روزہ چوں برآمد بہ تخت فیروزہ

شب

(۱) شب چو دریائے چرخ برزد رنگ چشمۂ مہر شد بکام نہنگ
(۲) چوں جہاں رخ نمود در پر زاغ شد فلک پر زصد ہزار چراغ
(۳) در پر زاغ چوں نہاں شد مہر پر طاؤس باز کرد سپہر
(۴) چرخ چوں زلف شب فگندہ بدوش ماہ گشت از ستارہ زیور پوش

ہر شعر کا استعارہ کیا لطف پیدا کرتا ہے اوس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے اصل قصہ پڑھنا ضرور ہے یہ کل اشعار ہشت ششم سے لئے گئے ہیں ناظرین اگر چاہیں تو صرف ایک ہی قصہ پڑھ کر شاعر کی طبع روشن کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

وصل و وصال | بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا اظہار نہایت ہی مشکل ہوتا

تیار ہوتا ہے اور کہیں حیا گلوگیر ہوتی ہے لیکن ایک قادر البیان چند الفاظ کے ایرپھیر میں سب کچھ اس صفائی سے کہہ جاتا ہے کہ مخاطب صحیح سمجھ جاتا ہے اور مقفن منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

خلوت کی باتیں عاشق جانے یا معشوق۔ زبان اوس کا افشا کیوں کر کرے لیکن جس کے قلم میں زور ہے وہ حسن بیان کا پردہ ڈال کر یوں کہتا ہے۔

پہلی مثال

خویش راکردہ بودعیت سیم — براد حریف خود تسلیم
او بنداں عقیق رامی سفت — قدمی خست وانگبیں میرفت
زاں لب لعل می کشید شراب — نقل ہم پستہ بود ہم عناب

دوسری مثال

دربرآوردیار زیبا را — کردخوش جان ناشکیبا را
یافت آں آرزو کہ در سرداشت — کام دل دیدو کام دل برداشت
ہمہ شب بابت بہشتی خویش — راند در جوئے شیر کشتی خویش

تیسری مثال

عاشقانہ بپائے یار فتاد — کار با بوس و با کنار فتاد
اودرآویخت دردو زلف چوشست — گردن خود بطوق مشکیں بست
روے بررو نہاد دوش بدوش — خرمن گل کشید در آغوش

برد غارت بدرج مروارید   این ہمی چید او ہمی بارید

ایک ہی معنی کو گوناگوں رنگین لباس اور نئے شان اور نئی ادا سے آراستہ کرنا خسرو کا حصہ ہے۔

جزئیات داستان نگاری

داستان نگاری کے ذیل میں بہت سی چھوٹی باتیں ایسی آتی جاتی ہیں جن کا کوئی خاص مرتبہ تو نہیں ہوتا لیکن ان کا بیان اس کا ضرور مقتضی ہوتا ہے کہ اس انداز سے کہی جائیں کہ خالی از لطف نہوں۔ مثلاً باغ و راغ کوہ و صحرا یا معشوقوں کا سراپا وغیرہ اثنائے قصہ میں اگر ان کے بیان میں طوالت کی جای تو تسلسل میں خلل پڑتا ہے اور اگر انہیں معمولی الفاظ میں کہا جاے تو لطف بیان جاتا ہے۔ بدیں وجہ ایک باکمال شاعر ہمیشہ ایسے مواقع پر پھولوں کا ایک چمن کھلاتا ہوا بلبلوں کے چہچہے سناتا ہوا کسی پری جمال کی ایک جھلک دکھاتا ہوا ناظرین کو اصل داستان کی طرف بڑھائے جاتا ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ بھی اس مثنوی میں ایسے مقام کا کم سے کم ایک اور زیادہ سے زیادہ تین شعروں میں حق ادا کرتے ہوئے داستان کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں ؂

وصف معشوقہ

رخ بزیبائی از گل افزوں داشت   پاے تا سر لباس گلگوں داشت

صنمے دید آفتاب درفش   شقۂ بر تن از حریر بنفش

دید کاندمیانۂ بازار شاہدے ہمچو صد ہزار نگار
زلفِ مرغول عنبر آلودہ ہندو آسا بگل برآمودہ
نرگسش از کرشمہ شور انگیز کشتہ عشاق را بغمزۂ تیز

باغ و صحرا

لالہ برکف گرفتہ جام شراب نرگس از مستی اوفتادہ بخواب
گشتہ باد از شگوفہ عنبر بوے سبزۂ نودمیدہ برلبِ جوے
سو بسو از درخت میوہ قطار شاخ سر بر زمیں فتادہ زبار
دید در پیشِ خود نظارۂ صحرائے لالہ و گل دمیدہ ہر جائے
کشت در کشت روضۂ چو بہشت جوے بر جوے برکنارۂ کشت
بر سر سبزہاے مینا رنگ ناے کنجشک پُر ز نغمۂ چنگ

اسی طرح کی بہت سی جزئی باتیں ہیں جن کا احاطہ تمثیل و تحریر سے ناممکن ہے ایک وہ شخص جس نے داستان گوئی و داستان نویسی کے فلسفہ کو سمجھا ہے وہی خسرو علیہ الرحمہ کی واقعہ نگاری کی داد دے سکتا ہے ہشت بہشت و ہفت پیکر کے قصص اگر اس نگاہ سے کوئی مطالعہ کرے تو اسے خسرو علیہ الرحمہ

کی برتری صاف دکھائی دے گی۔

تشبیہ و استعارے

نظم ہو یا نثر، حالت فرحت و انبساط ہو یا رنج و اضمحلال تشبیہ و استعارے سے کلام بہت کم خالی ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات بیخو استہ جذبات کا اظہار تشبیہ و استعارے میں ہو جاتا ہے مثلاً حالت غم و اندوہ میں اظہار غمنا کی اس طرح کرتے ہیں کمر ٹوٹ گئی چھاتی پھٹ گئی دل خون ہو گیا۔ حالانکہ ایک غم زدہ مصیبت کا مارا تصنع و تکلف کر نہیں سکتا یہ تو جذبات کا زور ہے جو اس کے منہ سے کلمات استعارے میں نکل رہے ہیں۔ اب ایک ایسی چیز جو اس قدر عام ہو سلسلۂ نظم میں کس قدر ندرت و لطافت چاہے گی۔ شاعر کا اس صنف صنعت میں یہ کمال ہے کہ اوس کے استعارے و تشبیہ ایسی روانی و سلاست سے نظم ہوے ہوں جس میں تکلف و تصنع کا شائبہ تک نہو۔ ایسی جدت و ندرت اوس تشبیہ و استعارے میں ہو کہ اوسے سنکر سامع میں شگفتگی پیدا ہو جاے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ اوس میں پیچیدگی نہو جدت ہو زور ہو لیکن سامع کو سمجھنے میں تکلف نہو۔

اب ہم جا بجا سے ایسے اشعار التقاط کر کے لکھتے ہیں جن کے طرز ادا اور حسن بیان میں ندرت تشبیہ یا جدت استعارہ یا کوئی دوسری خوبی ایسی پائی جاتی ہے جو مثنوی کے لیے زیور ہے۔ ایسے اشعار کے مواقع سمجھنے کے لیے قصوں کو ضرور پڑھ جانا چاہیے۔ یہاں تو صرف کلام کی خوشنمائی و دل فریبی کا بیان مقصود ہے۔

بہشت سوم

زاں طلسمے کہ کرد مرد دلیر　　مہ ز برشد عطارد آمد زیر

یہ وہ موقع ہے کہ حسن زرگر اپنی حکیمانہ چال سے اس قید خانہ بلند سے رہائی پاتا ہے اور اس کی بی بی جس نے افشائے راز کیا تھا وہ اوپر پہنچکر قید ہو جاتی ہے۔ عطارد کی منزل چاند سے اوپر ہے۔ یہاں معاملہ برعکس ہو گیا۔ اس لیے خوبی مصرعہ ظاہر ہے۔

بہشت چہارم

جان شیریں بداں شکر خا داد　　خضرے را دم مسیحا داد

بادشاہ ہرن کے کالبد کو چھوڑ کر طوطی کے قالب میں آیا ہے طوطی ہند کی شکر گفتاری مشہور ہے اس موقع پر اس کو مسیحا دم بتانا اور رنگ سبز کی باعث خضر سے جنھیں حیات جاوید حاصل ہے تشبیہ دینا قابل لحاظ ہے۔

ایضاً

در زماں مرغ را بہ خنجر کشت　　کشتہ را ہیں کہ باز دیگر کشت

وزیر نابکار کالبد شاہی کو چھوڑ کر مرغ کے مردہ جسم میں آیا ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ کوئی ایک بار

مرتا ہی یہ بدشعار وزیر دو بار مرا - ایک تو جب اپنے قالب کو رہا کر کے قالب شاہی میں آیا - اور ایک جب مُرغ کے قالب میں آ کر ذبح ہو گیا -

بہشت پنجم

بان نو شدنشاط فرماید | خسپد و خیزد و فرود آید

جس طرح ایک موصوف کے لیے کئی صفات پے در پے ذکر کرنا صنعتِ تنسیق الصفات ہی اسی طرح چند افعال کا پے در پے ایک فاعل کے لیے بیان یہ بھی صنعت ہی -

بادشاہ کی بادہ پیمائی، معشوقہ دل نواز سے طرب انگیزی، خواب شیریں کا لطف اور سحر کے وقت بالاخانہ سے اتر کر باہر آنا یہ سب کس اختصار کے ساتھ ایک شعر میں آگیا ہی -

ایضاً

کردہ رہ تا بجایگاہ رسید | زیر زیر زمین بماہ رسید

جائے گاہ یعنی منزل گاہ - زیرِ زمین چل کر ماہ تک پہونچنے کا لطیفہ کیسا نادر ہی -

ایضاً

شاہ راکامد آن صنم درپیش | گم شد اوّل در و پس اندر خویش

بادشاہ ملکہ کو دیکھکر پہلے اُس کے حسن و جمال سے متحیّر و شدشدہ ہو جاتا ہی - پھر اُس کی صورت بعینہ اپنی معشوقہ بادشاہ بیگم سے مُشابہ پا کر دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہی - الٰہی یہ ماجرا کیا ہی - غیر کا مکان - غریب الوطن میزبان اُس کے گھر بادشاہ بیگم ساقی کی خدمت

کیونکر انجام دے سکتی ہی۔ اس جلسہ میں اُس کا آنا اور اس بے حجابی سے محفل میں حاضرین کو وا دلے محبوبانہ سے والہ و شیدا بنانا کیونکر ممکن ہی ع

گم شدا وّل در دِیس اندر خویش

میں اختصار و وضاحت کو جس طرح جمع کیا ہی وہ قابل ہزار داد ہی۔

ہشت و ششم

دید کامد برون ز گوشۂ باغ — آفتابے بکف گرفتہ چراغ

ہمہ ہمسران ستارہ گرد ویش — خود چو خورشید و شمع اندر پیش

یہ وہ سماں ہی کہ پریوں کی ملکہ پچھلی شب کو چراغ ہاتھ میں لیے باغ میں آتی ہی اور پریاں ستاروں کی طرح اس کو حلقہ کیے ہوئے ہیں۔ شاعرانہ اندازِ بیان کا لطف ظاہر ہی۔

ایضاً

شمع را پیش برد قبلۂ حور — او چو پروانہ در حوالی نور

یہ وہ موقع ہی کہ پریوں کی ملکہ کی کنیز سوداگرزادہ کو بلا کر لے جاتی ہی۔ خود شمع لیئے ہوئے آگے آگے جا رہی ہی اور سوداگرزادہ اُس کی روشنی میں پیچھے پیچھے جا رہا ہی۔ پروانوں کا قاعدہ ہی کہ جہاں شمع ہو گی وہاں اُڑ کر آئینگے اور جمع ہونگے۔ اب شمع کو جہاں لے جاؤ وہ اُس کے ساتھ ساتھ ہیں سوداگرزادہ جس لطف و کیف میں کہ اُس کنیز کے پیچھے پیچھے جا رہا ہی الفاظ میں اُس کی بہتر تصویر کشی اس سے اور کیا زیادہ ہو سکتی ہی۔

ایضاً

بر دغارت بُرجِ مروارید　　　　او ہمی چید ایں ہمی بارید

لطف بوسہ بازی کی یہ ایک اچھوتی تشبیہ ہی۔ جس انداز سے امیر صاحب نے اس مضمون کو بیان کیا ہی یہ اُنھیں کا حصّہ ہی۔ دوسرے کسی شاعر کے کلام میں اس لطف کی ساتھ یہ مضمون نہیں دیکھا گیا۔

ایضاً

صُبح چوں کرد جیبِ ظُلمت چاک　　　　سایۂ خاک رفت ہم در خاک

تاریکی شب زمین کا سایہ ہی۔ جب صُبح ہوتی ہی تو سایہ جہاں سے نکلا تھا اُسی جگہ پوشیدہ بھی ہو جاتا ہی۔ بیان کا یہ طرز اپنی جدّت میں کیا شان رکھتا ہی۔

بہشت ہفتم

مو پریشان ورو خراشیدہ　　　　سمن از برگِ گل تراشیدہ

ملکہ نے حنائی انگلیوں سے اپنے چہرہ کو جو نوچا ہی اُس کی کیسی پیاری تشبیہ ہی۔ پھر ایک ہی شعر میں الفاظ پریشان و خراشیدہ و تراشیدہ اظہار رنج و غم کے لیے کس قدر موزوں و جامع ہیں۔ اِس کتاب کی شعر و شاعری کے متعلق جن لطائف کا نمونہ پیش کرنا تھا جستہ جستہ اُن کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔

اب دوسری حیثیت سے اس کتاب پر تنقیدی نظر ڈالنے کی ضرورت ہی جس سے یہ معلوم ہو کہ محاسن شعری کے علاوہ قصّوں کے ساتھ ساتھ کوئی سبق اخلاق کا بھی ملتا ہی

نہیں۔ ان داستانوں سے اصلاح نفس و حصولِ عزت بھی ممکن ہی یا نہیں۔ قصص کے
یل میں تدبّر و تفکر کا نتیجہ اور اُس کی ترغیب پائی جاتی ہی یا نہیں۔ مصنف نے تصنیف
کے وقت ان باتوں کا خیال رکھا تھا یا نہیں، ناقد کو اس سے کوئی بحث نہیں ہاں اگر
صنّف کا خیال بھی کسی طرح معلوم ہو جائے تو یہ ایک اضافہ اُس مصنّف کے کمال
یں ہوگا۔ لیکن نقد کے لیے صاحب تصنیف کے خیال کی جستجو ایک عبث شے ہی۔

الف لیلہ کب لکھی گئی اور آج یورپ اُس پر اپنے نوٹ چڑھاتا ہی جس سے تاریخی
معلومات پیدا ہوتے ہیں حالانکہ لکھنے والے کا خیال بھی اس طرف نہیں گیا ہوگا کہ یہ
داستان الف لیلہ کسی وقت اُن بیش بہا معلوماتِ تاریخی کا سُراغ بتائیگی۔ مصر کا تمدن
بہت قدیم تھا۔ اُس وقت کی لکھی کوئی تاریخ ڈھونڈو تو نہ ملیگی۔ لیکن اُس کے کھنڈرو
یں پھر پھر کر اور قدیم آثار میں غور و فکر پیدا کر کے عہد قدیم مصر کی ایک تاریخ درست
کر دی گئی جس پر بہت کچھ اعتماد کیا جا سکتا ہی۔ ایک سُراغ سے اتنے نہانی سراغوں کا
پتہ لگا ہی کہ عقل متحیر ہو جاتی ہی۔

انگریزی میں شیکسپیر کے ڈرامے مشہور ہیں۔ لیکن اب اُن ڈراموں کی شارحین
نے وہ بال کی کھال کھینچی ہی اور نکات بیان کیے ہیں کہ شاید شیکسپیر کا وہم بھی وہاں تک
نہ پہنچا ہوگا۔ غرض اس سے یہ ہی کہ ناقد کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ جس نکتہ کو وہ بیان کرنا
چاہتا ہی مصنّف کا ذہن بھی اُس طرف منتقل ہوا تھا یا نہیں۔ اُس کو کامل اختیار حاصل ہی
کہ مُفید یا غیر مفید جیسا کچھ بھی وہ نتیجہ حاصل کرے اُسے بیان کر دے۔ لیکن امیر علیہ الرحمۃ

میں یہ کمال ہی کہ جس طرح نظم کی قوت اُن میں وسیع ہی اسی طرح اخلاق کا دامن بھی اُن کا طویل الذیل ہی۔ وہ صرف شاعری نہیں کرتے بلکہ امراضِ روحانی کے لیے تیر بہدف نسخہ لکھتے ہیں۔ ادویات کی تلخی کو قصص و حکایات کی شوخی و شاعرانہ تخیل سے خوش گوار و زود ہضم بناتے ہیں۔ اگرچہ اس کتاب میں قصّے تو عیش و عیّاشی کے ہیں لیکن ؎

ہر کہ افسانہ بخواند افسانہ است　　　ہر کہ دیدش نقد خود مردانہ است

اگر ذرا تعمقِ نگاہ سے کام لیا جائے تو بشمار فواید معاشرت و اخلاق اور تمدن وغیرہ کے انھیں قصّوں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بہشت دوم میں جو قصہ ہی اُس میں شاہزادوں نے جس طرح آثار و علامات کو دیکھکر حکم لگائے ہیں اُسی سے معلوم ہوتا ہی کہ کائنات کا ہر ذرہ گوناگوں علوم و معارف کا دفتر اپنی ذات میں پنہاں رکھتا ہی۔ صحیفہ عالم کے مطالعہ کرنے والے انھیں پیش پا افتادہ چیزوں سے معلومات کے زر و جواہر رول لیتے ہیں۔ ایک غافل وہاں سے بے خبر گذر کر اُن بیش بہا جواہر سے محروم رہ جاتا ہی۔ کائنات کی طرف امعان نظر سے دیکھنا اور اُس میں تفکر و تدبر پیدا کرنا بڑے بڑے نہانی اسرار کا انکشاف کرسکتا ہی جو تزائد عقل اصلاحِ نفس و ترقی تمدن کے باعث ہو سکتے ہیں انگریزی میں اس طرح کے غور و فکر کو (Observation) آبزرویشن کہتے ہیں۔ فلسفہ طبیعات میں اس کی صدہا مثالیں ہیں۔ بہشت سوم میں حسن زرگر کے قصہ سے یہ نصیحت حاصل ہوتی ہی کہ اپنے راز کی حفاظت ضروری امر ہی۔ خاص کر عورتوں سے اُس کا اظہار بسا اوقات خطرات سے دوچار کردیتا ہی۔ طبقہ اناث کی خلقت کمزور ہی

اور عقل بھی ناقص۔ حسن زرگر نے اپنے راز کو بیوی سے ظاہر کر دیا۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے ایک بہت ہی بلند منارہ پر اُس کو مقید کر دیا۔ اسی قصہ سے دوسری نصیحت یہ حاصل ہوتی ہی کہ مُصیبت کے وقت اگر دامن صبر ہاتھوں سے نہ چھوٹے تو مخلصی آسان ہی۔ جیسا کہ حسنِ زرگر نے قید ہو کر اپنی عقل کو پراگندگی سے بچایا۔ اور پھر عقل سے کام لیکر اپنے آپ کو رہا اور مفشئ راز کو قید کر دیا۔ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہی کہ اہلِ کمال اگر بخت و اتفاق سے مصائب میں مبتلا ہو جائیں۔ اور حسّاد و اعدا کا وار اُن پر چل بھی جائے پھر بھی کمال آخر میں اُنھیں مرتبۂ اعلیٰ تک پہنچا ہی دیتا ہی۔ جس طرح کہ حسن زرگر بادشاہ کی خدمت میں بلند منصب تک پہنچا۔ اس کی طرف امیر صاحب بھی اشارہ فرماتے ہیں

از خرد کارِ کشش آں روائی یافت کز ملک شغل کدخدائی یافت

تا بدانی کہ ہر کرا خرد ست آرزوہاش در کنارِ خود ست

اِن دو شعروں سے یہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہوتا ہی کہ خسرو کا مقصد قصہ خوانی نہیں ہی بلکہ تلقین و نصیحت کا یہ ایک پیرایہ ہی۔ ہاں یہ سوال ایک سطحی نظر کا شخص کر سکتا ہی کہ نصیحت کسی ایسے قصہ سے بھی بیان کی جا سکتی تھی جس میں اس طرح کے مضامین خلاف تقدس نہ ہوتے لیکن ارباب فن جو اپنے پہلو میں ایک دردمند دل رکھتے ہیں وہی خوب سمجھ سکتے ہیں کہ نصائح کے محتاج وہی بیچارے گنہگار ہیں جن کا حاسہ اخلاق اسقدر مردہ و بے حس ہو گیا ہی کہ نیکی و کمال کے محاسن سنکر اُن کے حاسۂ اخلاق میں جنبش تک نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے سمجھانے کا یہی طریقہ بہتر ہی کہ وہ جن معائب میں مبتلا ہوں

قصہ انھیں کے رنگ کا چھیڑا جائے۔ ہم مشربی و ہم رنگی اُن کی توجہ کو کامل طور سے مبذول رکھیگی۔ لیکن جب کہ آخر میں نتیجہ رسوا کن نکلیگا تو اُن کو یقیناً خود بخود یہ خیال پیدا ہوگا کہ جس طرح ہمارے ہم مشرب کو رسوا ہونا پڑا ہوسکتا ہی کہ ہمیں بھی رسوائی نصیب ہو۔ بہرحال اس بحث کا یہ محل نہیں۔ یہاں تو صرف اسقدر بیان کرنا ہی کہ خُذ مَا صَفَا دَعْ مَا كَدَرَ۔ ہزل بگزار جد از و بر دار کو پیش نظر رکھکر اگر مطالعہ کیا جائے تو بہت کچھ زر و جواہر خرابہ سے بھی مل سکتے ہیں۔ کیسے مبارک نفوس تھے مسلمین سلف کے جن کے ہزل میں بھی فوائد و منافع تھے۔

مقابلہ ہفت پیکر و ہشت بہشت

اس سے پیشتر کہ مقابلہ میں دونوں کا رنگ دکھایا جائے یہ کہدینا مناسب ہی کہ مقصود دونوں حضرات کے لطف کلام کا اظہار ہی نہ کسی کی پستی و بلندی دونوں کا کلام اپنے اپنے رنگ میں ارفع و اعلی۔ پستی کا کسی جانب گزر کہاں۔ دونوں ہمارے ہر حیثیت سے پیشوا و مقتدا۔ ہاں جس کے کلام میں جو لطف و نزاکت کہ فقیر نے سمجھی ہی اُسے اپنی فہم کے مطابق اہل وطن کے سامنے پیش کر دیا ہی۔ اگر انھیں بھی پسند آئے تو چشم ما روشن ورنہ دلِ ما شاد۔ یہ تو اپنا اپنا مذاق ہی اور اپنا اپنا معیار ہے

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن　　نہ مرا گوش بہ مدحے نہ مرا ہوش ذمے

منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد در وے　　جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

حمد | حمد کا مضمون ایسا دلچسپ ترانہ اور دلکش نغمہ ہے کہ تمام عالم حیوان، نبات وجماد کی زبان قال وحال کا ساز اوس کے کیف ولطف سے ترنم ریز مستی وسرور ہی جس کی سبحہ گردانی کا اظہار خود مجموعہ کے اس روح افزا صوت وصدا سے ہو رہا ہے کہ یسبح للہ ما فی السموٰت وما فی الارض مگر جس کو دیکھئے ایک نئی دھن سے گا رہا ہے اور جس پر نظر کیجئے ایک عجیب بیخودی کے جوش میں الاپ رہا ہی الحق ؎

اے ترا با ہر دلے رازے دگر　　　　ہر گدا را بر درت نازے دگر

پھر انسان جس کی دستار فضیلت پر علّمہ البیان کی کلغی سجائی گئی ہو اس کی شیوہ بیانی کا کیا پوچھنا۔ علی الخصوص رہروان سلوک ومعرفت تو کچھہ ایسے دلکش ساز میں حمد کی صدا سُنا جاتے ہیں کہ صدیوں بعد جب کبھی ان کے کلام کا اعادہ کیا جائے تو ارباب ظاہر وغفلت شعار بنی آدم بھی تھوڑی دیر کے لئے وجد میں آکر بیخود ہو ہی جاتے ہیں۔ اس وقت حضرت نظامی وحضرت امیر خسرو (علیہما الرحمۃ) کی مثنوی ہفت پیکر وہشت بہشت سے چند اشعار لیکر پیش کرتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو کہ اوس قادر مطلق نے ان شیریں بیانوں کو کیسی قوت وقدرت عطا فرمائی تھی کہ باوجود امتداد دہر وتغیرات گوناگوں آج بھی اُن کے کلام کی حلاوت اوسی طرح ذوق نواز ہے۔

حمد کے ارکان | حمد میں چند باتیں ہیں جنھیں ایک باکمال سخنور علی الترتیب بیان کیا کرتا ہے سب سے پہلے واجب الوجود وقدیم بالذات کا مسئلہ آتا ہی اس کے بعد

ربوبیت و تخلیق کا مضمون۔ پھر عبد و معبود کا علاقہ اور آخر میں نیازمندی و مدعا طرازی انھیں عناصر اربعہ سے ایک حمد کامل حمد کہی جاتی ہے جس کا طریقہ خود اوس جل مجدہٗ نے سورۂ فاتحہ میں بتادیا ہے۔

اس وقت تفصیلی بحث تو ان دونوں باکمالوں کے مضمون حمد پر مقصود نہیں لیکن جستہ جستہ بعض اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں جس سے اقلیم سخن پر اُن دونوں سخنوروں کے سلطنت کی نوعیت معلوم ہوگی۔

مسئلہ وجوب و قدم

خسرو	نظامی
اے کشایندۂ خزانۂ جود	اے جہاں دیدہ بود خویش از تو
نقش پیوند کارگاہ وجود	ہیچ بودے نبود پیش از تو
بودنی راہمیشہ بود از تو	آفرنیدۂ خزانۂ جود
بودنا بود را وجود از تو	مبدع و آفریدگار وجود

مولانا نے جس خوبی سے ذات عزاسمہٗ کا وجوب و قدم اور خالق جملہ کائنات ہونا بیان فرمایا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ جس سادگی سے دلیل لائی گئی ہی اور ایک کے تسلیم سے دوسرے کا لزوم جس خوبی سے پیدا کیا ہے اوس کے سامنے حکمائے و متکلمین کے دلائل ہیچ ہیں اوس پر بود و نبود اور جود و وجود میں صنعت تجنیس و اشتقاق صنائع لفظی کی عمدہ مثال۔

لیکن اسی مضمون کو جس روانی و سلاست سے کہ خسرو کہتے ہیں اوس کی برتری وبلندی صاف عیاں ہے۔ پہلا شعر دوسرے شعر کا جواب ہی اور دوسرا شعر پہلے شعر کا نقش ثانی وہی الفاظ ہیں اور اوسی صنعت تجنیس واشتقاق کے التزام کے ساتھ اوسی مضمون کی تکرار ہے مگر قابل لحاظ یہ امر ہے کہ چند نئے الفاظ کی نئی ترکیب نے اصل مضمون کو کس درجہ اوج کمال پر پہونچا دیا ہے۔ خاص کر دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ "بودنی را ہمیشہ بود از تو" جہاں ذات باریتعالیٰ کے خالق ہونے کا اقرار ہی وہاں مادیین کے ایک ملحدانہ مسئلہ کا جواب بھی ہے۔

یہ حق ناشناس فرقہ کہتا ہے کہ جس قدر اشیاء کا ظہور عالم میں ہو رہا ہے وہ تنوعات حرکت اور مادۂ قدیم کی جنبش کا نتیجہ ہے خسرو اس خیال باطل کا رد کرتے ہیں اور صحیح فلسفہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ہر ایسی شے جو ہست ہونے کی قابلیت رکھتی ہے وہ ہمیشہ ہر آن و ہر زمان تجھی سے خلعت وجود پہن رہی ہے تیرے سوا کوئی خالق کسی شے کا ہو نہیں سکتا۔ اسی شعر کا دوسرا مصرعہ "بودنا بودرا وجود از تو" لطف صنعت تضاد کے ساتھ تمام ماسوی اللہ کے وجود امکانی کو جو نیستی سے فضائے ہستی میں آیا ہے جس طرح وجود واجب کی تجلیات کا مظہر بتا رہا ہے وہ بھی قابل ہزار داد ہے۔ مولٰنا نظامی نے جس قدر مضمون کہ اپنے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں کہا تھا اوس سے بہت زیادہ اس دوسرے شعر کے ایک مصرعہ میں موجود ہی۔

اب ایک نظر اِس پر ڈالنی چاہیئے کہ خسرو نے ان خوبیوں کے علاوہ بندش

والفاظ میں کیا ترقی کی ہے مولٰنا نظامی نے خداوند کریم کو خزانہ جود کا آفرینندہ اور امیر خسرو نے خزانۂ جود کا کشایندہ قرار دیا ہے اس وقت فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ خزانہ جود کے لئے اوس کو کشایندہ کہنا زیادہ فصیح اور بلاغت کا پہلو لئے ہوئے ہے یا آفرینندہ کہنا کوئی خاص لطف پیدا کرتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اہل مذاق صحیح خزانہ کے لئے فتح و کشود کو زیادہ مناسب سمجھیں۔

اسی طرح مولٰنا نظامی کے کلام میں مبدع کا لفظ جس کی تفسیر عطف تفسیری کے ساتھ لفظ آفریدگار نے کی ہے وہ لطف نہیں پیدا کرتا ہے جو امیر خسرو کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں صرف ایک لفظ نقش پیوند نے اپنی چست بندش سے ایک خاص خوبی پیدا کر دی ہے۔

قاعدہ ہے کہ جب کوئی مقلد کسی مضمون میں کسی موجد کی تقلید اس طرح کرے کہ وہ اوسی مضمون خاص کو اونھیں الفاظ میں ادا کرنا چاہے جس کو پیش رو نے اختیار کیا تھا تو اکثر دیکھا جاتا ہے کہ مقلّد چاہے جس قدر کوشش کرے لیکن اوس اصل کے مقابل اہل معنی یہ ضرور امتیاز کر لیتے ہیں کہ وہ اصل ہے اور یہ نقل۔ مگر خسرو میں یہ خاص کمال اور اہل فن ہونے کی دلیل ہے کہ وہ اپنے حسن کلام اور زور بیان میں مقلّد نہیں سمجھے جا سکتے۔ بلکہ ہر موقع پر یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ اپنی روش خاص میں اس بندش و ترکیب کے خود موجد ہیں۔

دوسری خصوصیت خسرو کی یہ ہے کہ جس مضمون کو مولانا نظامی نے انتہاے بلندی تک پہونچا دیا ہے اور اس میں کوئی پہلو کمال کا باقی نہیں رہا تو وہاں سے خسرو صاف آگے نکل جاتے ہیں اور اُسے ہاتھ تک نہیں لگاتے لیکن جہاں مضمون تشنہ ہی تو پھر وہاں یہ مینہ برسا دیتے ہیں خسرو کی یہ دونوں خصوصیتیں آپ کو جا بجا ملینگی۔

وحدت الوجود

نظامی

ساز منداز تو گشت کار ہمہ
اے ہمہ آفریدگار ہمہ
ہستی و نیست مثل و مانندت
عاقلاں جز چنیں ندانندت

خسرو

لاے توحید اژدہاست بپاے
کہ خدایاں خورد بغیر خداے
اندرآں لاے معرفت پیشہ
لام الف گشت پاے اندیشہ
ہست بی نیست آشکار و نہفت
ہم تو بی جز ترا نشاید گفت

مولانا کے شعر میں ہست و نیست مثل و مانند میں جو لفظی تناسب ہے اس کا لطف ظاہر ہے لیکن عقلا کے علم و عرفان کا (ہستی و نیست مثل و مانندت) میں انحصار جیسا کہ واقعہ ہے ویسا ہی دلکش طرز میں ادا بھی ہوا ہے مگر پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ وحدت الوجود کا ایک سرجوش جرعہ ہے جو ہزاروں خم کا نشہ رکھتا ہے

ایک ہی مصرعہ میں ایسے اہم مسئلہ کو اس صفائی و سادگی سے بیان کر جانا مولانا نظامی کا حصہ ہو گیا اس مسئلے کی تحقیق جسے حاصل ہو گی وہ (رائے ہمہ آفریدگار ہمہ) کی جب تکرار کرے گا ایک لطف تازہ پائیگا امیر خسرو نے بھی اس مسئلہ کو بیان کیا ہے لیکن آپ نے یہاں بھی وہی طرز اختیار کیا جس طرز کے وہ خود موجد و امام ہیں یہ طرز بیان کچھہ اس مثنوی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سرکار خسروی کی اقلیم سخن کا یہ بے بہا جواہر اکثر اصناف نظم میں درخشاں و تاباں ہے چنانچہ وہ معرکۃ الآرا قصیدہ مرآۃ الصفا جو خاقانی کے جواب میں ہے اوس میں فرماتے ہیں ؎

زدریاے شہادت گر نہنگ لا برآرد سر	تیمم واجب آید نوح را در عین طوفانش

اس شعر کی شرح میں مولانا جامی کا ایک رسالہ بھی ہے۔ مذکورالصدر اشعار مثنوی کو پڑھئے قطع نظر اس تجنیس و تناسب کے جو بہ پا او رپاے اندیشہ لا و لام الف میں ہے مقام نفی و اثبات کو کس عارفانہ و مجددانہ طرز سے بیان کیا ہے۔

کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کے جو رموز و دقائق ائمۂ تصوّف نے بیان کئے ہیں اُن میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ توحید الوہیت عین وحدت الوجود ہے۔ افسوس کہ اوس شرح کی یہ تنقید متحمل نہیں ہوسکتی۔ بہر حال یہ اشعار وحدت الوجود کے لئے ایک بلاغت کے ساتھ گویا ایک حق نما آئینہ ہیں فہم من فہم۔

اب خسرو کا تیسرا شعر ملاحظہ ہو ؎

ہست بی نیست آشکار و نہفت ہم تو ئی جز ترا نشاید گفت

یہ شعر دراصل مولانا کے دوسرے شعر کا لاجواب جواب ہے فن معقول میں واجب کی تعریف یہ ہے کہ جس کی ہستی ضروری اور نیستی محال ہست بے نیست اوسی کا ترجمہ ہے۔ ماسوی کا ترجمہ جز ترا واقع ہوا ہے اب شعر پھر پڑھو ہست و نیست آشکار و نہفت میں صنعت تقابل و تضاد کی خوبی عالم امکان کی بے ثباتی وجود واجب کا صورتاً و معناً ثبوت' ہوالاوّل والآخر والظاہر والباطن کی طرف رہبری ایک مضامین گوناگوں کا ہجوم اس شعر میں پاؤ گے۔

ربوبیت

خسرو	نظامی
شب فرستی و شب فروزی ہم	تو دہی صبح را شب افروزی
روزی آری فراخ روزی ہم	روز را نور و مرغ را روزی

مولانا کے یہاں روز و شب کا مقابلہ افروزی و روزی کا تناسب قابل تعریف مگر صبح و شب اور روز و نور کے سلسلے میں روزی مرغ کا ذکر کسی قدر اجنبی مرغ کی صبح سے مناسبت ظاہر لیکن روزی مرغ کی تخصیص ذرہ غریب۔

امیر خسرو کے شعر میں شب و روز کے تقابل اور فروز و روز کے تناسب کے ساتھ اصل مضمون ایک خاص خوبی سے ادا ہوا ہے جس طرح شب افروز ماہ ہے اوسی طرح فراخ روز آفتاب جس کا تقابل تناسب معنوی کا عمدہ پہلو ہے مگر بحالت یاے مجہول

آفتاب کو فراخ روز اور بحالت یاے معروف فراخ روزی کہنا اس ترکیب میں دو معنی کا ایہام ہے جن میں ہر ایک بجاے خود لطف سے خالی نہیں اوّل فراخ روز اُس شخص کو کہتے ہیں جو بخت و دولت میں اوروں سے زیادہ حصّہ رکھتا ہو۔ اس اعتبار سے تمام کواکب کے مقابل آفتاب اس صفت میں مخصوص ہے۔ دوم فراخ روز و فراخ روزی کی ترکیب لفظی دلالت کرتی ہے کہ جو شخص روز یا روزی کا ذریعہ ہے وہ فراخ روز یا فراخ روزی سمجھا جائیگا ایسی حالیتں جبکہ آفتاب ہر روز کی روشنی کا ذریعہ اور مربی نباتات ہے بہر نوع وہ فراخ روز یا فراخ روزی ہو سکتا ہے۔

خسرو	نظامی
گر بجاں زندگی ست حیواں را	اے بتو زندہ ہر کرا جانیست
زندگانی تو میدہی جاں را	وز تنور تو ہر کرا نانیست
جاں کہ او را بہا نداند کس	بحیات ست زندہ موجودات
رایگانش دہی بمور و مگس	زندہ لیک از وجود تست حیات

مثنوی کی سلاست موجود رکھتے ہوئے خدا کی رزاقی و حیات بخشی کو معمولی طور پر بیان کیا ہے پہلے شعر میں اس کے سوا کوئی خاص خوبی نہیں ہے ہاں دوسرا شعر مولنا کے کمال کا شاہد ہے اور آپ کی خلاقی مضمون کا نمونہ۔ لیکن خسروؔ کے یہاں یہی مضمون ایسے طرز سے ادا ہوا ہے کہ اُس میں جان پڑ گئی۔ زندگی و زندگانی

کا تناسب اور مور و مگس کا مقابلہ جان کے عزیز و بے بہا ہونے کو تیسرے مصرعہ میں ثابت کرتے ہوئے خزانہ کریم کی بے دریغ بخشش کو "رایگانش دہی" کے ساتھ بیان کرنا عجیب جاں نواز انداز ہے۔

خسرو کا پہلا شعر مولنا کے دوسرے شعر کا نقش ثانی ہے جس کے خط و خال زیادہ دلپذیر ہیں لیکن دوسرا شعر خاص خزانہ خسروی کا درشاہوار ہے۔

مدعا طرازی

خسرو	نظامی
آمدم بر درِ تو بے خود وار	چوں کہ بر درگہہ تو گشتم پیر
باخودم دار و بیخودم مگذار	زانچہ ترسیدنی ست دستم گیر
بکرم رخت خواجگیم بسوز	چہ سخن کیں سخن خطاست ہمہ
بندہ ام خوان بندگی آموز	تو مرائی جہاں مراست ہمہ
دُور کن باد خسروی ز سرم	من سر گشتہ راز کار جہاں
پُر کن از خاک بندگی بصرم	تو توانی رہاند باز رہا ں

مولنا کے اشعار دعائیہ پڑھو۔ اُن سے یہ معلوم ہو گا کہ ایک وہ بندہ جسکی عمر آستانہ خالق پر بسر ہوئی ہے پیری کی حالت میں جب مقام خوف کی سیر کرتا ہے تو (زانچہ ترسیدنی ست دستم گیر) کی صدا بلند کرتا ہے پھر جب مقام رجا پر پہونچتا ہے اوس وقت (تو مرائی جہاں مراست ہمہ) کا جلوہ اوس کے پیشِ نظر

ہوتا ہے ان سب سے اوس بندے کی شکستگی وخاکساری اور توکل وقناعت کلی صاف ظاہر ہے لیکن یہی دعا جب خسرو کی زبان سے نکلتی ہے تو سوز و گداز سوختگی و برشتگی بیہوشی وخود فراموشی میں ڈوبی ہوئی نکلتی ہے پھر دعا کا خاتمہ جس مدعا پر کیا ہے وہ کمال بلندی حوصلہ سے مشعر ہے۔

بیخودو باخود خاک وباد کا تقابل وتناسب باد خسروی کا ایہام اور خواجہ و بندہ کا تلازم گویا صنایع لفظی ورعایات معنوی کا گنجینہ ہے اور نفس مضمون کو جس خوبی سے بیان کیا ہے اوس کا پورا لطف اہل معنی کو آسکتا ہے۔ خاص کر تیسرے شعر میں جس مدعا کی خواستگاری کی گئی ہے وہ تصوف وسلوک کے ایک بڑے مقام کی آرزو ہے بظاہر اس کے یہ معنی ہیں کہ کبر ونخوت کو میرے دماغ سے دور کر دے اور نیازمندی و بندگی کی خاک سے میری نگاہ کو بھر دے لیکن حقیقتاً غرض یہ ہے کہ خودی وہستی کے خیال کو میرے سر سے نکال تا کہ میں خود کو مٹا کر فضاے خدائی کی سیر کر سکوں جسے اصطلاح صوفیہ میں سیر فی اللہ کہتے ہیں اور میری آنکھوں کو جو لوازم بندہ وحادث کی دیکھنے والی ہیں اونھیں لوازم بندگی کی خاک سے پُر کر دے تا کہ مجکو لوازم بندگی بالکل نظر نہ آئیں اور یہ قاعدہ ہی کہ جب خاک سے بصر پر ہو جاتی ہے تو بینائی کچھہ کام نہیں دیتی ہے۔ حمد کے یہ چند اشعار جو ان دونوں باکمالوں کے پیش کیے گئے اُن میں اتحاد مضمون تھا جس سے یہ ظاہر کرنا تھا کہ ایک ہی مضمون و مفہوم کون کس نکتہ سنجی سے ادا کرتا ہے

اب چند اشعار بلا مقابلہ ایسے نقل کئے جاتے ہیں جن کا مضمون باہم متحد نہیں ہے،

خسرو	نظامی
از تو خاکی خوش آتشی ناچیز	نام تو کابتداے ہر نام ست
بولہب خوار و بوتراب عزیز	اوّل آغاز و آخر انجام ست
ہر کرا شکر گوے خویش کنی	اوّل الاولی بسبق و شمار
نعمتش را بشکر بیش کنی	آخر الآخرے بآخر کار
وانکہ باشکر نبودش خویشی	ہر کسے نقشبند پردۂ تست
گوشمالی دہی بدرویشی	ہمہ ہیچند کردۂ تست
	ہمہ را روے با خدا دیدم
	واں خدا برہمہ ترا دیدم

مولانا نے دوسرے شعر میں ہوالاوّل وہوالآخر کے مضمون کو جس سہل ممتنع الفاظ میں فصاحت وسلاست کے ساتھ بیان کیا ہے اوس کی خوبی ذوق سلیم چاہتی ہے اسی طرح دیگر اشعار بھی اپنی اپنی روش میں ایک خاص معنی رکھتے ہیں۔

خسرو کے یہاں بھی پہلے شعر میں لف ونشر مرتب اور خاک وآتش خوار و عزیز کے تقابل کے سوا جو معنوی تناسب بولہب وبوتراب میں ہے اوس کی خوبی بیان نہیں ہو سکتی پھر خاک کی خوشی اور آگ کی ذلّت پر بوتراب کی عزت اور بولہب کی ذلّت کو شاہد بنانا ایسی حسن التعلیل ہے کہ اوس کا اظہار غیر ممکن ہے۔

نعت شریف

حمد کے بعد نعت کا مضمون گویا لازم و ملزوم کے مثل ہے ایک نکتہ داں شاعر نعت میں ایسے مضامین رنگینی کے ساتھ بیان کرتا ہے جن سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت آپ کی شان کی عظمت و جلالت ظاہر ہوتی ہے نیز وہ کمالات جو پیغمبر روحی فداہ کے ساتھ مخصوص ہیں اوس کا بیان بھی جذب قلوب کے لئے نعت کا ایک عنصر قوی ہے۔ اگر مضامین نعتیہ کی تحلیل کی جاے تو حسب ذیل اجزا اُس کے قرار پائیں گے۔

(۱) مرتبہ ایجاد میں ذات مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل و اوّل ہونا۔

(۲) رسالت و نبوت کا ذات اقدس پر خاتمہ۔

(۳) آپ کی رسالت کا عامہ و تامہ ہونا۔

(۴) آپ کی شریعت کا تمام شعبہاے حیات انسانی کے لئے ایک کامل دستور العمل ہونا

(۵) آپ کے اخلاق مثل شفقت، رحم، عطا، سخا، شجاعت، ہمت وغیرہ وغیرہ اور معجزات۔ انھیں مضامین سے رنگیں بیان شاعر نعت کا ایک روح پرور گلدستہ تیار کرتا ہے اِس مختصر تمہید کو یاد رکھتے ہوئے بلبلان گلزار مدینہ کی نغمہ سرائی سننا چاہیے

خسرو	نظامی
روشنائی دہ چراغ یقیں	نقطۂ خط اوّلیں پرکار
نور بینین و شمع بازپسیں	خاتم کار آفرینش کار

نظامی	خسرو
نو بر باغ ہفت چرخ کہن	نور او کز سپہر صد چند ست
دُرّۃ التاج عقل و تاج سخن	مہ شگاف و سپہر پیوند ست
	انبیا پیش آں خجستہ چراغ
	طفل گہوارہ در مقام بلاغ

مولانا نے اوّل ما خلق اللہ نوری اور خاتم النبیین کے مضمون کو نہایت پسندیدہ طور پر بیان کیا ہے اوّل و آخر کا مقابلہ نقطہ و خط کا تناسب نو و ہفت میں سیاقۃ الاعداد کا التزام جیسا کہ قادر البیانی کا مولانا کے ثبوت ہے ویسا ہی عقل و تاج سخن کا درۃ التاج کہنا ایک نکتۂ جاں نواز ہے۔

یہی مضامین اشعار خسرو میں ہیں یہاں مقصود کا بیان بدلالت التزامی ہے جس کا لطف ظاہر ہے پیشین و پسیں شگاف و پیوند کا تقابل روشنائی چراغ، نور و ماہ و سپہر کا تناسب مہ شگاف و سپہر پیوند کی تلمیح ایسے صنایع ہیں کہ شعرا کو جن کی بندش میں طرح طرح کی دشواریاں واقع ہوتی ہیں اور یہاں بے تکلف زبان قلم سے نکلا پڑتا ہے ان محاسن کے علاوہ مولانا کے مطلع کا پورا مضمون ایک خاص بلاغت کے ساتھ امیر خسرو کے یہاں صرف ایک مصرعہ میں ادا ہو جاتا ہے نور پیشین و شمع باز پسیں۔ پھر یہ کیسی بلیغ نعت ہے اور الخلق کلھم من نوری دسراجاً منیرا کی کیسی معنی خیز تفسیر بیشک آسی ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی تجلیاں ہیں جو انبیاے سابقین کی معصوم و مقدس حیات اور اُن کے

چشمۂ تبلیغ کی روانی و شیرینی ہمیں محسوس ہو رہی ہے اور بیشک یہ واقعہ ہے کہ ایک شمع سے ہزاروں شمعیں جگمگا اُٹھتی ہیں۔ پس وہ شمع جسے اُس حیّ و قیّوم نے عرب کے دو سوکھے پہاڑوں میں روشن کیا اُس سے بیشمار شمعیں روشن ہوئیں اور ہوتی رہیں گی ؎

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں　　ہر کجا مے نگری انجمنے ساختہ اند

پھر مہ شگاف کے لفظ میں معجزہ شق القمر اور سپہر پیوند میں آسمان کے خرق و التیام کی تلمیحیں حسن بیان کا نمک ہیں۔ تیسرے شعر کی چستی اور الفاظ کا باہم دست و گریباں ہونا ایسی وجدانی کیفیت ہے کہ اُس کا لطف بیان میں نہیں آسکتا۔ مضمون اس شعر کا ایسا بلیغ ہے جس پر صد آفرین و مرحبا۔ دیکھو تمام انبیاء علیہم السّلام کی تبلیغ ایک خاص قوم تک محدود تھی اور اُن کی شریعت ایک خاص دور ایّام کی مصلح۔ ان انبیاء علیہم السّلام کا کیا ذکر جن کی تبلیغ و تعلیم سے اُمت محروم رہی اور اُنھیں اپنی اُمت ہی کے ہاتھوں جام شہادت پینا پڑا۔ اُن اولو العزم انبیاء علیہم السّلام کو دیکھو جن کی دعوت تبلیغ کو لبیک کہا گیا کہ افرادِ اُمت میں سے کسقدر اُن کے متبع ہوئے اور متبعین پر کہاں تک اُس تعلیم کا اثر تھا۔ بنی اسرائیل کا موسیٰ سے یہ کہنا کہ یا موسیٰ اجعل لنا الٰھاً کما لھم آلھہ۔ (یعنی اے موسیٰ ہمارے لیے بھی تو ایک ویسا ہی معبود تیار کر جیسا کہ اُن لوگوں کا معبود ہے) اور عیسائیوں کی تثلیث کیا ظاہر کرتی ہے۔

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جل مجدہ نے خاتم النبیّین، کافۃ للناس، رحمۃ للعالمین فرما کر آپ کے دامن رسالت کو ایسا وسیع فرما دیا کہ تمام عالم علوی و

سفلی اوس کے سایہ رحمت میں تا یوم محشر آ گئے دعوت تبلیغ وتاثیر توحید کا نقش دیکھنا ہو تو مہاجرین وانصار کا تصوّر کر لو۔ آغاز اسلام میں کیا کچھ مصائب ان نفوس قدسیہ پر نہ گذر گئے مگر توحید سے ذرہ برابر جنبش نہوئی آج بھی کلمۂ شہادت کا اقرار خالص توحید کا ثبوت دے رہا ہے اس شعر کو اب پھر پڑھو ؎

انبیا پیش آں خجستہ چراغ　　طفل گہوارہ در مقام بلاغ

رسالت ختم المرسلین کے کیسے دقیق نکتوں کی طرف اشارہ ہے فتدبروا یا اولی الابصار

خسرو	نظامی
خاتم چرخ زادہ زانگشتش	اوّلیں گل کہ آدمش بفشرد
پدر او چکیدہ از پشتش	صاف او بود دیگراں ہمہ دُرد
اوست جانے کہ قالبش بیقیں	وآخریں دور کاسماں براند
جان روح القدس ست روح امیں	خطبۂ خاتمیت او خواند
	ایں جسد را حیات ازاں جانست
	ہمہ تختند و او سلیمان ست

مولٰنا کے اشعار میں اول وآخر صاف و درد جسد وجان کا تقابل اور خاتم و سلیمان وتخت کا تناسب لفظی ومعنوی نہایت ہی پسندیدہ ہے۔ وجود باجود کو اصل الاصول اور بدایت ونہایت کا ذات اقدس سے تعلق ثابت کرنے کے لئے جو الفاظ جمع کئے ہیں ہر ایک اون میں سے ایک درخوش آب (ہمہ تختند و او سلیمان ست) ہیں

ایک نئی ترکیب سے سلطان کونین کی حکمرانی ظاہر و باطن کا اظہار۔

مگر خسرو نے اس موقع پر نازک خیالی اور مضمون آفرینی کی جدّت کو اوج کمال پر پہونچا دیا ہے دونوں کے پہلے شعر کو پڑھو ذات گرامی روحی فداہ کے اصل ہونے کو جس طرح خسرو نے بیان کیا ہے اوسکی بلندی علانیہ پاؤ گے۔کنت نبیا و آدم بین الماء والطین۔انا من نور اللہ والخلق کلّہم من نوری کی تلمیح کیسی لطیف ہے حضرت عیسیٰ جن کا لقب روح اللہ اور حضرت جبرئیل جن کا لقب روح الامین ہے اون کی جانوں کو جان نازنین کا قالب قرار دینا اشعار نعتیہ کی روح ہے۔

خسرو	نظامی
امّی و حرف سنج تخت کُن	امّی و امّہات را مایہ
قلمش راست کار و راست سخن	عرش سایہ است عرش را سایہ
کاف و نون یک قم ز نامۂ او	پنج نوبت زن شریعت پاک
لوح محفوظ زیر جامۂ او	چار بالش نہہ ولایت خاک
بہترین نقطۂ رسل بشمار	ہمہ ہستی طفیل او مقصود
آسماں دائرہ است و او پرکار	او محمدؐ رسالتش محمود

مولانا کے اشعار میں امّی و امّہات محمد و محمود کا اشتقاق پنج نو اور چار میں سیاقۃ الاعداد مثنوی کا زیور ہے۔لیکن آپ کے اُمّی ہونے پر آپ کو مایۂ اُمہات جو کہا ہے ایسی عجیب و غریب نعت ہے کہ مولانا غالباً اُس کے موجد ہیں۔فقیر کے علم میں

کسی دوسرے شاعر نے اس لفظ کو اس طریق سے نہیں باندھا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ان دونوں فدائیان رسول نے نظم میں بیان کیا ہی نثر میں ایسی تصویر کشی کی جائے کہ تمام خط و خال اُس کے واضح ہو جائیں لیکن مدعی متعصب کا خیال قلم روکتا ہے اس لئے صرف ایک اشارہ کرتا ہوں کہ اصطلاح شعرا لفظ امہات میں ارباب فلاسفہ سے الگ ہے حکما کی اصطلاح میں امہات سے مراد اربعہ عناصر ہوتے ہیں لیکن شعرا کے نزدیک کبھی اس کا اطلاق عالم علوی و عالم سفلی پر ہوتا ہے اور کبھی امہات سے امہات اسماء مراد ہوتے ہیں جو موافق مذہب صوفیہ الاوّل و الآخر و الظاہر و الباطن یہ چار اسماء الٰہیہ ہیں ان لطیف اشارات کا لحاظ رکھتے ہوئے شعر پڑھیے اور ہزاروں داد دیجئے۔

خسرو بھی علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں۔ امّی ہونے پر عالم ماکان و مایکون ہونا لوح محفوظ کا آپ کے زیر خامہ ہونا بہترین نعت ہے اس پر لوح و حرف تختہ و قلم کاف و نون نقطہ و دائرہ و پرکار کا تناسب نہ پنج میں سیاقۃ الاعداد ان صنائع نے مثنوی کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے لیکن مایہ امہات جو تاثیر بے اختیار پیدا کرتا ہے وہ لطف کہاں۔

خسرو	نظامی
ختم پیغمبران یار خدائے	شاہ پیغمبراں بہ تیغ و بہ تاج
گمرہاں را بصدق راہ نمائے	تیغ او شرع و تاج او معراج

خسرو	نظامی
منکر شرع راز اصل و زفرع	امر و نہیش براستی موصوف
سرزدہ ہم بتازیانۂ شرع	نہی او منکر امر او معروف
بہدایت دلیل بے دیناں	ہر کہ برخاست میفگندش پست
بشفاعت پناہ مسکیناں	وانکہ او فتاد میگرفتش دست
چوں بحجت زہر دعوی خاست	تیغ ازیں سو بقہر خوں ریزی
حجت اورا درست و دعوی راست	رفق ازاں سو بمرہم آمیزی
درجہاں گیری از زبر تا زیر	مرہمش جاں نواز تنگدلاں
ہم زبانش درست و ہم شمشیر	آہنش بند سارے سنگدلاں

سیاست نبوی کا سیاست سلطانی سے جس خوش اسلوبی سے فرق بتایا ہے وہ قابل لحاظ ہے جس نے غزوات کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہوگا اس مقام کا لطف اوسے آئیگا ستم شعاروں کی سرکوبی کے ساتھ مجروح دلوں پر رحمت و شفقت کا کیسا پھایا رکھا ہے۔ ان باکمالوں نے حمد و نعت میں مسائل صحیحہ کی ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ اگر صحیح مذاق سے ان کی کتابیں پڑھی جائیں تو بہت کچھ عقل کی روشن کرنے والی باتیں معلوم ہوں باعتبار مضمون و مفہوم دونوں حضرات کے اشعار یکساں ہیں لیکن شاہ پیغمبراں میں وہ قوت نہیں جو ختم پیغمبراں میں ہے۔ اسی طرح خسرو کے اس مصرعہ میں کہ "بشفاعت پناہ مسکیناں" جو شان رافت و رحمت عیاں ہے وہ "مرہمش جاں نواز تنگ دلاں" سے زیادہ ہے۔

نعت میں بھی تقریبًا وہ اشعار لکھ دیے گئے جن کے مضمون باہم مشترک تھے
ب خسرو اقلیم سخن کے اوس نعتیہ مضمون کو دیکھو جس کے یہ خود موجد ہیں اور تمام
متاخرین اسی چمن ہمیشہ بہار کے گلچین ہیں۔

میم احمد کہ در احد غرق ست — کمر خدمت از پئے فرق ست
احمد اندر احــد کمر بند ست — یعنی ایں بندہ آں خداوندست

احد و احمد کی تجنیس زائد بندہ و خداوند کا تقابل این و آں اور کمر و کمر بند کا
تناسب گویا انکا روزمرّہ ہے لیکن دوسرے مصرعہ کے پئے و فرق کے الفاظ صنعت
تقابل کے ساتھ ممکن کو واجب سے حادث کو قدیم سے عبد کو معبود سے جس طرح
ممتاز کر رہے ہیں اوس کی داد دی نہیں جاسکتی۔

قران کریم نے جہاں کہیں مراتب مخصوصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان
فرمائے ہیں وہاں ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ عبد سے یاد فرمایا ہے مثلًا معراج
کا جہاں بیان ہے وہاں یوں ارشاد ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلًا من المسجد الحرام
اسی طرح انتہائے مقام قرب و اختصاص کو یوں فرمایا ہے فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ۔
اس نکتہ کو ملحوظ رکھ کر اس بیان کی داد دیجئے کہ احمد کا میم جو احد کے وسط میں
ہونے کی وجہ سے گویا احد میں فنا ہو گیا ہے فی الحقیقت وہ میم احد و احمد خداوند و بندہ
کے فرق و امتیاز کے لئے خدمت و عبادت کا پٹکہ ہے تاکہ خلق جان لے کہ احمد بندہ
اور احد خداوند [illegible] ہمہ وقت [illegible] خداوند [illegible] کمربستہ و مستعد ہے۔

منقبت

جس طرح حمد کے بعد نعت کا مضمون لازم ہے اسی طرح مضامین نعتیہ کا ایک قوی عنصر خلفاے اربعہ و دیگر اصحاب کرام کی منقبت ہے کوئی نعت اصحاب کی مدح سے خالی نہیں ہوتی۔ مولنا نظامی نے چار یار باصفا کی منقبت صرف ایک شعر میں مجملاً بیان فرمائی ہے ؎

چار یارش گزیں با صل و بہ فرع
چار دیوار گنج خانہ شرع

لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے یہاں بھی حسن بیان و زور کلام کا دریا بہا دیا ہے ملاحظہ ہو ؎

چار یارش بچار سوے زمیں
چار رکن چہار صفۂ دیں

اوّل آں اولیں خلیفہ کار
ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

دوم آں کز شکوہ پایۂ او
دیو بگریختہ ز سایۂ او

سوم آں جامہ جریدۂ پاک
چاشنی گیر خوان ارسلناک

چارم آں قصر وحی را دہلیز
در علم و کلید خیبر نیز

آنکہ پاکند پاک کیشانند
رضی اللہ عنہم ایشانند

مذکورہ اشعار میں صنایع لفظی و معنوی تناسب و تقابل سیاقۃ الاعداد و تلمیحات عجیبہ جس قدر موجود ہیں اون کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ ہاں دوسرا شعر جو خلیفہ اوّل کی مدح میں لکھا ہے وہ خسرو کا حصہ ہو گیا منقبت میں پوری آیۃ کریمہ ثانی اثنین اذ ہما فی الغار کو بحر مثنوی میں موزوں کر کے تلاوت کرنا دراصل اس مدح کی کرامت اور مبدء

فیاض کے فیض خاص کا اثر ہے اوّل کو ثانی قرار دیکر لاثانی ثابت کرنا خسرو قلیم سخن کا وہ انداز بیان ہے جس میں غیر کی شرکت پائی نہیں جاتی۔ علیٰ ہذا خلیفہ چہارم حضرت مولیٰ علی کی منقبت میں قصر و دہلیز و در کا تناسب اور آپ کو در علم و کلید خیبر کہنا ایک بے مثل بیان ہی آپ کے عقد میں جگر پارۂ نبوی بضعۃٌ منّی حضرت سیدۃ النسا فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور حضرت مولیٰ حضور اقدس کے ساتھ اخوت کی قرابت بھی رکھتے تھے اسلئے آپ کو وحی الٰہی کے محل عرش منزل کا صحن خانہ کہنا اور انا مدینۃ العلم و علی بابہا کے اعتبار سے در علم قرار دینا ایسا ہی بیان واقعہ ہونے پر روحانی لطیفہ ہی جس طرح خیبر کشائی کی صفت کو کلید خیبر کے استعارہ سے ظاہر کرنا ایک رنگین دقیقہ ہے۔

اہل معانی کے نزدیک کسی آیۃ یا حدیث یا دعا کے پورے جملے کو بے تبدل و تغیر کسی شعر میں موزوں کر دینا شاعر کا کمال سخن سمجھا جاتا ہی اس کمال کی بہترین مثال یہاں دوسرے شعر کے دوسرے مصرعہ اور آخر شعر کے آخر مصرعہ میں موجود ہی۔

معراج

معراج کا مضمون فی الحقیقت نعت اقدس کا ایک جز ہی لیکن شعرا نے اسے ایک مضمون مستقل قرار دیکر علیحدہ عنوان سے بیان کیا ہی اس میں حسب ذیل مقاموں کے بیان سے داد نازک خیالی و سخن آفرینی دیجاتی ہی (۱) شب معراج کی تعریف (۲) جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری اور اُن کی گذارش (۳) وصف براق (۴) مقامات سیر منازل سیارگان (۵) سیر عرش (۶) مقام قاب قوسین (۷) لامکان (۸) وصل و وصال و تکمیل و کمال (۹) رجوع بعالم صورت

باہزاراں دولت (۱۰) و قفف دولت معراج برامت گنہگار۔

معراج کا عنوان قایم کرتے ہوئے دونوں حضرات کی شاعرانہ قوت نے جو عروج اختیار کیا ہے اوس بلند خیالی تک تو اس بینوا کی فہم پہونچنے سے قاصر ہے۔ بادۂ توحید مئے عرفان کا وہ جوش ہی کہ اوبلی پڑتی ہی منسلک نظم میں الفاظ کے موتی نہیں ہیں بلکہ حقایق و معارف کے خم کے خم ہیں زہے قسمت اگر اُس کا ایک جامِ روحانی کسی کو نصیب ہو جاے ارباب فہم و ذکا اگر صحیح مذاق کے ساتھ دونوں حضرات کے پورے کلام کا مطالعہ کریں تو لطف بیان سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔

فن شاعری میں یہ بھی ایک خاص صنعت ہی کہ کسی مضمون کا اختتام اِس طرح ہو کہ آیندہ مضمون کا اوس سے اظہار ہو جاے اور ماسبق کی انتہائی کڑی ماتحت کے ابتدا سے ملکر سلسلۂ کلام کو مسلسل کر دے قصیدے میں اسی صنعت کو گریز کہتے ہیں اس صنعت کا لحاظ رکھتے ہوے مولٰنا نظامی نعت شریف کا خاتمہ اس شعر پر فرماتے ہیں ؎

چوں نگنجید در جہاں تاجش بخت بر عرش کرد معراجش

اسکے بعد جبریل آمیں کی تشریف آوری اور اُن کی گذارش بیان کرتے ہوئے اُس رات کی تعریف صرف ایک شعر میں تمام کر دیتے ہیں ؎

شب شب قدر وقت وقت دعاست یافت خواہی ہر انچہ خواہی خواست

خسرو علیہ الرحمۃ نعت گرامی اس شعر پر ختم کرتے ہوئے کہ ؎

گر بود ہر دم آسماں را تاج جز محمدؐ کراست ایں معراج

شب معراج کے وصف میں فرماتے ہیں ؎

فرخ آں شب کہ آں چراغ دو کون
زد بقندیل عرش پرتوِ عون

شب چو بر سر نہاد چتر سیاہ
چتر اسریٰ کشید بر سرِ ماہ

جلوہ گر شد بہ لاجوردی سریر
دولتش زیں سرائے دامنگیر

شب او گشتہ زیور ماہش
نور او گشتہ مشعل راہش

در دل شب ز پرتوِ آں نور
حرف باریک غیب خواندہ ز دور

شب ۔ چراغ ۔ قندیل ۔ نور ۔ مشعل و پرتو کا تناسب ۔ چتر اسریٰ کا ایہام و تلمیح گویا عارض نظم کے رخ افروز خط و خال ہیں بظاہر اشعار کا یہ مفہوم متبادر ہوتا ہے کہ رات کی سیاہی اور چاند کے سریع السیر ہونے کا بیان ہے ۔ اصطلاح عرب میں سرے و اسریٰ رات کے سفر کرنے کو کہتے ہیں ، لیکن حقیقتاً چوتھے شعر میں شب ، ماہ و نور کا جو استعارہ ہے اُس کے لحاظ سے بطریق ایہام اشعار کے معنی یہ ہوئے کہ جب شب کی تاریکی عالم پر چھاگئی اور ماہ فلک تیزروی سے قطع منازل کر کے روپوش ہوگیا اس وقت ماہ دنیٰ فتدلیٰ نے سر پر تاج سبحان الذی اسریٰ بعبدہ کا رکھ کر عالم بالا کا سفر شروع کیا اور آپ کی شاہد دولت یعنی ذات اقدس جس وقت آسمان کے تخت لاجوردی پر جلوہ آرا ہوئی تو اوس وقت گیسوے عنبریں جو واللیل اذا سجیٰ کے مظہر تھے ماہ رخسار پر جو والشمس والضحیٰ کا پرتو ہیں تجلّی آرا ہوئے ۔ آپ کے پرتو انوار سے وہ شب سیاہ اس قدر منور و تاباں ہوگئی کہ غیب کے اسرار خفیہ بھی دور سے پڑھے جاتے تھے ۔ ان

اشعار میں جن کمالات محمدیہ کی طرف اشارہ ہی اوسے فطرت سلیم ہی سمجھہ سکتی ہی۔

مولٰنا نظامی علیہ الرحمۃ نے جبریل امین کی گذارش چند اشعار میں بیان کی ہے اور رات کے متعلق صرف ایک شعر پر ختم کر دیا ہی۔ خسرو علیہ الرحمۃ نے جبریل کی گذارش میں صرف ایک شعر پر اکتفا کیا ہی اور رات کے متعلق چند اشعار لکھے ہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ نہیں کہی جاسکتی۔ بہرحال جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری یا براق کی صفت یا منازل سیّارگان میں جو شاعرانہ قوت کا اظہار کیا گیا ہی اوسے ترک کرتا ہوں اور صرف اون مقامات پر جہاں زورِ طبیعت کا اصلی جوہر کھلتا ہی اکتفا کرتا ہوں۔

سیرِ عرش

خسرو	نظامی
عرش بر از جنیبہ بارش را	قطرہ قطرہ ازاں محیط گذشت
پاے گم شد جنیبہ دارش را	قطرہ بر قطرہ ہر چہ دید نوشت
روش افگند زآفتاب حضور	چوں درآمد بساق عرش فراز
بر قنادیل عرش پرتو نور	نردباں ساخت از کمند نیاز

سیرِ عرش اگرچہ دونوں حضرات نے ایک نئے انداز سے شروع کی ہی اور ہر ایک اپنے اپنے انداز میں کامل ہی لیکن مولٰنا کا اوّل شعر اوس کمال کا نمونہ ہی جس میں کسی غیر کی شرکت ممتنع تسلیم کی گئی ہی۔ ہاں خسرو کے دوسرے شعر میں البتہ مولٰنا کے دوسرے شعر سے ترقی نمایاں ہی لیکن مولٰنا کے پہلے شعر کا سرور ایسا غالب ہی کہ اوس کی لذّت

کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام افلاک سے ایک چشم زدن میں گذر جانا اور پھر ہر ایک کا تفصیلی ملاحظہ کس بلاغت وسلاست سے بیان ہوا ہی سبحان اللہ۔

اصطلاح میں قطرہ قطرہ اور ذرہ ذرہ کسی کام کا کرنا اوس وقت کہا جاتا ہی جبکہ اوسے بالاستیعاب اس طرح انجام دیا جائے کہ ذرہ برابر بھی اوس کے تکملہ سے رہ نہ جاے اور قطرہ بر قطرہ کی اصطلاح نہایت ہی تیزروی و تیزدوی کے معنون میں مستعمل ہے اب شعر پڑھئے پہلا مصرعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مقام سیر میں کیا فلک اور کیا سیارہ اوس سے اس طرح گذرے کہ ایک ذرہ برابر بھی ملاحظہ سے نہ چھوٹا اور دوسرا مصرعہ اوس تیزروی کو بتاتا ہی جس سرعت سے یہ مقامات طے کئے گئے کسی محیط سے قطرہ قطرہ گذرنا اور اوس کے ہر حصہ کو قطرہ بر قطرہ طے کرنا کیسا بلیغ استعارہ ہی

مقام قاب قوسین

خسرو	نظامی
جلوہ کرد از برائے کونینش	قاب قوسین او در آں اثنا
سر بدرگاہ قاب قوسینش	از دنیٰ شد بقابِ او ادنیٰ

اس مقام کا بیان دونوں حضرات نے سرسری طور پر معمولی الفاظ میں کیا ہی۔ کوئی خاص لطف کہیں نہیں ہی لیکن عبودیت کی شان خسرو کے شعر میں نمایاں ہی اس بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ خسرو کا شعر بہتر ہے۔

مقام وصل و وصال و تکمیل و کمال

نظامی

چوں حجابِ ہزار نور درید
دیدہ در نور بے حجاب رسید
گامے از بود خود فراتر شد
تا خداوندیش میسّر شد
از نبی جز نفس نبود آنجا
ہمہ حق بود و کس نبود آنجا
شربتے خاص خورد و خلعت خاص
یافت از قرب حق زہے اخلاص
جامش اقبال و معرفت ساقی
ہیچ باقی نماند از باقی

خسرو

شد بجائے کہ جاں نمی گنجد
خود ہم اندر میاں نمی گنجد
دیدہ را نور لایزالی داد
سینہ را سرّ ذوالجلالی داد
چوں زعالم بروں نہاد قدم
پیش رو شد بہ پیشگاہ قِدم
یافت در خود متاع موزوں را
دید بیشک خدائے بےچوں را
نکتہ برخواند بے وکالت ہوش
قصہ بشنید بے میانجی گوش
گوش کے سرّ غیب را سنجد
بحر اندر صدف کجا گنجد

اس مقام کا بیان جہاں کہیں بھی پایا جاتا ہی وہاں اسی طرح کے اشارات و کنایات ہیں سب سے پہلے قران کریم کی طرف دیکھو مقام قرب کا کس طرح بیان فرمایا ہی فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ پہلے امکان و حدوث کا وجوب و قدم سے قرب کان

قاب قوسین سے تعبیر فرمایا اُس کے بعد او ادنیٰ کہہ دیا جہاں پہونچکر فہم گم عقل حیران تکمیل وکمال کا بیان بھی اسی طرح ہی فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ احادیث مصطفویہ بھی اسی انداز خاص سے آیات کی مفسر ہیں۔ جہاں تک سیر کا تعلق ہے وہاں الفاظ صاف، بیان واضح لیکن جہاں اس مقام کا بیان آیا وہاں پر عقل خیرہ اور علوم متداولہ بیکار۔ جس نے جو کچھ سمجھا اور جو کچھ کہا وہ نتیجہ اُن علوم کا نہ تھا جو نقوش و خطوط سے حاصل ہوتے ہیں پھر اونھیں نقوش و الفاظ میں کیونکر ظاہر کیا جائے یہ حضرات جو کچھ فرما گئے اور مراتب و آداب جس طرح ملحوظ رکھے وہ اُن کی پاکیِ نفس کی دلیل ہے۔

مولانا نظامی نے فنائیت ومحویت مطلقہ کے ساتھ وحدت وجود کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے عبد ومعبود کے فرق کو جس بلاغت و نازک خیالی سے ادا فرمایا ہی اس سحر آفرینی کی داد دی نہیں جاسکتی۔ دوسرے شعر کو پڑھو ؎

گامے از بود خود فراتر شد   تا خداوندیش میسّر شد

یعنی جب وہ نور ہزاروں حجابات نورانی طے کرتا ہوا بے حجاب نور تک پہونچا تو اپنے بود سے ایک قدم اور آگے بڑھا یہاں تک کہ اوسے خداوندی حاصل ہوئی لفظ بود جو مصرعہ اوّل میں ہی یہ لفظ وجود کا فارسی ترجمہ ہی وجود کے معنی مختلفہ کی طرف غور کرو پھر لفظ خداوند و خدا کے حقیقی معنی میں جو فرق ہی اوسے سوچو علواً کبیراً کی تفسیر واضح ہو جائیگی بارگاہ قدم کے عظمت وجلال کا نقشہ آنکھوں میں پھر جائیگا اور بے اختیار دل سے آداب مراتب کی داد نکلے گی۔ پانچویں شعر میں جو کیف و سرور ہی وہ صرف لفظ

باقی سے ظاہر ہوتا ہی۔ یہاں پر لفظ باقی جو قافیہ ہی اوس سے جن معانی کا ایہام ہوتا ہی اُن میں سے ہر معنی موج خیز خمیازہ مستی و سرور ہی۔

اب خسرو کے اشعار پڑہو اسی مقام کا بیان ہی کلام کی فصاحت، بیان کی سلاست الفاظ و ترکیبوں کا باہمی پیوند، بندش کی چستی اور معانی کی آمد ایک بحر زخار ہی کہ موجیں مارتا چلا آ رہا ہی اس مقام کے بیان میں کمال بلکہ بیان کی جان آداب مراتب کا پاس و لحاظ ہی اس کی نگہہ داشت مولنا کے اشعار میں تم دیکہہ چکے۔ خسرو کے اشعار میں اگرچہ وہ رنگینی و مرصع کاری نہیں جو مولنا کے اشعار میں ہی لیکن بیان کی روح جس روانی و صفائی کے ساتھ یہاں پاؤگے وہ اپنی نظیر آپ ہی۔ پہلے شعر کو پڑہو۔ لفظ شد جس سے بیان شروع ہوتا ہی اُس کو ذہن میں رکھتے ہوے دوسرے مصرعہ کو سوچو مقام وصل کو کس ادب سے بیان کیا ہی علیٰ ہذا چوتھے شعر کا پہلا مصرعہ ایک خاص بلاغت کا نمونہ ہی متاع موزوں کو اپنے آپ میں پانا کیسا نادر لطیفہ ہی اب دوسرا مصرعہ اسی شعر کا پڑہو اور ہزار مرحبا کہو وصل و وصال کا بیان ختم ہوتا ہی سب کچھہ کہہ گئے اور آخر میں یہ فرماتے ہیں کہ "بحر اندر صدف کجا گنجد" یعنی صدف بحر میں پایا جاتا ہے بحر کی سمائی صدف میں کہاں ممکن۔ صرف اس ایک ہی مصرع میں آداب کے تمام مراتب طے کر دیے اور معارف و حقایق کا ایک دریا بہا دیا۔ مجھہ میں بیان کی کہاں طاقت ہے تم خود سوچو اگر مسائل و مقامات تصوف کے صحیح معلومات ہیں تو بے اختیار کہہ اوٹھوگے کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں بلکہ کوئی ہاتف غیبی بول رہا ہی۔

رجوع بعالمِ صورت

نظامی

با مدارائے صد ہزار درود
آمد از لوح آں مدار فرود
ہرچہ آورد بذلِ یاراں کرد
وقف کار گناہ گاراں کرد

خسرو

یا ہزاراں ہزار نقد مراد
در شبستانِ دولت آمد شاد
بہرہ داد از رہِ جوانمردی
رہ رواں را ازاں رہ آوردی
کرد چوں بخشش خاصگاں ہمہ چیز
داد بخشش گناہ گاراں نیز

روایات معراج اگر محفوظ ہوں تو ان تلمیحات کا لطف ہے جس وقت دربارِ الٰہی سے السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا خلعت خاص عطا ہوا اُس وقت اُس اُمت نواز پیغمبر نے فرمایا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین یعنی یہ سلام ہم سب پر اور خدا کے صلحا بندوں پر۔ بجائے عَلَیَّ یعنی مجھ پر کے جو علینا یعنی ہم سب پر فرمایا اس رحمت وسلامتی کے دامن میں تمام امت گنہگار کو چھپا لیا۔ اشعار مذکورہ میں انھیں بذل و نوال کی تلمیح ہے دونوں کے اشعار میں ایک ہی مضمون اور ایک ہی مفہوم لیکن خسرو نے الفاظ ایسی روش سے آراستہ کئے ہیں جس سے تاثیر زیادہ ہوگئی۔

⁂

مدح سلطان

حمد نعت و معراج کے بعد شعرا نے مدح سلطان وقت بھی ضرور لکھی ہے اور یہی وہ مضمون ہے جو سارے کلام میں روکھا پھیکا اور سیٹھا ہوتا ہے۔ علی الخصوص متاخرین کے کلام میں تو ایسی بدمزگی پائی جاتی ہے کہ منھ بگڑ جاتا ہے۔ ممدوح کی تعریف میں مبالغہ و اغراق کرتے ہوئے انبیا علیہم السلام پر فضیلت دیتے ہیں پھر اس سے سیری نہیں ہوتی تو صفات اُلوہیت اُس میں ثابت کرتے ہیں کلمات کفریہ کہنے سے بھی باک نہیں رکھتے۔

جب اُس کے سراپا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اُن کا قلم ایسا حلیہ کھینچتا ہے جو کسی معشوق طناز سراپا ناز و ادا کی شکل موزوں ہو۔ بیان جب واقعات سے اس قدر مبائن ہوگا تو لازمی نتیجہ بدمزگی ہے۔ مثلاً اگر پانی کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ زرد رنگ منجمد مثل پتھر کے سخت آگ کی طرح جلانے والا ہے تو یہ کوئی تعریف پانی کی نہوئی بلکہ کائنات میں سے کسی ایسی موجود کی یہ تعریف کی گئی جس کا اسم مجہول ہے۔ بہر حال متقدمین کا کلام پھر بھی کچھ جان رکھتا ہے اسی بنا پر چند اشعار جستہ جستہ دونوں حضرات کے جو مدح سلطان میں لکھے گئے ہیں پیش کرتا ہوں۔

تمہید مدح

خسرو	نظامی
مشتری کوست کاروانِ سپہر	چوں اشارت رسید پنہانی
دوش سوے من آمد از سرِ مہر	از سراپردۂ سلیمانی

نظامی	خسرو
برگرفتم چو مرغ بال کشائے	گفت کالے از ضمیر دریا کار
تا کنم بر در سلیماں جائے	گشتہ بازارگانِ دریا بار
در اشارت چناں نمود برید	زآتش طبع یافتہ جاوید
کہ ہلالے برآورد شب عید	روز بازار گرم چوں خورشید
آنچناں کز حجاب تاریکی	آمدم تا رواج دُرِّ ثمیں
کس نہ بیند در و ز باریکی	سوئے گردوں برم متاع زمیں
تا کند صید سحر سازی تو	گوہرے دہ کہ چرخ تاب بود
جادواں را خیال بازی تو	درخور گوش آفتاب بود
عطسۂ دہ زکلک نافہ کشائے	آں گہرہا کہ آسماں تاب ست
تا شود باد صبح غالیہ سائے	کہنہ وزرد و خورد و بے آب ست

دونوں حضرات کی تمہیدیں اپنی اپنی روش میں جداگانہ انداز رکھتی ہیں۔ حضرت نظامی کے یہاں قاصد کی زبان سے مدح کی فرمائش ہے اور دربار خسروی میں مشتری جو قاضی فلک ہے وہ حاضر ہو کر آسمان کی زیب و زینت کے لئے گوہر گرانمایہ کا ملتمس ہے مولانا کا چھٹا شعر خاص بلاغت کا نمونہ ہے لیکن بحیثیت مجموعی خسرو کی تمہید مولانا کی تمہید سے افضل ہے۔ مگر آئندہ مولانا نظامی نے تمہید کو بہت زور دے کر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

نام ممدوح

خسرو	نظامی
جم ثانی علائے دنیا و دیں	عمدۃ الملکت علاؤ الدیں
آسماں خاتم آفتاب نگیں	حافظ و ناصر زمان و زمیں
بادشاہ جہاں محمد شاہ	نامِ او زینتِ علا دارد
سائبانِ جہاں بچترِ سیاہ	گر گزشت از فلک روا دارد
مہ سپہر منورش خواندہ	فلکِ بے علاقہ دار دیست
دیں علائے مصورش خواندہ	در علائے فلک بلندی ہست

دونوں کے ممدوح میں اتفاق سے مشارکت اسمی ہے۔ اس لئے موازنہ کا موقع پورا ہے کہ کس نے نام کس طرح موزوں کیا اور اس سے کیا کیا نکات پیدا کئے اگرچہ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی طبیعت بادشاہوں کی مدح میں کند ہو جاتی ہے اسی لئے ان کے قصائد میں بھی خاص مدح کا حصہ کمزور ہوتا ہے یہی حال ان کا مثنوی میں بھی ہے کہ بادشاہ کی تعریف میں جوش و خروش نہیں پایا جاتا۔ باوجود اس کے کہ اسی ممدوح کے رعایا ہیں اراکین دولت میں شامل ہیں پھر بھی قلم شاعرانہ انداز سے مدح سلطان میں رواں نہیں پایا جاتا۔ لیکن اگر کہیں متوجہ ہو گئے ہیں تو کسی سے کم بھی نہیں رہتے ہیں جیسا کہ اس مقام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پلّے برابر ہیں کسی کو کوئی ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

سخاوت

نظامی	خسرو
بادشاہاں کہ در جہاں ہستند	ابر با ایں ہمہ زبر دستی
ہر یک ابرے بدست بر بستند	گرد در پیش دست تو پستی
دست ابرِ تو ابرِ نیسانست	داد دریا کفِ تو دُر بہوس
واں دگر ابرہا زمستانست	کفِ دریا چہ داد مشتے خس
آبِ چشمہ کہ آب پاکی شد	ابر باری تو زاں کفے چو سحاب
با تو چوں آبِ چشم خاکی شد	ابر بار دو وے سوار کے آب

مولٰنا نظامی نے ممدوح کے ہاتھ کو ابر نیساں اور دوسروں کے ہاتھوں کو ابرہاے زمستان جو کہا ہے وہ عجب لطیف استعارہ ہے۔ اسی طرح چشموں کے آب کو پاک وصاف مان کر آب چشم و سرشک بنا دینا اور پھر اُن کا خاکی ہوجانا نہایت ہی پسندیدہ اور لطیف خیال ہے اُس پر چشمہ و چشم کی تجنیس سبحان اللہ۔ خسرو کے یہاں زبردستی وپستی کا تقابل پیش وپستی سے پس کا تضاد، لفظ کف کی تجنیس تام و مثال بے مثل ہے۔ نفس مفہوم کسی طرح مضمون سابق سے کم نہیں

کمال تیراندازی

نظامی	خسرو
نوکِ تیرش بھر کجا کہ شتافت	نوک پیکانش در مقام ہنر
گہ جگر دوخت گاہ موئے شگافت	بردہ داغِ کلف زروے قمر

نظامی

تیرش از دست گرگ و پائے پلنگ
بر سم گور کردہ صحرا تنگ

مولنا نظامی کے اشعار میں دست و پا و سم اور گرگ و پلنگ و گور کا تناسب پسندیدہ ہے اور نفس مضمون سے ایک خاص خوبی ظاہر ہے یعنی اُس کی تیراندازی کا کمال میدان جنگ اور صید و حوش و سباع دونوں میں بے نظیر ہے۔ خسرو نے ایک ہی شعر میں غلو و اغراق کے ساتھ نوک تیر کے کمال کو اپنے فن و ہنر میں اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ اُس سے زیادہ اوج دشوار سمجھا جاتا ہے۔

تیغ زنی

خسرو	نظامی
تیغش ار بر کہ سیلم شدہ	بازی خرس بردہ از شمشیر
کوہ چوں آسیا دو نیم شدہ	خرس بازی در آوردہ بہ شیر
تیغ در محش کہ خصم را سودند	شہ چو دریاست بے دروغ و دریغ
مار مسکوب و ظل ممدودند	جزر و مدش بہ تازیانہ و تیغ
زد بیک چاشنیِ تیغ چو آب	ہر چہ آرد بزخم تیغ فراز
فتنہ در خواب رفت مست و خراب	بسرِ تازیانہ بخشد باز

نظامی

فتح بر خاکِ پائے او زدہ فرق

فتنہ در آبِ تیغ او شدہ غرق

مولانا نظامی نے ایک سے نئے انداز سے تلوار کے جوہر دکھائے ہیں پہلے شعر کا مفہوم بالکل نیا اور تازہ ہے بازی خرس و خرس بازی کی ترکیب و تقلیب سے ایک خاص لطف پیدا کیا ہے خرس بازی وہی خرسک بازی ہے جو اساتذہ کے کلام میں موجود ہے اور وہ لڑکوں کا ایک خاص کھیل ہے۔ خرس مکر و حیلہ میں ضرب المثل ہے اس لئے لفظ خرس بازی مکر و فریب کی جگہ بولا جاتا ہے علی ہذا دوسرے شعر میں تازیانہ و تیغ کا جزر و مد بطریق لف و نشر مرتب و تقابل ایک بے مثل بیان ہے مگر آخر شعر کا آخر مصرعہ "فتنہ در آبِ تیغِ او شدہ غرق" ایسا سہل ممتنع واقع ہوا ہے کہ اُس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے پہلے شعر میں کوہ و کاہ کا اشتقاق و تقابل تیغ و آب فتنہ و خواب کا تناسب قابل تعریف دوسرے مصرعہ میں آیۃ کریمہ کی تلمیح اور پھر تلوار و نیزے کی تعریف میں جواب الجواب بلکہ لاجواب ہے۔ چاشنی کا لفظ بطریق ایہام یہاں جرعۂ شراب کے معنی میں نہایت مناسب واقع ہوا ہے آخر شعر کا مضمون مولانا نظامی کے آخر شعر سے بہت زیادہ اعلیٰ ہے "فتنہ درخواب رفت و مست و خراب" فتنہ کے لئے جس قدر کہ خواب موزوں ہے غرق مناسب نہیں۔ بہرحال میدان شمشیر زنی میں دونوں کی تلواریں یکساں رواں

ہیں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔

مولٰنا نظامی نے بادشاہ کی مدح میں پوری قوت سے زور کلام کا جوہر دکھایا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے مدح کرتے ہوئے ایسا ناصحانہ پہلو بدلا ہے جس سے اسلاف کی حق گوئی کا ایک بے نظیر جلوہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

سبب نظم کتاب

مولٰنا نظامی نے سبب تصنیف کا کوئی خاص عنوان قرار نہیں دیا ہے بلکہ تمہید مدح سلطان میں جو قاصد سے گفتگو ہوئی ہے اُس کے کچھ اشعار سبب تصنیف قرار دیئے جا سکتے ہیں مگر خسرو علیہ الرحمۃ نے سبب تصنیف کا ایک خاص عنوان قرار دیا ہے اور ایسی طرز جدید سے اپنے شاعرانہ کمال کا اظہار کیا ہے کہ دل بے اختیار ہو جاتا ہے۔ دونوں کی روش اس طرح جدا ہے کہ اُن کا صحیح مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تقریباً خسرو ہی کے اشعار پر اکتفا کرنا ہوگا۔

نظامی

گفتمش گفتنی کہ بہ پسندند ۔۔۔ نہ کہ خود زیرکاں بر و خندند

گفتم ایں نامہ را چو دیر مجوس ۔۔۔ جلوہ دادم ازاں ہفت عروس

تا عروسانِ چرخ اگر یک راہ ۔۔۔ در عروسانِ من کنند نگاہ

از ہم آرایشی و ہمکاری ۔۔۔ ہر یکے را یکے کند یاری

آخر از ہفت خط کہ یار شود | نقطۂ بر میانِ کار شود
نقشبندے کہ نقش دہ دارد | سر یک رشتہ را نگہ دارد

طوالت کے خوف سے تمام اشعار نقل نہیں کئے گئے پورے مضمون کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کی فکر رسا بحر مواج کی ایک طوفان خیز موج ہے جو دمبدم جوش مارتی ہوئی چلی جارہی ہے اور رہ گزر کے نشیب و فراز اس کے سدراہ ہو نہیں سکتے۔ اشعار مذکورالصدر میں عروسانِ چرخ سے مراد وہی سبعہ سیارہ ہیں جن کی نسبت کو ہفت گنبد بہرام کی تعمیر میں ملحوظ رکھا ہے۔ ہفت خط جام جمشید کے وہ ساتوں خط ہیں جو علم نجوم کے موافق ہفت افلاک و ہفت اقلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔

نقش دہ سے مراد نقش دہ در دہ ہے جو اصول تکسیر کے موافق تسخیر کا اثر رکھتا ہے۔ ان اصطلاحات کے مفہوم ذہن میں ہوں اور پھر اشعار پڑھے جائیں تو کلام کی خوبی اچھی طرح سمجھ میں آئے۔

امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے سبب تصنیف کی اس طرح ابتدا کی ہے۔

توصیف ایام

شبے از روز نیکی خوشتر | وقتے از نوبہار دلکش تر
ہفت و نہ کرد ماہِ چاردہ روز | ماہتابی شدہ جہاں افروز
برکشادہ ہولے نورانی | آسماں را گرہ ز پیشانی

ہفت، نہ اور چہاردہ میں صنعت سیاقۃ الاعداد جس خوبی سے موزوں کی ہے وہ قابل ہزار داد ہے۔ ہفت و نہ کردن بمعنی آراستگی تمام جسے اہل ہند سولہ سنگار

کہتے ہیں ماہ چہار دہ روز بدر کامل ہے جو چودھویں تاریخ کو پورا ہو جاتا ہے اس کے علاوہ شب کو روز بیغمی سے خوش تر کہنا اور بدر کامل کی آرائش تمام و کمال کے بعد اُس کی چاندنی کو جہاں افروز قرار دینا کیسا لطیف خیال ہے۔

موسم بہار

زحمت از باغ بردہ بادِ خزاں ‌‌ ‌‌ ‌‌ بادِ نوروز نرم نرم وزاں

گل ز شبنم پُر از نسیم شدہ ‌‌ ‌‌ ‌‌ پردہ دارِ دُرِ یتیم شدہ

جنبشِ بادہاے مشک سرشت ‌‌ ‌‌ ‌‌ بازکردہ دریچہاے بہشت

ان اشعار میں بادِ خزاں اور بادِ نوروز کا تقابل شبنم و نسیم کا تناسب اور دُر کا اشتقاق و تجانس قابل لحاظ ہے موسم کی خوش گواری کا ایک عجب دلکش انداز میں بیان ہے خزاں کے جھونکے باغ و راغ کو ویران و سنسان کر دیتے ہیں نہ پھولوں کی شگفتگی رہتی ہے نہ بلبلوں کی زمزمہ سنجی، طبائع مضمحل جذبات افسردہ لیکن شاعر یہاں یہ ثابت کرتا ہے کہ بادِ خزاں کا جانا چمن دنیا کی تر و تازگی کا باعث ہو رہا تھا۔ اس لئے کہ ہر قسم کی زحمت و بیرونقی خزاں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ گلزار عالم ایک لہکتا مہکتا چمن قدرت بن گیا تھا۔

کیفیت شاعر

من در احرام کعبۂ دل خویش ‌‌ ‌‌ ‌‌ نخل بر دست و چاہِ زمزم پیش

گشتہ کالکم کلید سینۂ من ‌‌ ‌‌ ‌‌ داد بیروں ہمہ خزینۂ من

در گریباں فرو د رفتہ سرم ‌‌ ‌‌ ‌‌ پر گہر گشتہ دامنِ ہنرم

شعرِ اول میں چند الفاظ جو تناسب کعبہ کے لئے جمع کئے گئے ہیں اور دیگر اشعار

میں جو استعارات نمکیں اور بلاغت رنگیں موجود ہے وہ شاعر فصیح اللسان کے قادر الکلام ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

تقریر بزبان ہمنشیں علی نامی

کامد آں ہمنشین جانی من | ناقدِ سکۂ معانی من
ہم علی نام و ہم بہ بینائی | چوں علی در کشائے دانائی
گفت اے جادوئے طلسم انگیز | موشگاف از زبانِ خامۂ تیز
گاہ فکرت چو خوئے کند رویت | صد عطارد چکد ز ہر مویت

حضرت امیر خسرو نے اس عنوان کے تحت میں ۷ شعر لکھے ہیں جن میں سے ہر ایک انتخاب و لاجواب ہے زور سخن قوت کلام جدت شاعری میں ہر ایک شعر چشمۂ صافی کی طرح رواں ہے چوتھا شعر جو شاعر کی مشقت علمیہ کا مظہر ہے اس کی قادر الکلامی کے کمال کا کیسا آئینہ ہے یعنی وہ ہمنشیں شاعر سے یہ کہتا ہے کہ مشقت فکر کے وقت جو پسینہ آئے وہ ایسا ابر نیساں ہو کر نہ برسے جس سے موتی پیدا ہوتے ہوں بلکہ ہر بن مو صدہا عطارد کا مینہ برسا دے اس مقام کا بالاستعاب جو صاحب ذوق سلیم مطالعہ کرے گا اُسے شاعر کی طبع کامل کا ایسا زور دکھائی دے گا کہ بحر مواج بھی اُس کے سامنے ایک قطرہ سے زیادہ بے حقیقت ہے۔

ہر یکے رقعہ را کہ کردی نشر | دو ختی دامنش بدامنِ حشر
ہر جریدہ کہ ساز کردۂ تست | درے از لطف باز کردۂ تست
سکۂ معنی از چہار سواد | کردی آراستہ چو سبع شداد

چوں بعنوانِ پنجم آمد حرف   تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف

رقعہ کا ایہام اور پھر اُس کے دامن کا دامن حشر سے پیوند چہار، سبع، پنج کا سیاق ایک ایسا وجدانی کیف ہے جو بیان میں نہیں آسکتا۔

پہلے شعر کا مفہوم شاعر کی کس درجہ قوتِ متخیلہ کی بلند پروازی کو ظاہر کرتا ہے یعنی جس داستان کہنہ کو تو نے اپنی تازہ بیانی سے شہرت دی ہے اُس کے دامن کو دامن حشر سے وابستہ کر دیا۔ اب اُس کا آوازہ قیامت تک آویزۂ گوشِ روزگار رہے گا۔

ترتیب خمسہ

دادی اوّل بہ گنبدِ دوّار   روشنائی ز مطلع الانوار
کردی آنگاہ با نشاط تمام   شہد خسرو و شیریں اندر جام
باز در عالم خرد مندی   شورِ مجنوں و لیلےٰ افگندی
پس دہاں پر دری کردی   شرحِ رازِ سکندری کردی
ایں زماں کز جواہرِ انجم   ق   مے نگاری صحیفۂ پنجم
کوش کیں خط چناں نگاری چست   کہ فزوں آید از چہار نخست

ان اشعار میں پنج گنج کے چار خزائن جو پہلے گوہرِ معانی سے معمور ہو چکے تھے اُن کا تذکرہ اُن کے ناموں کے ساتھ ہی چونکہ حضرت نظامی نے سکندر نامہ میں جو آپ کی آخری مثنوی ہے اپنی تصانیف سابقہ کا اسی طرح ذکر کیا ہے اس لئے امیر خسرو بھی خمسہ کی آخری مثنوی میں اُس کے دیگر ارکان اربعہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ نظامی کے اشعار اس موقع پر اگر نقل کر دیئے جائیں تو کچھ نامناسب نہ ہونگے اگرچہ اُس کی

بحر غیر ہی مگر باعتبار مضمون پورا مقابلہ ہی کہ کس نے کس طرح کتابوں کے نام شمار کئے ہیں

سوے مخزن آوردم اول بسیچ | کہ سستی نکردم دریں کار ہیچ
وزو چرب وشیریں برانگیختم | بشیرین وخسرو درآمیختم
وزانجا سراپردہ بیروں زدم | درِ عشق لیلےٰ ومجنوں زدم
چو از عشق مجنوں بپرداختم | سوے ہفت پیکر فرس تاختم
کنوں بر بساطِ سخن گستری | زنم کوسِ اقبالِ اسکندری

ہر شعر کا مولنٰا نظامی کے خسرو کے اشعار سے مقابلہ کرلو۔خسرو کی برتری اس مقام پر ایسی نمایاں ہی کہ محتاج تشریح وبیان نہیں۔مولنٰا نظامی کا پانچواں شعر البتہ لطیف ہی باقی اشعار معمولی ہیں خاص کر پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ تو بہت ہی سست ہی۔

اب اس عنوان کا صرف ایک مضمون اور لکھنا ہی جس میں مصنف نے کتاب کا نام اور اُس کا موضوع ایک خاص بلاغت کے ساتھ بیان کیا ہی فرماتے ہیں ؎

گویم افسانہاے طبع فزاے | از لب لعبت فسانہ سراے
ہر فسانہ صراحیِ ز شراب | دور مستی وبلکہ داروے خواب
ہر یکے را بہشت نام کنم | جام وکوثر درو تمام کنم
ہفت باشد بہشت وگو ہر ہفت | ہشتم آں کاندرو بود ہر ہفت
پس نوشتم زکلک مشک سرشت | نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت
تا کسے کاندرو گزر یابد | بے قیامت بہشت دریابد

صنعت سیاق واشتقاق وغیرہ تو شاعر کا روزمرہ ہی اُس پر طبیعت کا جوش لطف زبان وسلاست بیان کے ساتھ کوثر وسلسبیل کی روانی کا مزہ دیتی ہی۔

آغاز قصّہ بذکر بہرام

خسرو	نظامی
گنج پیمائے ایں خزانہ پر	گوہر آمائے گنج خانۂ راز
از خزانہ چنیں کشاید دُر	گنج گوہر چنیں کشاید باز
کآفتابِ جمالِ بہرامی	کاسماں را تراز وے دو سرست
چوں شدا ز نور درجہاں نامی	در یکے سنگ و در یکے گہرست
پدرش رخت زندگانی بست	گاہ آید چو گوہرا ز سنگے
او بجائے پدر بہ تخت نشست	گاہ لعلے چو کہربا رنگے
سرمُوئے کجی ز دہر نخاست	گوہرو سنگ شد بہ نسبت تام
جز سرے کو بشانہ گرد ر است	نسبت یزدگرد با بہرام

آغاز قصّے کی تمہید دونوں باکمالوں کی ایک ہی طرز سے شروع ہوتی ہی۔ گزشتہ ایام کا واقعہ ہی اس لئے عہد سلف کا مورخ دونوں کے دربار میں بہرام کی تاریخ بیان کرتا ہی۔ صنائع و بدائع دونوں کلاموں میں یکساں۔ پہلا شعر بھی ایک دوسرے کا جواب ہی۔ لیکن امیر خسرو عہد بہرام کے امن و امان سکون و قرار کو عجب لطف سے بیان فرماتے ہیں ؎

سرمُوئے کجی ز دہر نخاست — جز سرے کو بشانہ گرد راست

یعنی اُس کے عہد میں زمانہ سے کجی بالکل دُور ہوگئی تھی کسی جگہ بال برابر بھی فتنہ و فساد نہ پایا جاتا ہاں ارباب نعمت کے سر شانہ کشی کے وقت البتہ کج دکھائی دیتے تھے جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ ملک آباد تھا اور اہل ملک ناز و نعم میں زندگی بسر کرتے تھے۔

تیراندازیِ بہرام

خسرو	نظامی
آہنِ تیر چوں محک کردی	پیش تیرش گرار زنے بودی
خطِ گوراں زپشت حک کردی	بسنانش چو حلقہ بربودی
ور زدِ آہو بُدے نشانۂ او	تیرش از حلق شیر حلقہ ربائے
موئے بشگافتے زشانۂ او	تیغش از قفل گنج حلقہ کشائے
ور شدی در نشانہ سخت اندار	در نظرگاہ راست اندازی
رخنہ در ناف کوہ کردی باز	بیلکش را بموئے بُد بازی
زانش باران تیر محکم بود	
کہ کمانش کمان رستم بود	

مولانا نظامی بہرام کی قدر اندازی اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ اگر دانہ ارزن کو جسے ہندی میں چینا کہتے ہیں وہ اپنے تیر کا نشانہ قرار دیتا تو اُسے حلقہ کی طرح بنا لیتا تھا۔ اور اگر شیر کی طرف تیر ڈالتا تو اُس کے حلق سے اُس حلقہ کو جو قمری و فاختہ کی طرح اُس کا طوقِ گلو ہوتا ہو اُڑا لیتا تھا پھر اس پر مولنا ترقی فرماتے ہیں اور اُس کے کمال کا یوں اظہار فرماتے ہیں کہ اُس کا پیکان تیر بال کو بھی دو حصوں میں چیر دیتا تھا۔ مبالغہ میں اغراق وغلو کا جو لطف ہی اُس پر حلق وحلقہ کا اشتقاق وتجانس اور بھی لطیف ہی۔

امیر خسرو نے جس انداز سے جواب دیا ہی اُس کا لطف بیان سے باہر ہے

پہلا شعر خسرو کا مولنا کے دوسرے شعر کا لاجواب جواب ہی۔ وہاں حلقہ حلق شیر کو بہرام کا تیر نشانہ بنا کر اُڑاتا تھا اور یہاں گورخروں کی پشت خط کو جو یعینہ حلقہ حلق شیر کی طرح ایک قدرتی سیاہ سیلی ہوتی ہی اُس کا تیر امتحان کے وقت ملتا ہی وہاں راست اندازی کے وقت موشگافی کی جاتی ہے یہاں نشانہ آہو کے بال کو چیرا جاتا ہی۔ غرض یہ کہ دونوں کا بیان لاجواب ہی۔

صفتِ اسپِ بہرام

نظامی	خسرو
اشقرے بادپائے بود شں چست	گرچہ بودش چو برق کوہ گزار
بہ تگ آسودہ و بگام درست	صد طویلہ بہ سر طویلہ ہزار
پر بر آورد پائے زاندامش	لیک بود اشقرے گزیدۂ شاہ
دست ہر کس شکستہ از گامش	چیرہ تر ز ابلق سپید و سیاہ
رہ نوردے کہ چوں نوشتے راہ	بادپائے کہ چوں بگام شدی
گوئے بردے ز چرخ و مہر و ز ماہ	تگ زدن بر صبا حرام شدی
اشقرے گو رسم چو زیں کردی	ور بآہنگ تگ بروں جستے
گور بر گردشں آفریں کردی	وہم را دست و پائے بر بستے

مولنا نظامی نے گھوڑے کی تیز روی و تیز دوی کو نہایت لطف سے بیان کیا ہی فرماتے ہیں کہ وہ گھوڑا ایسا سریع السیر تھا کہ اُس کے پاؤں کو پاؤں نہ کہنا چاہیئے بلکہ وہ پر تھے

کہ اُس کے جسم سے نکلے تھے۔ کسی کا ہاتھ اُس کے قدم تک نہیں پہنچ سکتا تھا گور صحرائی جن کی تیزی ضرب المثل ہے وہ بھی اُس گھوڑے کی گرد پر آفریں خواں تھے۔ اظہار سرعت کے لیے جس قدر مبالغہ کیا جا سکتا تھا انھیں چند اشعار میں ادا کر دیا گیا۔ اُس پر دست و پا کا تقابل چرخ و مہر و ماہ کا تناسب، آسمان و مہر و ماہ کے مقابل لفظ گو کا لانا نظم کا زیور ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے یہاں بھی وہی اشقر ہے اور وہی اُس کی تیز روی مگر بندشیں جُدا ترکیبیں نئی خیالات نرالے مضامین انوکھے۔ خصوصیت کے ساتھ یہ صفت آپ کے ساتھ مخصوص ہے کہ یہ ہرگز امتیاز نہیں کیا جا سکتا کہ کسی کتاب کے مقابلہ میں آپ کوئی دوسری کتاب لکھ رہے ہیں یہاں وہ اشقر سریع السیر ابلق لیل و نہار سے زیادہ تیز ہے صبا اُس کے سامنے قدم نہیں اُٹھا سکتی دوڑ کے وقت وہم تک کے بھی ہاتھ پاؤں باندھ دیتا ہی پَر ہونے پر مُرغ تیز کا کام کرتا ہے اس کے علاوہ اشقر و ابلق کا تقابل اور باقی الفاظ کا تناسب قابل تعریف ہے۔

زندہ گرفتاریِ گور

نظامی	خسرو
چوں کمندِ شکار بگرفتے	بعد ازاں چوں بروں شدی بشکار
گور زندہ ہزار بگرفتے	کم رسیدی رمندہ را آزار
نام خود داغ کردہ بر رانش	در کمندش بحکم بربستے
دادہ سرہنگیِ بیابانش	بازگشتے و شاد بنشستے

خسرو	نظامی
گرم بررانش داغ فرمودے	چوں کہ داغِ ملک براں دیدے
خطِ آزادیش ہماں بودے	گرد آزار او نگردیدے
چرخ زاں گور گیریِ بہرام	بندۂ راز بند بکشادے
گورخانہ زمانہ کردش نام	بوسہ بر داغ گاہ او دادے
تا دریں کہنہ گورخانہ پست	در چنیں گورخانہ مورے نیست
گورخاں ہم ز داغ گور نہ رست	کہ برو داغ دست زورے نیست

مولنا کا مقصود یہ ہے کہ آخر میں بہرام گورخروں کو زندہ گرفتار کرتا اور اُن کی ران پر اپنے نام کا داغ ڈال کر چھوڑ دیتا۔ دوسرے شکاری جب شاہی مہر اُس پر دیکھتے تو اُس کا ادب کرتے اور کسی طرح کی تکلیف اُسے نہ پہنچاتے۔ آخر شعر میں ایک عبرتناک نتیجہ ظاہر فرمایا ہے کہ عالمِ فنا میں ایک چیونٹی بھی نہ ملے گی کہ وہ کسی زبردست کی داغ دار نہو۔

اب دیکھنا یہ ہی کہ اسی مضمون کو سادگی کے ساتھ مقابلہ کی حالت میں امیر خسرو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں خسرو کے اشعار پڑھو اسی مضمون کی سادگی وصفائی کے ساتھ ایسی خوبی سے تکرار ہی کہ باہم مقدم و موخر کا فرق غیر ممکن ہے لیکن نتیجہ جو خسرو نے بیان کیا ہی وہ اُس نتیجہ سے زیادہ عبرتناک ہی یعنی اس دُنیا کے پرانے گورخانے میں خود زمانہ کا گورخان بھی داغ گور سے نہ بچا اور آخر کار وہ بھی قبر کا غلام بنا۔

واقعہ نگاری

بہرام نے اپنی معشوقہ دلارام سے پوچھا کہ تو فرمایش کر کہ کس طرح ہرن کو اپنے تیر سے شکار کروں نظامی علیہ الرحمۃ نے دلارام کی یہ خواہش بیان فرمائی ہے کہ ایسا تیر لگایا جائے جو گورخر کے سر کو اُس کے سُم کے ساتھ بخیہ کردے۔ خسرو یہ بیان کرتے ہیں کہ دلارام نے کہا کہ کمال جب ہے کہ تیر آہوئے نر کو مادہ بنائے اور مادہ کو جامۂ نر۔ دونوں کے اشعار یہ ہیں۔

خسرو	نظامی
باز گوتا ز تم بدانائی	گورے آمد بگو کہ چوں تازم
ہر یکے راچنانکہ فرمائی	وز سرش تا سمش چہ اندازم
سیمبر ہم برخصت شاہی	گفت باید کہ رُخ برافروزی
گفت ایں خواہش ارزمن خواہی	سرِ آں گور برسمش دوزی
ناوکِ زن برآہوئے سادہ	شاہ چوں دید پیچ پیچی او
کہ بود مادہ نر ونرش مادہ	چارہ گرشد زبد پیچی او
شاہ دریافت خوردہ دانی او	
تاخت مرکب بہ ہم عنانی او	

دونوں کے اشعار موجود ہیں اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو دونوں پلّے برابر ہیں۔ اگرچہ فرمایشِ دلارام دونوں کے یہاں غیر غیر ہے مگر صفائی و بے ساختگی میں دونوں کا

کلام مساوی ہے۔ ہاں آخر شعر مولنا نظامی کا اہلِ زبان ہونے کو بتا رہا ہی اور خسرو کا آخر شعر اُن کے زبان داں ہونے کا مقر ہی پیچ پیچا اور بدلپیچی خاص اہلِ زبان کا لب ولہجہ ہی خسرو کے یہاں لفظ خوردہ دانی واقع ہوا ہے ارباب مذاق صحیح مہیا کر سکتے ہیں کہ اہلِ زبان و زباندان ہونے میں اسی طرح کا ایک فرق لطیف پایا جاتا ہی۔

نظامی	خسرو
خواست اوّل کماں گروہہ چو باد	بخدنگے دو شاخ آہوئے نر
مہرۂ در کماں گروہہ نہاد	بردہ زاں گونہ کو نداشت خبر
صید را مہرہ در فگند بگوش	چو بہ بر فرق او بداں ساں اند
آمد از تاب مہرہ مغز بجوش	کہ ازاں نر بمادہ۔ فرق نماند
سم سوئے گوش برد صید زبوں	دو یک انداز را بہم پیوست
تا ز گوش آرد آں غلولہ بروں	پس بر آہو روانہ کرد ز شست
تیر شہ برق شد جہاں افروخت	ہر دو در سر چناں نشاندش غرق
گوش و سم را بہ یکدگر بر دوخت	کہ دو شاخش پدید کرد بہ فرق
چوں سر و سم بدوخت شاہ بہ تیر	زاں دو شر طہ ہنر کہ در خور کرد
بسر و سم در آمداں نخچیر	کرد نر مادہ۔ مادہ را نر کرد

واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ اُس کے اجزا و لوازم اس طرح بیان کیے جائیں کہ سامع کی نگاہ میں اُس کی ہو بہو تصویر کھنچ جائے مولنا نظامی نے دلارام کی ایک

انوکھی فرمایش بیان کی تھی بہرام کی قدر اندازی اسی کی مقتضی تھی کہ عجیب سے عجیب تر فرمایش بھی پوری کی جائے۔ انھیں امور کا لحاظ رکھتے ہوئے مولنا بہرام کے کمال کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ بہرام نے بجائے تیر و کمان کے پہلے غلیل کو اُٹھا کر ایک غُلّہ اُس گورخر کے کان میں پہنچایا جس سے اُس کا مغز جوش مارنے لگا۔ گورخر نے اپنے سم سے کان کھُجلایا بہرام کا برق رفتار تیر فوراً آپہنچا اور گورخر کے سم کو اُس کے سر سے بخیہ کر دیا۔

چند اشعار میں واقعہ کی تصویر کھینچ کر صورت حال کو اس طرح دکھا دینا کہ گویا ہم اُس کو بچشم سر دیکھ رہے ہیں مولنا کا حصّہ ہی۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے یہاں بھی برابر کا جواب ہی۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہاں گور کو شکار بنایا ہے اور یہاں ہرن کو نشانہ ٹھیرایا ہے۔ بہرام نے ایک خدنگ سے آہوئے نر کے دونوں شاخوں کو سر سے ایسا اُڑایا کہ اُس کو خبر بھی نہوئی۔ اور دوبارہ اپنے تیر دو شاخہ کو دوسری آہوئے مادہ کے سر پر ایسا جمایا کہ گویا وہ اسی کی دو شاخیں ہیں اس طرح چشم زدن میں آہوئے مادہ نر اور نر مادہ کر کے دکھا دیا۔

تشبیہ و استعارہ مبالغہ و اغراق جو عروس سخن کے زیور ہیں ان کی چند مثالیں گزر چکیں انھیں نمونوں سے قیاس کیا جا سکتا ہی کہ خسرو علیہ الرحمۃ کو نظامی جیسے ملک الکلام کے ساتھ ان انواع میں پہلو بہ پہلو رہنے کا پورا استحقاق ہے۔ اور یہ محض بُہتان ہی کہ خسرو صنائع لفظی کے ایسے دلدادہ ہیں کہ اس کے التزام سے لطف معنی خاک میں مل جاتا ہی۔

واقعہ نگاری جسے مثنوی کی جان کہا جا سکتا ہی اُس میں خسرو کا پلہ نظامی سے ہرگز کم نہیں۔ اب ایک موقع مرقعہ نگاری کا دکھایا جاتا ہی جس میں ایک شاہد ناز کا سراپا کھینچا گیا ہی۔

مولنا نظامی کا یہ کمال خصوصیت کے ساتھ ہر مقام پر نمایاں و بے مثل تسلیم کیا گیا ہی آپ کا خامۂ فکر ایسی تصویر بت طناز کی کھینچتا ہے جس کے مقابل مانی و بہزاد کے اصنام بھی سربسجود ہو جاتے ہیں۔

خسرو	نظامی
خاصہ ترزاں ہمہ کنیزے بود	داشت با خود کنیزکے چوں ماہ
آفتابے بزیر چرخ کبود	چست و چابک بہم رکابئ شاہ
اصلش از چین و رُخ چو صورت چین	فتنہ نامی ہزار فتنہ درو
گیسوش چوں سواد چین مشکیں	فتنۂ شاہ و شاہ فتنہ برو
قامتے در خوشی چو عمر دراز	تازہ روئے چو نو بہار بہشت
ہوس انگیز تر ز عشق مجاز	خوش خرامے چو باد بر سر کشت
	انگبینی بروغن آلودہ
	چرب و شیریں چو صحن پالودہ

مولنا نظامی نے اختصار کے ساتھ جو کچھ کہا ہے خوب کہا ہی بالخصوص دوسرے شعر میں فتنہ کا انقلاب لاجواب ہی اُس کے شیریں لب و شکر گفتار ہونے کے لئے جو تشبیہیں لائی گئیں سب کی سب حلاوت بخش ہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے اشعار پڑھو وہی کنیز یہاں بھی ہے لیکن ادائیں نرالی۔ غمزے نئے۔ کرشمے جدید۔ مولانا نے اُس کے رُخ دلفروز کو ماہ کہا ہے۔ خسرو نے "آفتابے بزیرِ چرخ کبود" فرما کر سرکارِ حسن کے عجیب و غریب کرشموں کا خاکہ کھینچ دیا۔ پھر تیسرے شعر میں قامت کی ایک نئے انداز سے تعریف کرتے ہوئے "ہوس انگیزِ ترزِ عشقِ مجاز" صرف اسی ایک مصرعہ میں ایک دفتر کا دفتر لکھ دیا۔ انصاف شرط ہے ایک مصرعہ میں اس جامعیت کے ساتھ جس کے قلم نے سراپا کشی کی ہو اُس کے خسروِ اقلیم سخن ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

ایک اور موقع

	نظامی	خسرو	
قامت و عارض	خرمنِ گل ولے بقامتِ سرو	روئے گل رنگ داد گل را رنگ	عارض و دہن
	شستہ روئے ولے بخونِ تذرو	دہنش تنگ با شکر ہم تنگ	
غمزہ	خوبیِ غمزہ اش سحرگہ خویش	نرگسش دُور باش غمزہ خدنگ	چشم و لب
	بستہ خوابِ ہزار عاشق بیش	لعل در آشتی و عشوہ بجنگ	
لب	لب لعلش چو برگ تر باشد	خال او گو ہزار پردہ درید	خال
	برگ آں گل پر از شکر باشد	عالمے را بکنجدے نخرید	
چشم	چشم چوں نرگسی کہ خفتہ بود	گیسوئے پیچ پیچ از سر ناز	گیسو
	فتنہ در خواب او نہفتہ بود	داد در دستِ فتنہ رشتہ دراز	

خسرو	نظامی
رگ نمودہ بروں ز لطف بدن	عکس روشن بزیر زلف بہ تاب
ہم چو رشتہ درون دُرِ عدن	چوں حواصل بزیر پرِ عقاب
بر چو نارنج نو بشاخ درخت	خالش از زلف عنبر افشاں تر
سخت رستہ ز صحبتِ دلِ سخت	چشمش از خال نا مسلماں تر

عکس عارض — خال و چشم

مولٰنا نظامی کے پہلے شعر میں استعارہ کی لطافت اور حُسن تکرار کا لطف قابل دید ہے قامت معارض کی تعریف چونکہ ایک ہی شعر میں کی گئی ہے اس لئے دوسرا شعر جہاں چہرہ کی تازگی و سُرخی کو ظاہر کرتا ہے وہاں خوش رفتاری سے بھی مشعر ہی عموماً شعرا کے کلام میں شراب سے مُنہ دھونا چہرہ کو زیادہ گل گوں کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ لیکن نظامی نے اُس گلِ رُخسار کے رنگیں چہرے کو شراب سے نہیں دھویا ہے بلکہ خون تدرو سے دھوتے ہیں جس میں لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ تدرو جس کی خوش رفتاری ضرب المثل ہے اُس کے خرام ناز نے اُس کا خون کر دیا تھا۔ اسی طرح تیسرے شعر میں لب لعل کو برگ گلِ تر لکھکر پر شکر کہنا موصوف واحد کے لیے صفات متعددہ ثابت کرنے کی ایک عمدہ مثال ہے۔

پانچویں شعر میں عکس رخسار اور گیسوئے تاب دار کے لئے جو تشبیہ مولٰنا نے بیان کی ہے غالباً اُس کے موجد خود مولٰنا ہیں کسی دوسرے اہلِ زبان کے کلام میں یہ نادر تشبیہ دیکھی نہیں گئی۔

زلف عنبر بو جو اُس کے گلابی چہرے پر بار بار جھوم جھوم کر آجاتی ہے اُس نظارے کو یوں تشبیہ سے سمجھاتے ہیں "چوں حواصل بزیر پر عقاب" حواصل ایک بحری پرندہ ہی سفید و چمکدار۔ عقاب سیاہ شکاری پرندہ ہے۔ اب مصرعہ پڑھیئے اور اقلیم سخن پر مولنٰا کی پر جلال آزادانہ سلطنت کی ہزاروں داد دیجئے۔

اب خسرو کے اشعار پڑھو دوسرا شعران کی جدّت پسند طبیعت اور قادرالکلامی کا پورا ثبوت دے رہا ہی ایک ہی شعر میں مضامین گوناگوں بیان کرنا خصوصیات خسرو ہے۔ چشم مخمور و نیم باز کو دورباش قرار دیتے ہوئے غمزہ کو دل و جگر کے شکار میں مصروف رکھنا لب لعلین کو صلح جو و آشتی پسند کہتے ہوئے عشوۂ فتنہ انگیز کا جنگ و جدال سے باز نہ آنا کس خوش اسلوب و جدت طرازی سے بیان ہوا ہے خال و گیسو کے اشعار پڑھو چار مصرعوں میں کس قدر محاورات جمع کردئے گئے ہیں اُس پر خال و کنجد گیسو و پیچ پیچ اور فتنہ و رشتہ کی درازی میں تناسب لفظی و معنوی کس قدر قابل تعریف ہی۔ اگر ناظرین غور کریں گے تو خسرو کے اکثر اشعار میں تشبیہیں نہ صرف لطیف و نادر انھیں ملیں گے بلکہ اکثر کو جدّت و ایجاد خسروی کا نمونہ پائیں گے خاص کر پچھلا شعر۔ اُس کی جس قدر بھی تعریف کی جائے وہ تھوڑی ہی۔ غرض سراپا لکھنے میں بھی خسرو اپنے مقابل سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

موضوع کتاب اور اُس کے اجزا

ابھی بیان ہو چکا ہی کہ ہفت گنبد بہرام کی ہفت اقلیم کی شاہزادیوں سے زیب و زینت

ہے ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے اُس رنگ کی مناسبت سے بہرام و شاہزادی کا لباس
بھی رنگین ہوتا ہے۔ بہرام شاہزادی سے کسی قصّہ کی فرمایش کرتا ہے وہ بادشاہ کو
دعا دیتے ہوئے ایک قصّہ کہتی ہے ختم داستان پر بہرام ہم آغوش ہو کر داد تعیش دیتا ہے

اس طرح ہر قصّے میں پانچ چیزیں ہوتی ہیں ایک تو بہرام کا داخلہ دوسرے
شاہزادی کی دعا تیسرے شاہزادی کی زبان سے داستان۔ چوتھے رنگ کی
بوقلمونی۔ پانچویں استراحت بہرام۔

داستانیں دونوں کتابوں میں بالکل مختلف ہیں اس لئے اُن میں مقابلہ نہیں
ہو سکتا پھر یہ بھی ہے کہ واقعہ نگاری و داستان نویسی میں خسرو کی برتری ایسی نمایاں
ہے جو مقابلہ سے بے نیاز ہے باوجود اختصار و ایجاز کے ہر داستان کے اجزا و لوازم
اس استیعاب سے خسرو نے بیان کئے ہیں کہ اس کمال کی داد نہیں دی جا سکتی ہے۔
مقابلہ میں صرف داستان کے بقیہ چار ارکان سے بعض نمونے مقابلۃً پیش کیے جاتے ہیں

رنگ سیاہ گنبد اوّل

خسرو	نظامی
رنگ مشکیں شعار عباسی ست	در سیاہی شکوہ دارد ماہ
زیور آرائے چرخ شماسی ست	چتر سلطاں ازاں کنند سیاہ
ظلمتِ شب کہ مشک فام بود	ہیچ رنگے بہ از سیاہی نیست
بہر آرایش تمام بود	راست ماہی چو پشت ماہی نیست

خسرو	نظامی
خون تر در میان نافۂ خشک	از جوانی بود سیہ موئی
تا نگردد سیہ نباشد مشک	وز سیاہی بود جواں روئی
خط و خالے کہ دلستاں دارد	بسیاہی جہاں بصر بیند
مشک رنگ ست زیب از آں دارد	ہر کسے بر سیاہ بہ نشیند
	گر نہ سیفور شب سیاہ شدی
	کی سزاوار مہر و ماہ شدی
	ہفت رنگے ست زیر ہفت اورنگ
	نیست بالاتر از سیاہی رنگ

فضیلت سیاہی پر جو دلائل قائم کیے ہیں اگرچہ واقعی ہیں مگر طرز بیان زیادہ چست نہیں لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کے دلائل زیادہ دلپذیر اور طرز بیان بہت ہی چست ہے:

گنبد چہارم رنگ سرخ

خسرو	نظامی
رنگ گلنار دل کشائے بود	سرخی آرایشِ نو آئین ست
چوں مے لال جاں فزائے بود	گوہرِ سرخ را بہا این ست
زیب باغ ست رنگ گلناری	چونکہ آمیزشِ رواں دارد
چوں شفق بر سپہر زنگاری	سرخ زاں شد کہ لطف جاں دارد

خسرو	نظامی
ہر کہ شد بخت و دولتی یارش	زر کہ گوگرد سُرخ شد لقبش
رُخ بسرخی بود چو گلنارش	سُرخی آمد نکو تریں سببش
ہست گلنار ہمچو نار کلیم	
گل نارست باغ ابراہیم	

اس مقام پر بھی مولنا کے دلائل وطرز بیان سابق کی طرح سادہ اور جدت وچستی سے خالی ہیں برخلاف اس کے خسرو کے دلائل میں جدّت اور طریقہ نہایت ہی چست ومعنی خیز ہی اُس پر صنعت تقابل وتناسب لفظی ومعنوی نے اور بھی بیان کو ہر بنا دیا ہی صنائع لفظی کا ایسی صنعت سے لانا جس سے معنی میں رنگینی ولطافت پیدا ہو جا خسرو کا حصّہ ہی۔

گنبد ہفتم رنگ کافوری

خسرو	نظامی
جامہ کافور گوں بدست بساز	ہر چہ ز آلودگی شود نا مید
کہ بخیر الثیاب یافت طراز	پاکیش را لقب کنند سپید
پاک رنگ ست رنگ کافوری	در پرستش بوقت کوشیدن
تا مہارا بیاض مغفوری	سنت آمد سپید پوشیدن
چوں شود مشک آدمی کافور	
موے او را خدائے خواند نور	

خسرو

روز روشن کہ سر بسر نورست

ہمہ نورش برنگ کافورست

اس جگہ بھی سابق کی طرح خسرو کے دلائل میں قوت و افضلیت موجود ہے۔ سات رنگوں میں سے تین کا مقابلہ کرکے کمال خسرو کا نمونہ دکھا دیا گیا۔ ایک اوّل اور دوسرا وسط اور تیسرا خاتمہ کا رنگ اختیار کیا ہے۔ چونکہ ان مقامات کا بیان نہایت صاف وسلیس ہے اس لئے وجوہ افضلیت کا تفصیلی اظہار غیر ضروری سمجھکر ترک کر دیا گیا۔

خواب بہرام با معشوقانِ طنّاز

اس موقع کو کہ شاہزادی جب قصہ ختم کرتی ہے تو بہرام اُس سے ہم آغوش ہوکر سو رہتا ہے دونوں حضرات نے بیان کیا ہے۔ لیکن نظامی کے یہاں عموماً بہرام کا خواب ایک معمولی خواب ہے لیکن خسرو علیہ الرحمتہ جب بہرام کو سُلاتے ہیں تو عاشق ومعشوق کے سونے کا نقشہ نگاہوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ دو تین نمونے اس کیف کے بھی مقابلتہً لکھے جاتے ہیں۔

داستان اوّل خواب با ملکہ ہندی

نظامی	خسرو
چونکہ بانوئے ہند با بہرام	شاہ کز نازنین مشکیں موے
باز پرداخت ایں فسانہ تمام	ایں فسانہ شنید روے بروے

خسرو	نظامی
خفت درخوابگاہ حورآئیں	شہ بران گفتہ آفرینش گفت
گل درآغوش مشک برbalیں	درکنارش گرفت شاہ وبخفت

خسرو کے اشعار میں جو لطف وکیف ہی وہ محتاج بیان نہیں۔ موئے وروئے۔ عین وآغوش
وبالیں کے تناسب کے علاوہ اُس محبوبہ ہندی کو مشکیں موے سے موصوف کر
اورحالت خواب کو مشک بربالیں قرار دینا ایک خاص صنعت طرازی ہی۔

داستان دوم ملکہ گنبد زعفرانی

خسرو	نظامی
شاہ راچوں بنگار شکرخاے	شہ چوایں داستاں شنید تمام
زعفراں وار شد نشاط افزاے	درکنارش گرفت وخفت بکام
دربرآورد شاہ زرد قباش	
زعفراں ساے گشت برحلواش	

خسرو علیہ الرحمۃ نے اس مقام پر بلیغ و دقیق استعارہ کے ساتھ جس طرح مضمون بیان
کیا ہی اُس کا صحیح اندازہ کافی مذاق سخن چاہتا ہی۔

خواب بہرام با ملکہ گنبد سُرخ

خسرو	نظامی
ماہ گلنار چہرہ چوں بہ تمام	روے بہرام ازاں گل افشانی
گفت افسانہ خفت با بہرام	سُرخ شد چوں گلاب ریحانی

نظامی

دست بر سُرخ گل کشید دراز
درکنارش گرفت وخفت بہ ناز

یہاں خسرو نے سادگی و اختصار سے کام لیا ہے اور مولنا کے اشعار میں رنگ آمیزی ہے لیکن پھر بھی دو نمونے رنگینی کے جو پہلے اشعار خسروی میں دکھائے گئے ہیں اُن کے مقابل میں یہ سُرخی پھیکی ہے۔ بہرحال من حیث المجموع خسرو کا پلّہ اس مضمون میں بھی راجح ہے۔

داخلۂ بہرام بہ گنبد

شام ہوتی ہے اور بہرام معشوقۂ دلنواز کے گنبد میں داخل ہوتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مولنا نظامی کا یہ بیان گنبد سُرخ میں نہایت ہی بلیغ ہے۔ اس لئے صرف مقابلہ میں اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

خسرو	نظامی
شب چو پرویں نمائے گشت سپہر	شب چو منجوق بر کشید بلند
ماہ بر خویش بست زیورِ مہر	طاق خورشید در کشید بلند
داد فرماں خدائیگان سریر	شاہ زاں سُرخ سیب شہد آمیز
کاید آں ماہروے در تقریر	خواست افسانۂ نشاط انگیز
بہ فسون و فسانۂ چو نبات	
مغز نشہ ترکند آبِ حیات	

مولانا کے ہاں لفظ منجوق کا ایہام ایسا دقیق اور لطف انگیز ہی اور اُس کو یہاں ایسے مخفی استعارہ کے پہلو سے بیان کیا گیا ہی کہ اُس کا مذاق اہل زبان سے دریافت کیا جا سکتا ہی۔

پھر لفظ درکشید و برکشید میں ایسی فصاحت موجود ہے جو سہل ممتنع کی ایک بے مثل مثال ہی مقصود یہ ہے کہ سورج غروب ہوا۔ اور آسمان پر چاند نکلا۔ اس کے لئے جو اہتمام کیا گیا اور جس آمد و بے تکلفی سے ادا کر دیا وہ مولنا کے کمال کا نمونہ ہے

خسرو علیہ الرحمۃ کا بھی وہی مقصد یعنی ہی سورج چھپ گیا رات ہوئی اور چاند نکلا لیکن انصاف طلب یہ امر ہی کہ مقابلہ میں منہ کھولنا اور وہ بھی مولنا جیسے اہل زبان کے سامنے اور پھر بازی میں پیچھے نہ رہنا سوائے خسرو کے اور کس کو نصیب ہوا۔

پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ اوّل مصرعہ کے ساتھ ہمکناری کا جو لطف ظاہر کر رہا ہی اُس کے علاوہ ایسے خاص لطیف استعارہ کا حامل ہے کہ اُس کی داد مولنا نظامی ہی دے سکتے ہیں۔

خسرو کا ہر ایک شعر مقابل کا جواب الجواب بلکہ لاجواب واقع ہوا ہے۔ لیکن نگاہ منصفانہ شرط ہی۔

ایک اور موقع

اگرچہ ایک مثال بھی اپنے مقام پر کافی ہوتی ہے لیکن بعض اہلِ خیال کا خیال کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور مثال بھی پیش کر دی جائے۔

خسرو	نظامی
چوں شب تیرہ گشت گوہر سنج	چوں پری سبزۂ زمرد وار
درزمیں در شد آفتاب چو گنج	باغ انجم فشاند برگ بہار
شاہ مست و حریف ہم سرمست	زاں خردمند سروِ سبز اورنگ
رفتہ بیروں عنانِ ہر دو زدست	خواست تا پُر شکر فشاند تنگ
گفت فرماں دِہ سریر بلند	
کہ شکر لب زپستہ ریزد قند	

مولانا نظامی کے یہاں اوّل شعر میں شب کا ہونا اور دوسرے شعر میں اُس نازک اندام محبوبہ سے قصہ کی فرمایش جس آب وتاب سے بیان ہوئی ہے وہ تمام الفاظ کے تناسب و تقابل سے ظاہر ہے خاص کر بہرام کو سروِ سبز اورنگ کے ساتھ استعارہ کرتے ہوئے اُس کی زبان سے یہ کہنا "خواست تا پر شکر فشاند تنگ" کس قدر باحلاوت وشیریں تقریر ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے اشعار میں اگرچہ گنبد سبز کے تلازم کو نظر انداز کر دیا گیا ہی مگر ایک ہندی شاعر ایک ایرانی کے مقابل کہتا ہی کہ (درزمیں در شد آفتاب چو گنج) اور قند مکرر کی شکر ریزی یوں کرتا ہے (کہ شکر لب زپستہ ریزد قند) واقعہ ہے کہ اگر ارباب سماع پرکیف ہوں تو یقیناً یہ سمجھیں گے کہ یہ طوطی ہند نہیں ہے بلکہ بلبل شیراز چہک رہا ہی۔

خسرو کے اسی زور قلم کا نتیجہ ہے جو اہل زبانوں نے بھی ان کے سامنے سرِ تسلیم

ختم کر دیا ورنہ اہلِ زبان کب کسی زبان داں کو خاطر میں لاتے ہیں۔

اشعار دعائیہ

ہر شاہزدی نے جو آغاز داستان سے پہلے بہرام کو دعائیں دی ہیں ایک دو نمونے اُس کے بھی ہدیۂ ناظرین ہیں۔

ملکہ گنبد ریحانی

خسرو	نظامی
لُعبتِ سیم با ہزار نشاط	پری آنگہ کہ بردہ بود نماز
سو درخ را بہ پاگگاہ بساط	بر سلیماں کشادہ پردۂ راز
گفت شاہا جہاں بکام تو باد	گفت کاے جانِ من بجان تو شاد
در جہاں ہر چہ ہست رام تو باد	ہمہ جانہا فدائے جان تو باد
ہر کہ بد بیندت چو بدبیناں	خانۂ دولت ست خرگاہت
دوزخی باد ہمچو بے دیناں	تاج و تخت آسمان درگاہت
	تاج را سر بلندی از سرِ تست
	تخت را بادشاہی از درِ تست
	گوہرت عقد مملکت را تاج
	ہمہ عالم بدرگہت محتاج

مولنا کے اشعار میں نماز بردن خاص اہل زبان کا محاورہ ہے جو اُن کی ہی زبان سے

بھلا معلوم ہوتا ہے معنی اس کے اطاعت کرنے کے ہیں۔ پری و سلیمان کا تقابل و تناسب بھی اک خاص لطف پیدا کرتا ہی باقی مضمون دعا معمولی ہے کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔

اشعار خسروی کی بندش صاف اور چست ہی مگر دعا کا مضمون یہاں بھی معمولی و سادہ ہی لیکن دوسرے مصرعہ میں جو محاورہ آداب بجا لانے کے معنی میں ذکر کیا ہے وہ مولانا نظامی کے پہلے شعر کے اُس محاورہ کا جواب ہی جو اہل زبان کے ساتھ خاص ہی۔

ایک اور مثال

خسرو	نظامی
نازنیں بر زمیں نہاد جبیں	چوں ز فرماں شہ گزیر نبود
گفت کاے شہریار روے زمیں	عذر با نار دلپذیر نبود
بخت ہموارہ ہم عنان تو باد	گفت رومی عروس چینی راز
سر بدخواہ بر سنان تو باد	کاے خداوند روم و چین و طراز
ہر مرادی کہ بشمری زانگشت	تا شدی زندہ دار جان ملوک
یک بیک جملہ باد ت اندر مشت	عز نصرت خدائگان ملوک
شرم دارم کہ پیش در دُری	ہر کہ جز بندگیت راے کند
کہربا را کشم بجلوہ گری	سر خود را نثار پاے کند

مولانا کے پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ "عذر با نار دلپذیر بنود" آپ کی فصیح البیانی کا خاص نمونہ ہے طراز ترکستان کے شہروں میں ایک حسن خیز شہر ہے جس کا ذکر اس جگہ ایک لطف پیدا کر رہا ہے۔ دعا کا پہلو جو اختیار کیا گیا ہے اُس کی بلاغت بھی قابل تحسین ہے بظاہر کوئی فعل دعا پر دلالت نہیں کرتا ہے اور حقیقت میں سب دعا ہے۔

امیر خسرو کا تیسرا شعر ہزاروں اشعار دعائیہ کا جواب ہے۔ تمامی مرادات کے حصول کے مضمون کو شاعر قادر الکلام نے جس خوبی سے بیان کیا ہے اُس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو جس صنعت و خوبی کے ساتھ بیان کرنا چاہے بے تکلف اُسے ادا کر سکتا ہے۔

پھر آخر شعر میں دُر دُری کا باہمی صنعت تجنیس و اشتقاق کی جلوہ گری اُس پر کہربا کے ساتھ تقابل قابل دید ہے دری بضم دال مہملہ بہ معنی ستارہ روشن کے ہے اضافت تشبیہی کے نسبت سے در بالضم کا مضاف الیہ بنانا کیسی پاکیزہ ترکیب اور زبان دری کی کیسی چست بندش ہے۔

ساتوں قصّوں میں مضامین مشترکہ کا مقابلہ ضرورت سے زیادہ کرکے دکھا دیا گیا جس سے ثابت ہے کہ مولانا نظامی کو تقدم زمانی کا شرف خسرو علیہ الرحمۃ پر حاصل ہے۔ ورنہ خسرو کی مثنوی کسی طرح اپنا پایہ کم نہیں رکھتی ہے۔ کہیں نظامی کو ترجیح ہے اور کہیں خسرو کو ہاں کہیں کہیں بعض محاورات اہل زبان کی خصوصیت البتہ ظاہر کرتے ہیں مثنوی کا خاتمہ دونوں حضرات کے یہاں بہرام کی موت نے کر دیا ہے۔ گو زحر کے

تعاقب میں بہرام کوئیں میں گر کر موت کا خود ہی شکار ہو جاتا ہے مولنا نظامی اپنی کتاب بادشاہ کے دعائیہ اشعار پر ختم فرماتے ہیں۔

نظامی

دولتی باش ہر کجا باشی   در رکابت فلک بفرّاشی
دولتت را کہ از زیادت باد   خاتم کار با سعادت باد
این دعا را از قدسیاں آمیں   میر سد ہر زمان بعلیین

خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی جہاں ختم ہوئی ہے وہاں ناصحانہ اشعار لکھتے ہوئے اپنے شیخ طریقت کی طرف عجب اخلاص و ارادت سے ملتفت ہوئے ہیں۔

خسرو

خسروا پائے نیک مرداں گیر   با مسیحا نشین و پیش بمیر
بایدت خانۂ حیات درست   از خضر باید آب حیواں جست
خواہی از خاک بر سپہر خرام   خاک شو زیر پائے شیخ نظام

اس کے بعد خسرو نے اپنی کتاب کا تمام ہونا سنہ تصنیف تعداد اشعار وغیرہ بیان کئے ہیں آخر میں اپنے اُستاد علامہ شہاب کا شکریہ ادا کیا ہے۔ مولنا شہاب علاء الدین خلجی کے عہد میں ایسے جامع معقول و منقول فاضل جلیل الشان تھے کہ اکثر فضلا نے آپ کے تلمذ سے شرف حاصل کیا تھا۔

خسرو علیہ الرحمۃ کا معمول تھا کہ اپنی تصنیف جس طرح کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے

سامنے فاتحہ کی غرض سے پیش فرماتے، اُستاد علامہ کے ہاتھوں سے بھی اُسے مشرف کرتے تھے۔ یہ خصوصیت کچھ خمسہ کے ساتھ نہیں ہے۔ اعجاز خسروی کے متعلق بھی ایسے ہی کلمات خسرو علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمائے ہیں کہ شہاب نے تمام اغلاط کے جنون کو اپنے قلم اصلاح سے بند کر دیا ہے اب کوئی اس میں کسی طرح کی غلطی نہ پائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ کی تصانیف عجیب گوناگوں فوائد و برکات سے مالامال ہیں اُنھوں نے اشعار کے ضمن میں بہت سے اہم اخلاقی مسائل کی تعلیم فرمادی ہے کہیں والدہ ماجدہ سے جو ملے ہیں اُسے نظم کیا ہے تاکہ لوگ شفقتِ مادری کو جانیں اور ماں کا حق اپنی سعادت سے ادا کریں کہیں بھائی کا مرثیہ لکھکر اخوت کے حقوق بتائے ہیں کہیں اُستاد کی تعلیم کا شکریہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ اس مثنوی میں حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے اُستاد کے فضل و کمال کا ایک بلیغ خطبہ پڑھتے ہیں۔ اُس کے بعد فرماتے ہیں ؎

نور دل چوں بعالم افگندہ — سایہ بر کار من ہم افگندہ
من بدو عرضہ کردہ نامۂ خویش — او باصلاح راند خامۂ خویش
چوں ہمہ عیب دید دشمن وار — شستہ چوں دوستانِ آئینہ وار
ہرچہ او گفت می نہادم گوش — برکشیدم مگس ز شربتِ نوش
وانچہ بنمود من نجستم پے — عیب آں بر من است نے بر وے
انچہ او دید بس نہایت دید — خس و خارے ز گلشنے برچید

یارب او چوں بہ پیچ نامۂ من　　برد بیروں خطائے نامۂ من
نامۂ او کہ حرز جانش باد　　در قیامت خطِ امانش باد

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام کا مقابلہ امام مثنوی گویان مولٰنا نظامی کے ساتھ جب دکھا دیا گیا تو اب کسی اور کے کلام سے مقابلہ کرنا ایک عبث فعل ہوگا۔

اس لئے کہ خسرو کے بعد اگر کسی نے مثنوی کا حق ادا کیا ہے تو وہ صرف جامی علیہ الرحمہ ہیں لیکن اُنھوں نے اس داستان کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اس بحر میں آپ کی مثنوی سلسلۃ الذہب ہے لیکن وہ خالص صوفیانہ رنگ میں ہے۔ حمد و نعت بھی اُس مثنوی میں مولٰنا نے گہرے صوفیانہ رنگ میں لکھی ہے۔ بعضوں نے ہموزن کو ہم رنگ سمجھ لیا اس لئے وہ لکھ گئے کہ سلسلۃ الذہب ہفت پیکر و حدیقہ کے ہم رنگ ہے۔ خیر اس طرح کی غلطی مقلدین سے نقل کرنے میں ہو ہی جاتی ہے۔

یہاں یہ مقصود ہے کہ خسرو کے کلام کا مقابلہ ان کے مابعد کے شعراسے کرنا ایک فضول امر ہے بدیں وجہ ہاتفی کی ہفت اورنگ سے مقابلہ نہیں کیا گیا لیکن بہ نظر مقابلہ خواجو کرمانی اور ہاتفی دونوں کی مثنویاں مطالعہ کی گئی تھیں اس لئے محض چند اشعار دونوں کے حمد و نعت سے نقل کرتا ہوں ناظرین کرام اسی سے ایک سرسری اندازہ کر سکیں گے۔

ہفت منظر ہاتفی

حمد

سایۂ آفتاب نہ خورشید　　آفتابِ تو سایۂ جاوید

مسجد و دیر را تو کردی ساز | در ایمان و کفر کردی باز
دیری و مسجدی ترا جویند | گرچہ ہر یک درِ دگر کوبند
جملہ موجود را توی معبود | ہستی و بودہ و خواہی بود
پشہ را دہی ز مطبخ جود | طعمہ از مغز کلۂ نمرود
از پئے دیدن سیاہ و سفید | نے چراغت بکار و نے خورشید
دیدنِ تو چو دیدنِ ما نیست | واں شنیدن شنیدنِ ما نیست
تاج شاہان و خسروانی کوس | ہست بر درگہت چو تاج خروس

مناجات

روز محشر کہ سر زنم از خاک | سینہ صد پارہ و گریباں چاک
پشت آیم ز جرم فرسودہ | پائے تا سر گناہ آلودہ
نکنی کردۂ مرا منظور | رحمتِ خویش آوری بظہور
دانم ایں را کہ جملہ بد کردم | بد من سر نوشت خود کردم
در ازل ہرچہ کردہ ام تقصیر | بنودہ غیر کردنش تدبیر
رحمت از ہاتفی دریغ مدار | ز فنایش بزیر میغ مدار
نیز طعبش کنی ز جمۂ غنی | در ثنائے محمّدِ مدنی

نعت و معراج

اے بلند از تو پایۂ معراج | انبیا را سر اولیا را تاج

قرشی تخت و هاشمی افسر | ابطحی رای و یثربی مهتر
شه بطحا محمد عربی | پی شر از تو شرار بولهبی
ماه مشرق طلوع عالمگیر | نورگیر از تو آفتاب منیر
نه نشستت کسی به بالادست | زیر دست تو بود هر که نشست
خضر آب روان ز جوی تو یافت | سوی آن چشمه ره بسوی تو یافت
رفعت عیسی اگر بچرخ کبود | بودی از وی هزار پایه فزود
ای خوش آن شب کزان هلال صبای | سوی اقصا نهاد رخشت پای
هر دو طور تجلی ذاتی | بهر ماه رخ تو مرآتی
آن شنیدی هزار گونه کلام | نه زبان بود در میان نه کام
سخنانش نداشت پیش و پسی | همه بودند جمع هم نفسی
خواهش دل ز حد برونت داد | آنچه می خواستی فزونت داد
شد یقینت که خانه بی غیر است | مژده دادت که عاقبت خیر است
سفرت بود طرفة العینی | آن شد آمد نداشت مابینی
کس و بیکس گناهکاری چند | بامید شفاعت خرسند
گر شفاعت گری بجا آری | نیست اندیشه از گنهکاری

خواجو کرمانی

حمد

بسم من لا اله الا هو | صنع لفظی و زین معناه

قادرے کو منزہ است از عیب ‌‌ صانع کو مقدس است از ریب

رزمہ پرداز کارگاہ وجود ‌‌ نقش بند نگارخانۂ جود

آنکہ ہم اوّل ست و ہم آخر ‌‌ وانکہ ہم باطن ست و ہم ظاہر

روح در کیش اوست قربانی ‌‌ کفر در دین او مسلمانی

عقل قاصر ز کنہ آلایش ‌‌ وہم عاجز ز حصر نعمایش

خلعت جاں بہ انس و جاں دادہ ‌‌ وآب حیواں بخضر جاں دادہ

حسن ذاتش نگر بجز صفات ‌‌ در صفاتش ببیں تجلی ذات

آنکہ روزی بمور و مار دہد ‌‌ روشنائی بہ نور و نار دہد

برقع از صورت سخن بکشاد ‌‌ شمع معنی بدست خواجو داد

اے ز دل کردہ شمع منظر گل ‌‌ وے ز گل کردہ برج اختر دل

بدر لالہ کہ ہست قاصد شام ‌‌ در رہت بندۂ میسرت نام

مہدی مہد خاک یعنی روح ‌‌ یافتہ از تو زندگانی روح

اے ز عشق تو عقل شیدائی ‌‌ ہمہ پنہانیت ز پیدائی

ابتدائے ترا نہایت نیست ‌‌ وانتہائے ترا بدایت نیست

من دل مردہ را حیاتی بخش ‌‌ وز غم نیستی نجاتی بخش

بے نوایم مرا نوائے ساز ‌‌ دردمندم مراد وائے ساز

شربت از مشرب یقینم دہ ‌‌ میوہ از بوستان دینم دہ

در توحید بر دلم بکشائے | رہِ ایوان وحدتم بہ نمائے
خانۂ غفلتم زبر برکش | دامنِ عصمتم بسر درکش
عالمِ ہستیم بباد مدہ | خرمنِ ہستیم بباد مدہ
مرغ طبع مرا بگلشن راز | بلبلِ پردہ سازِ معنی ساز
ظلمتِ ظلم از رواں بفزائے | وآب حیوانم از زباں بکشائے
ملک معنی مسخرم گرداں | علم وحکمت میسرم گرداں
دلِ خواجو زشمع دل بفروز | چشم تجریدش از جہاں بردوز

نعت

اے رُخ ماہ مطلعِ لولاک | وے بقد سرو گلشنِ افلاک
سیدِ انبیا پناہ رسل | مقصدِ کن فکاں امام رسل
بنیِ ہاشمی رسول خدائے | مرغ دستاں سرائے ہر دو سرائے
حجۃ حق خلاصۂ کونین | رحمتِ خلق وہادیِ ثقلین
شمع بطحی چراغ بیت حرم | صدر وبدرِ جہاں جہان کرم
راہ بنمائے الذی اسریٰ | مجلس آرائے قصر ما اوحیٰ
مروہ را زینت وصفا از تست | رونقِ ملک اصطفا از تست
تو کماں دار قاب قوسینی | عرش را زیب وفرش را زینی
بوالبشر خوشہ چین خرمن تو | روضۂ خرم بہ بوئے مسکن تو

شرفِ بام کبریائت مہر | کاسئہ ریز مطبخ تو سپہر
تو مہ و مطلع تو اوج فلک | توشہ و لشکرِ تو فوج ملک
خادمِ خوان دعوتِ تو خلیل | مرغ باغ نبوتت جبریل
کشتۂ تیغ غمزۂ تو ذبیح | وز دمت روح پروریدہ مسیح
آستانِ تو سجدہ گاہ فلک | وآستیں تو بوسہ جائے ملک
سدرہ را منتہا تو دیدن وبس | گل باغِ دنا تو چیدن وبس
گر یتیمی چہ غم کہ از تعظیم | بیش باشد بہائے درّ یتیم
دمبدم چشم ما کہ رفت برود | می فرستد بروضۂ تو درود
رفتم از دست عذر من بہ پذیر | سر برآور ز خاک و دستم گیر
در حریم شفاعتم بہ نشاں | وآستیں بر بضاعتم مفشاں
کار خواجو چنیں خراب مہل | زو رقش درمیان آب مہل
بکشایش درِ سرائے اماں | برسانش بمنتہائے رساں

خواجو کرمانی کی یہ مثنوی اخلاقی وصوفیانہ ہے چھوٹے چھوٹے اخلاقی مضامین پند و موعظت کے اس میں لکھے ہیں۔

حمد و نعت میں جو اشعار کہ ہم معنی و مضمون واقع ہوئے ہیں اُنھیں اگر خسروؔ ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ تمام مثنوی نگار خسرو سے بمراحل دور ہیں۔

تائید تنقید از بہارستان جامی

بہارستان جامی میں سخن سنج جام نے امیر خسرو علیہ الرحمہ کی قادر الکلامی کی جو داد دی ہے وہ فقیر کے دعوی پر ایک روشن برہان ہے۔ فرماتے ہیں۔

"امیر خسرو علیہ الرحمہ در شعر متشنی است قصیدہ و غزل و مثنوی ورزیدہ و ہمہ بکمال رسانید۔ تتبع خاقانی می کند ہر چند در قصیدہ بہ وے نہ رسیدہ اما غزل از وے گذرانیدہ و غزل ہائے بواسطہ معنی آشنا کہ ارباب عشق و محبت بحسب ذوق و وجدآں خود را در می یابند مقبول ہمہ کس افتادہ است خمسہ نظامی بہ از وے کسے در جواب نگفتہ و دراے آں مثنویہا دیگر دارد و ہمہ مطبوع و مصنوع"

اب بعد اس کے کہ ایسی زبردست شہادتیں کمال خسروی کے متعلق پیش کی جا چکیں اصناف سخن کا بھی ایک نمونہ پیش کر دیا گیا خصوصیت کے ساتھ صنف مثنوی میں مولنا نظامی کے کلام سے مقابلہ بھی کر کے دکھا دیا گیا ان مراحل کے بعد شاید اس دعوی کی تصدیق میں کہ خسرو کا وجود نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام میں ایک جوہر فرد ہے کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا۔ اب رہی یہ بحث کہ اس طرح کی جامعیت اور کمالات گوناگوں کے کیا وجوہ ہوئے اس کے لئے صرف حضرت سعدی کا مشہور فیصلہ کفایت کرتا ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کمال خسروی کے متعلق روایات عجیبہ کی وجہ

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام سے پیشتر دنیا اس خبط میں مبتلا ہے کہ جہاں کسی فرد بشر میں کوئی قوت عامۂ ناس سے زیادہ ہوئی بس او سے خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا گیا

چنانچہ حکماے یونان میں سے فلاطون وغیرہ اسی لقب کے مستحق سمجھے گئے۔ آج یورپ باوجود اس کے کہ علم و فن میں اپنے کو انتہا مرتبۂ کمال پر سمجھتا ہے لیکن کیا مجال کہ اوس قدیم خبط سے ہوش میں آسکے وہی رٹ لگی جاتی ہے کہ عیسی خدا ہے خدا کا بیٹا ہے۔

لیکن تعلیمات اسلامیہ نے جبکہ دنیا کے عقول صحیح کر دیے تھے تو کسی کو یہ جرأت تو نہو سکی کہ کسی صاحب کمال کو اس لقب سے یاد کر سکے لیکن پھر بھی جب کسی کے لئے غیر معمولی کوئی وصف ثابت کیا جاتا تو اوس کے لئے غیر معمولی وجوہ بھی تراشے جاتے۔

اگر خسرو علیہ الرحمہ جیسا شخص اسلام سے قبل دنیا میں آیا ہوتا تو اُس کے محیر العقول کمالات بھی ملک و قوم سے اوسی لقب کی سفارش کرتے جو ایسی باکمالوں کو ملک و اہل ملک کی جانب سے ملا کرتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ کسب و اکتساب تعلیم و تعلّم سے جہاں تک طبیعت میں ملکہ اور قوائے دماغی کی تربیت علی العموم ہوسکتی ہے اوس مقدار خاص سے اگر کسی کی طبیعت میں ملکہ یا دماغی قوت میں نشو و نما زیادہ پایا گیا تو پھر اوس کے بیان وجوہ میں عجیب غریب رنگ آمیزی کی جاتی۔

خواجہ حافظ شیرازی اور مولانا نظامی کے متعلق جو روایات کہ عوام میں مشہور ہیں وہ اثبات دعوی کے لئے کافی ہیں۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ اکتساب کمال کے لئے جہاں صحیح استعداد و طلب کامل محو و انہماک شرائط و لوازم ہیں وہاں نفوس قدسیہ اور ارواح زاکیہ کی توجہ و دعا بھی ایک اثر خاص رکھتی ہے۔

خواجہ حافظ و مولنا نظامی وغیرہ چونکہ زمرۂ صوفیہ میں ہیں اس لئے ان حضرات نے اپنے عہد کے شیوخ سے ضرور استفادہ و استفاضہ دعاے مقبول کا فرمایا۔ یہ اونھیں بابرکت دعاؤں کا اثر ہے کہ ان حضرات کے قلم نے معارف و حقائق کے ایسے مینہ برسائے کہ آج تک رہروان معرفت اُن سے سیراب ہو رہے ہیں۔

عوام نے اونہیں برکات و فیوض کو اپنے الفاظ میں اس طرح شہرت دی جس سے رفتہ رفتہ واقعہ طلسمی افسانہ بن گیا۔ اور اصل حقیقت مخفی ہوگئی یہ نتیجہ اوسی استعجاب کا ہے جو حافظ و نظامی کے شاعرانہ کمال نے عوام میں پیدا کر دیا تھا۔ اس طرح کی روایات سے گو واقعہ کی صورت مٹ جاتی ہے لیکن یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ اوس کا کمال غیر معمولی تسلیم کیا گیا۔

ایسی صورت میں پھر اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ خسرو علیہ الرحمہ جیسے جامع کمالات کے متعلق اس طرح کی روایتیں مشہور نہ کی جاتیں عوام میں کیا کیا مشہور رہے اوسے ہم عوام ہی کے حوالہ کرتے ہیں ہاں جو واقعہ نفس الامر ہے اس مقام پر ہدیۂ ناظرین ہے۔

امیر سیف الدین جو خسرو علیہ الرحمہ کے والد ماجد ہیں اونہیں قصبہ پٹیالی عرف مومن پور یا مومن آباد ضلع ایٹہ میں جاگیر عطا ہوئی تھی۔ وہاں ایک ولی کامل مجذوب

حال رہا کرتے تھے خسرو علیہ الرحمہ کے والدین اون کے معتقد و خدمت گذار تھے جب خسرو علیہ الرحمہ پیدا ہوئے تو آپ کے والد ایک خرقہ میں لپیٹ کر اس مولود مسعود کو اوس صاحب ترک و تجرید کے پاس لے گئے وہ واقف اسرار دیکھتے ہی یہ الفاظ زبان پر لایا "آوردی کسے را کہ از خاقانی دو قدم پیش خواہد برد"

یہ روایت تقریباً ہر اوس کتاب میں موجود ہے جس میں خسرو علیہ الرحمہ کا تذکرہ ہے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبار الاخیار میں مجذوب کے اس جملے کو نقل فرما کر اس کا مطلب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ "قصد آں مجذوب از دو قدم مثنوی و غزل باشد" یعنی خاقانی صرف قصائد میں اوستاد تھا اور اس کا کمال علاوہ قصائد کے مثنوی اور غزل میں بھی ہوگا۔

اس روایت کی نقل سے مدعا یہ ہے کہ ایک صاحب حال واقف اسرار آگاہ حقیقت ولی کامل کے منہ سے ایسے بابرکت مژدہ کا نکلنا ایک ایسی دعائے مستجاب تھی جس کے حاصل کرنے کے لئے خسرو ہی جیسا بلند طالع مولود ہو سکتا ہے۔

دوسری یہ روایت ہے کہ جب خسرو علیہ الرحمہ تعلیم سے فارغ ہوئے اور آپ کی شاعری کا عہد شباب شروع ہوا تو اوس وقت آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوتی تو اُن سے لعاب دہن کی التماس کرتا تاکہ اوس کی برکت سے کلام میں حلاوت و شیرینی پیدا ہوتی۔

اعجاز سخن اور شیخ طریقت کا فیض

چنانچہ ایک روز جب کہ دولت زیارت حضرت خضر کی نصیب ہوئی تو اُن سے اپنی دلی تمنّا کا اظہار نیازمندانہ کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ "ایں بچہ را شیراز برد" یعنی شیرینی سخن کی دولت

شیخ سعدی شیرازی کو نصیب ہو چکی۔ اس مایوس کن جواب سے خسرو علیہ الرحمۃ شکستہ خاطر ہوئے اور شیخ طریقت حضرت سیدنا نظام الدین محمد سلطان الاولیا قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں صورت واقعہ دردانگیز لہجہ میں عرض کی شیخ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ شکستہ خاطر ہونیکی کیا بات ہے حلاوت سخن میں عطا کئے دیتا ہوں چنانچہ آپ نے چند پارے مصری کے خسرو کی سر سے نچھاور فرمائے اور ایک ٹکڑا آپ کے منہ میں بھی ڈالدیا۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ خسرو علیہ الرحمۃ جب حضرت شاہ بو علی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اوس وقت اون سے لعاب دہن کی التماس کی ہی شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیرینی تو سعدی کے حصہ کی ہو چکی نمکینی باقی ہے یہ فرمایا اور ایک کنکری نمک کی اپنے منہ میں ڈالکر پھر اوسے خسرو کے منہ میں ڈالدیا۔

جب شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے خسرو واپس تشریف لائے تو اوسوقت اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا اور شیرینی سخن کے طالب ہوئے اُسوقت حضرت نظام المشائخ نے مصری کھلائی اور حلاوت سخن عطا فرمائی۔

صاحب سیر الاولیا مولٰنا سید محمد کرمانی المعروف بامیر خرد جو امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے معاصر ہیں اور شیخ المشائخ حضرت سلطان الاولیا کے مرید و خلیفہ بھی ہیں سیر الاولیا میں تحریر فرماتے ہیں کہ "روزے در مدح سلطان المشائخ پیش سلطان المشائخ شعرے گذرانید فرمان شد کہ چہ میخواہی چون ہوس سخن در نظم داشت شیرینی سخن خواست فرمان شد کہ آں طاس شکر کہ زیر کھٹ ست بیار و سر خود نثار کن وقدرے ازاں بخور امیر خسرو ہم چناں کرد لاجرم شیرینی سخن او شرق و غرب عالم گرفت" سیر الاولیا کی روایت انکشاف اصل حقیقت میں سب روایتوں سی زیادہ

قابل وثوق ہے۔ اگرچہ بہت ممکن ہے کہ عطاے شیرینی کی دولت چند بار نصیب ہوئی ہو اور جس کو جو روایت پہونچی اوس نے اوسی کو نقل کیا۔

لیکن خود امیر خسرو علیہ الرحمہ مثنوی نہ سپہر میں ایک اشارہ کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جامعیت اور زور کلام خود شیخ طریقت حضرت نظام المشایخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بذل و نوال کا صدقہ ہے فرماتے ہیں۔

من از وے لعاب دہاں یافتم — کزاں گونہ آب دہاں یافتم

دو قطرہ ازاں در دوات افگنم — نظام در آب حیات افگنم

اسمیں کوئی شک نہیں کہ خسرو علیہ الرحمہ نے جہاں اور برکات مخصوصہ اپنے شیخ سے حاصل کیں وہاں حلاوت سخن بھی شیخ کی دعاء مقبول کی بدولت حاصل کی۔ رہی یہ بحث کہ خاصان خدا کی دعا یا لعاب دہن میں یہ قوت و تاثیر ممکن بھی ہے یا نہیں اس مقام پر ایک امر زاید ہے اور موضوع سے بہت دور جاتا ہے جس سعید ازلی کو نفوس قدسیہ کی مقدس و مقبول دعائیں نصیب ہوئی ہیں وہی خوب جانتا ہے کہ "رب اغبر اشعث لو اقسم باللہ لابرہ" جو ایک زبردست بشارت صادق و مصدوق ہے وہ کیا کچھ قوت و تاثیر رکھتی ہے اور جو شخص اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہے وہ اگر انکار کرتا ہے تو اوس کی محرومی اوس کی عذر خواہ ہے ع

ہر کہ ایں کار ندانست در انکار بماند

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ الکریم و علیٰ اٰلہ و اصحٰبہ اجمعین۔

حررہ بعبد قلمہ

فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہ

بہار شریف۔ محلہ میرداد ضلع پٹنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے کشایندۂ خزانۂ[1] جود — نقش پیوندِ کارگاہِ وجود

کوکب آرائے آسمانِ بلند — ہم زمیں ساز و ہم فلک پیوند

بودنی را ہمیشہ بود از تو — بودنا بود را وجود از تو

آفرینش رقم کشیدۂ تست — ہرچہ جز تست آفریدۂ تست

در نیائی[2] بفکر عالمیاں — در نگنجی بوہم آدمیاں

آدمی کیست خاکِ بے سروپاے — کو[3] بداند خدائے را چو خدائے

سخن آنجا کہ از خدادانی ست — لافِ دانش دلیل نادانی ست

آنکہ خود را شناخت نتواند — آفریننده را کجا داند

آنکہ در کارِ خویش گم باشد — دمِ غیب از وے استتلم[4] باشد

ن۱ خدم = خزائن ن۲ سنم = بفہم ن۳ رم = کہ ۴ لفظ ترکی ست بمعنی ستم و ظلم را از حد گذرانیدن ۱۲

مور کافتد میانِ دریا[۱] بار — کے رسد از شناوری بکنار

عقل گو[۲] صد ہزار رنگ آمیخت — از خجالت بپائے پس بگریخت

ہر چہ اندر جہاں نداند کس — ہمہ دانند کاں تو دانی و بس

کردنی ہر چہ در جہاں شاید — آنچنانش کنی کہ می باید

حرفِ انگشت چوں زُشت بہشت — کس بحرفِ تو چوں نہد انگشت

ساختی از قضا جریدۂ راز — بستی از حرف کاف و نونش طراز

لائے توحید اژدہاست بپائے — کہ خدایاں خورد بغیر خدائے

اندراں لائے معرفت پیشہ — لام الف گشت پائے اندیشہ

ہمہ ہستی زملک تا ملکوت — یک رقم زاں جریدۂ جبروت

ہستِ[۳] بے نیست آشکار و نہفت — ہم توئی جز ترا نشاید گفت

تو بُدی و نبود ایں ہمہ چیز — ہم تو مانی و کس نماند نیز

کے کسے چوں تو پایدار شود — بندہ کے آفریدگار شود

ہر چہ نتواں ز پادشاہی کرد — کردی و میکنی و خواہی کرد

تو توانی کہ بخشی از شاہی — ہر چہ خواہی و ہر کرا خواہی

---

[۱] دریائے بزرگ ۱۲ ل۔ [۲] جب = گر۔ [۳] وجودیکہ در آں عدم راہ نیابد و ہم آشکار و ہم پنہاں باشد آں وجود پاک تست؛ دریں معنی مولٰنا عبد العلیم آسی غازی پوری قدس سرہٗ شعرے فرمودہ و دُرسُفتہ۔ بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار + اُس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے ۱۲ ل۔ ر = آں

کارسازی و کارسازت نه — هیچکس کاردانِ رازت نه

گر بجان زندگی ست حیواں را — زندگانی تو میدهی جاں را

جاں که او را بها نداند کس — رایگانش[۱] دهی بمور و مگس

تو نگاری زخاک صورتِ پاک — تو توانیش باز کردن خاک

خاک را آدمی توانی کرد — آدمی نیز خاک[۲] دانی کرد

گل[۳] برآری ز گل بجلوه گری — هم برآری و هم فرو دری

سنبل آری زخاکِ صحرائی — هم بیاری و هم بیارائی

گوهر اندر صدف به بندگنی — پس برآری و ارجمند کنی

شب فرستی و شب فروزی هم — روزدادی[۴] فراخ روزی هم

دهی از لطف هر کرا خواهی — چشمه را آب و آب را ماهی

پشه را بیهمانیِ جود — طعمه بخشی زکاسهٔ نمرود

عاجزی را چو دل بزور کنی — شیر شرزه زبون مور کنی

از تو خاکی خوش آتشی ناچیز — بولهب[۵] خوار و بوتراب[۶] عزیز

هر کرا شکر گوے خویش کنی — نعمتش را بشکر بیش کنی

---

۱ مفت و بے عوض ۱۲ ۲ آدمی را خاک کردن هم میدانی ۱۲ ۳ شوکت ۱۲ ۴ رس = آری ۵ لهب بمعنی شعله و ابولهب کنیت عبدالعزیٰ ست که عم رسول الله صلی الله علیه وسلم بود در مذمت او سورت تبت یدا نازل گشته ۱۲ ۶ تراب بمعنی خاک ابوتراب کنیت حضرت مولیٰ علی کرم الله وجهه است روزے حضرت مولی بزمین مسجد استراحت میفرمود پیغمبر صلی الله علیه وسلم از غایت شفقت براے بیدار کردن قم یا اباتراب فرمودند و خاک را از جامه و جسم بدست مقدس خویش پاک فرمودند پس از آن روز کنیت حضرت علی ابوتراب گشت ۱۲

وانکه با شکر نبودش خویشی — گوشمالش دهی بدرویشی

اے بصد لطف کارسازندہ — بندہ را از کرم نوازندہ ق

بندگاں را بخواجگی شب و روز — خواجگی بخش بندگی آموز ۲

بجرم رخت خواجگیم بسوز — بندہ ام خواں و بندگی آموز

آمدم بر در تو بے خود وار — باخودم دار بے خودم مگذار

دور کن باد خسروی زسرم — پر کن از خاک بندگی بصرم

بے نیازم کن از در ہمہ کس — جز ز درگاہ بے نیازی و بس

آنچناں رہ بخویش کن بازم — کز تو با دیگرے نہ پردازم

ہمہ جا لطف خویش یارم دار — بر در خویش رستگارم دار

اندراں تلخئے کہ در انجام — ز انده نزع تلخ گردد کام

اولم کن بشربتے سیراب — کآخرم تلخئے نیارد خواب

در قیامت کہ حشر کار شود — عاصی از کردہ شرمسار شود ق

چوں بصحرائی نہان ہمہ — شرمسارم مکن میان ہمہ

از گنہ انچہ در جہاں کردم — رحمتم داد دل ازاں کردم

چوں ز رحمت شد ایں عمل یارم — ہم برحمت حوالہ کن کارم

چوں رسد خواجۂ نکوکاراں — در شفاعتگہ گنہ گاراں ق

---

(۱) یح = زبندگی (۲) اضافہ بموجب بسبر (۳) بس = تلخیم (۴) میدان محشر ۱۲ (۵) دل داد یعنی دلیر ساخت ۱۲

زاں۱؎ شفاعت رواجِ کارم بخش　　ب۲؎ شفیعِ بزرگوارم بخش

دُرُود روان سُوی روضۂ محمّدی که هشت بهشت
راگلِ خلد از گلابِ عرقِ او شگفت اللهم صل علیٰ محمدؐ

سخن آں به که بعد حمد خداے　　بود از نعت خواجۂ دوسراے
احمد آں مرسل خلاصۂ کون　　پرده پوشِ اُمم بدامن عون
میم احمد که در اَحَد غرق ست　　کمر خدمت از پئے فرق ست
احمد اندر اَحَد کمر بند ست　　یعنی این بنده واں خداوند ست
عاصیاں را در آفتاب۳؎ نشور　　ظلّ محمدؐ۴؎ ود واد از منشور
نورِ او آفتاب را مایه　　سایۂ خلق و ابر بے سایه
بهرِ تعظیمِ او ارادتِ پاک　　سایۂ او رها نکرده بخاک
پایۂ قدرش آسماں پیوند　　سایۂ نورش آفتابِ بلند
روشنائی ده چراغ یقیں　　نور پیشین و شمعِ باز پسیں
نور او کز سپهر صد چند ست　　مه شگاف و سپهر پیوند ست
انبیا پیشِ آں خجسته چراغ　　طفلِ گهواره در مقامِ بلاغ

۱؎ ز = از　۲؎ ب = برسول　۳؎ روز قیامت ۱۲　۴؎ ظل بمعنی سایه و ممدود بمعنی دراز و منشور بمعنی فرمان شاهی و اینجا فرمان الهی ۱۲

کارپردازِ کارنامۂ غیب — خازنِ گنج خانۂ لاریب[۵]

اُمّی و حرف سنجِ تختۂ کُن — قلمش راست کار و راست سخن

کاف و نون یک رقم ز نامۂ او — لوحِ محفوظ زیرِ خانۂ او

بهترین نقطۂ رسل بشمار — آسماں دائرہ است او پرکار

در سرشتِ خود از دقیقۂ عون — ذاتِ پاکش خمیر مایۂ کون

نہ سپہر از وجود او شد چیز — بلکہ ہژدہ ہزار عالم نیز

زبدۂ ہرچہ بود و ہرچہ بود — دولتے زیں بزرگ تر چہ بود

درّۃ التاجِ کُن فکاں نسبش — قرۃ العینِ انس و جاں لقبش

ہستی از وے علم برآوردہ — او تفاخر بہ نیستی کردہ

گفت عیسیٰ خود از کتابِ احد — یاتی من بعدی اسمہ احمد

ذاتِ او خلق را کلیدِ نجات — ہم حیاتِ جہاں ہم آبِ حیات

عیسیٰ از کیمیائے جانست بپوست — بیگماں کیمیائے عیسیٰ اوست

خاتمِ چرخ زادہ انگشتش — پدرِ او چکید از پشتش

اوست جانے کہ قالبش بیقیں — جانِ روح اللہ است و روحِ امیں

ختمِ پیغمبراں بار خدائے — گمرہاں را بصدق راہنمائے

منکرِ شرع راز اصل و ز فرع — سر زدہ ہم بتازیانۂ شرع

لاریب = کارخانۂ ۵ مراد از قرآن پاک ست کہ در توصیفش عز اسمہ ذالک الکتاب لاریب فیہ فرمودہ ۱۲

بهدایت دلیلِ بے دیناں　　بشفاعت پناهِ مسکیناں
چون بحجت ز بهرِ دعویٰ خاست　　حجّتِ او درست و دعویٰ راست
در جهانگیری از زبر تا زیر　　هم زبانش درست و هم شمشیر
بر سریرِ فلک بحجّت[۱] میر　　لاے لولاک دورباشِ[۲] سریر
پنج[۳] منشور از چهِ ظلمات　　سوے نُه بام نردبانِ نجات
کنگرِ شینِ شرعش از همه راه　　بر شدن را فگنده حبل الله
برده بر عرش خواجگی را تاج　　عرشیانش به بندگی محتاج
اوج بر بلبلانِ مازاغش　　غلغلِ مرغِ سدره در باغش
آنکه او سنگ زد بدندانش　　یافت گوهر[۴] ز لعل خندانش
عذر خواهِ امم به پردهٔ راز　　عذر او جرم سوز و مجرم ساز
وصفش از حدِّ عقل و جاں برتر　　بارگاهش ز لامکاں برتر
آفریں باد بر چناں خاکے　　که از و زاده شد چنیں پاکے
نور او از زمیں بروں داده　　آسماں و زمیں از و زاده

---

[۱] ریخت امیر [۲] دورباش بواو معروف نیزه باشد که سنان آن را دو شاخه سازند و چوب آنرا بزر و جواهر مرصع ساخته پیشاپیش سواری بادشاهاں برند تا خلق از دور مشاهده نموده یکسو شوند و نیز اگر عدوے کند بجانب بادشاه انداز و بداں دفع کنند۔ پس لاے (لا) لولاک را دورباش گفتن عجب استعارهٔ بلیغ است و لله در قائله ۱۲ [۳] در حدیث آمده است بنی الاسلام علی خمس یعنے بنیاد اسلام بر پنج چیز نهاده شده است کلمه شهادت، نماز، روزه، زکوٰة، حج پس از پنج منشور همیں مراد باشد یا نماز پنجگانه و از چه ظلمات کفر و ضلالت ۱۲
[۴] از گوهر مراد دعا در حق کفار ست ۱۲ شوکت

کارپردازِ کارنامهٔ غیب — خازنِ گنج خانهٔ لاریب
اُمّی و حرف سنجِ تختهٔ کُن — قلمش راست کار و راست سخن
کاف و نون یک رقم ز نامهٔ او — لوحِ محفوظ زیرِ خانهٔ او
بهترین نقطهٔ رسل بشمار — آسمان دائره است او پرکار
در سرشتِ خود از دقیقهٔ عون — ذاتِ پاکش خمیرمایهٔ کون
نه سپهر از وجود او شد چیز — بلکه هژده هزار عالم نیز
زبدهٔ هرچه بود و هرچه بود — دولتے زین بزرگ تر چه بود
درّة التاجِ کُن فکان نسبش — قرة العینِ انس و جان لقبش
هستی از وے علم برآورده — او تفاخر به نیستی کرده
گفت عیسیٰ خود از کتابِ اَحَد — یاتی من بعدے اسمه احمد
ذاتِ او خلق را کلیدِ نجات — هم حیاتِ جهان هم آبِ حیات
عیسیٰ از کیمیائے جانست بپوست — بیگمان کیمیائے عیسیٰ اوست
خاتمِ چرخ زادهٔ انگشتش — پدرِ او چکید از پشتش
اوست جانے که قالبش بیقین — جانِ روح اللہ است و روحِ امین
ختمِ پیغمبران بار خدائے — گمرهان را بصدق راهنمائے
منکر شرع را ز اصل و ز فرع — سر زده هم بتازیانهٔ شرع

لاریب = کارخانهٔ سلطه مراد از قرآن پاک ست که در توصیفش عز اسمه ذالک الکتاب لاریب فیه فرموده ۱۲

بہدایت دلیلِ بے دیناں | بشفاعت پناہِ مسکیناں
چوں بحجت ز بہرِ دعویٰ خاست | حجتِ او درست دعویٰ راست
در جہانگیری از زبر تا زیر | ہم زبانش درست و ہم شمشیر
بر سریرِ فلک بحجت میر[1] | لاے لولاک دور باشِ[2] سریر
پنج[3] منشور از حپہ ظلمات | سوے نہ بام نردبانِ نجات
کنگر شینِ شرعش از ہمہ راہ | برشدن را فگندہ حبل اللہ
بردہ بر عرشِ خواجگی را تاج | عرشیانش بہ بندگی محتاج
اوج بر بلبلانِ ما زاغش | غلغلِ مرغِ سدرہ در باغش
آنکہ او سنگ زد بدندانش | یافت گوہر[4] زلعل خندانش
عذر خواہِ امم بہ پردۂ راز | عذر او جرم سوز و مجرم ساز
وصفش از حدِ عقل و جاں برتر | بارگاہش ز لامکاں برتر
آفریں باد بر چناں خاکے | کہ ازو زادہ شد چنیں پاکے
نور او از زمیں بروں دادہ | آسماں و زمیں ازو زادہ

---

[1] ریختست امیر [2] دورباش بواو معروف نیزہ باشد کہ سنان آں را دو شاخہ سازند و چوب آنرا بزر و جواہر مرصع ساختہ پیشا پیش سواری بادشاہاں برند تا خلق از دور مشاہدہ نمودہ یکسو شوند و نیز اگر عدوے کمند بجانب بادشاہ انداز د بداں دفع کنند۔ پس لاے (لا) لولاک را دورباش گفتن عجب استعارۂ بلیغ است و للہ در قائلہ ۱۲ [3] در حدیث آمدہ است بنی الاسلام علی خمس یعنی بنیاد اسلام بر پنج چیز نہادہ شدہ است کلمہ شہادت، نماز، روزہ، زکوۃ، حج پس از پنج منشور ہمیں مراد باشد یا نماز پنجگانہ واز چہ ظلمات کفر و ضلالت ۱۲
[4] از گوہر مراد دعا در حق کفار ست ۱۲ شوکت

خاک و آبش بکارخانۂ راز | گشته نه بام را عمارت ساز

چار یارش بچار سوئے زمیں | چار رکن و چهار صفۂ دیں

آں بزرگاں که همنشینِ ویند | روشن از پرتوِ یقینِ ویند

اوّل آں اوّلیں خلیفۂ کار | ثانی اثنین اذ هما فی الغار

دویم آں کز شکوهِ پایۂ او | دیو بگریخته ز سایۂ او

سوم آں جامعِ جریدۂ پاک | چاشنی گیرِ خوانِ ارسلناک

چارم آں قصرِ دحی را دهلیز | درِ علم و کلیدِ خیبر نیز

دوستانِ دگر کزاں جمعند | صبح را نور و شام را شمعند

آنکه پاکند پاک کیشانند | رضی اللہ عنهم ایشانند

راهِ شاں را که نه فلک زپس ست | توشۂ خوشنودیِ خدائے بس ست

هر یکے سرِّ سرمدی دارد | زانکه نورِ محمّدی دارد

همه را داد دولتش همه چیز | آفریں بروے و بر ایشاں نیز

ابد الدهر بار رضاے تمام | از خدا بادشاں درود و سلام

گردِ آں انجمِ سپهر افروز | پرتوِ نورِ مصطفیٰ شب و روز

هر که از مصطفیٰ ندارد نور | سایه اسش دور باد از ما دور

نامِ پاکش که مردۂ آنم | زنده بادا بیاد[1] او جانم

---

[1] ج = زیاد

بندہ خسرو کہ در پناہش باد　　　مردہ و زندہ خاکِ راہش باد

صفتِ معراج سیّد المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

گر شود مردم آسمان را تاج　　　جز محمدؐ کراست ایں معراج

فرخ آں شب کہ آں چراغِ دو کون　　　زد بقندیل عرش پرتوِ عون

شب چو بر سر نہادہ چترِ سیاہ　　　چترِ اَسریٰ کشید بر سرِ ماہ

دولتش زیں سرائے دامن گیر　　　جلوہ گر شد بہ لاجورد سریر

شبِ[1] او گشت زیورِ ماہش　　　نورِ او گشت مشعلِ راہش

در دلِ شب ز پرتوِ آں نور　　　حرف باریک غیب خواندہ ز دور

جبرئیل آوریدش از درگاہ　　　راہوارے کہ وہم را زد راہ

بر نشست و عنانش داد فراز　　　تا شتاباں شود براہِ دراز

اوّل آں دم کہ کوسِ اسریٰ زد　　　خیمہ در بارگاہِ[2] اقصیٰ زد

رفت زانجا ہمہ نوا بخشید　　　خستۂ[3] خویش را دوا بخشید

پس بہ پیشش عطاردِ نامی　　　بردہ شعرِ یمانی و شامی

---

[1] مراد از شب گیسوے معنبر و از ماہ چہرۂ انور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

[2] مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس ۱۲

[3] خستۂ خویش باعتبار معجزۂ شق القمر ماہ را قرار دادہ ۱۲

چوں ازآنجا جنیبه راند بہ پیش — زہرہ در رقص شد زقبهٔ خویش
در رہش آفتاب روشن وپاک — پیش[1] ازاں رو نہادہ بود بخاک
چوں بہ پنجم سپہر کرد خرام — طرقوا[2] زد چو چاوشاں بہرام
چوں بششم خانه شد قرارگہش — مشتری ازعمامه رفت رہش
زحل ازسهمناکیِ کششش — گشت غلطاں چو ہندواں پیشش
چوں ز اختر بنا ثبات گذشت — زین تحرک درآں ثبات گذشت
ہم ثوابت خجسته ذات شدند — ہم بدریوزه[3] ثبات شدند
چوں علم پیش برد زیں پرکار — ماند برجا زماندگی رہوار
عرش برداز جنیبه بارش را — پائے گم شد جنیبه دارش را
روپیش افگند زآفتابِ حضور — برقفا دیلِ عرش پرتوِ نور
چوں برخ عرش را منور کرد — زاں[4] مکاں سربلامکاں برکرد
جلوه کرد ازوراے کونینش — سربدرگاهِ قاب قوسینش
برگرفت ازمیاں حجاب خیال — تادرآمد بجلوه گاهِ جمال[5]
شد بجائے که جاں نمی گنجد — خود ہم اندرمیاں نمی گنجد
دیده را نور لایزالی داد — سینه را سرّ ذوالجلالی داد

---

[1] جب = بهراو [2] بمعنی طرقوا (که صیغهٔ امر حاضر ست) یکسو شوید و راه دهید و معنی چاوشاں نقیباں ۱۲

[3] ح = بدریزه   [4] ب = از   [5] جب = وصال

چوں ز عالم بروں نہاد قدم
جلوہ گر شد بہ پیشگاہِ قدم

ہستی دیدہ کش زوال نبود
نیستی را درو مجال نبود

یافت در خود متاع موزوں را
دید بیشک خدائے بیچوں را

نکتہ برخواند بے وکالت ہوش
قصہ بشنید بے میانجی گوش

گوش کی تیر غیب را سنجد
بحر اندر صدف کجا گنجد

باہزاراں ہزار نقد مراد
در شبستانِ دولت آمد شاد

بہرہ داد از رہِ جوانمردی
رہ رواں را از آں رہ آوردی

کرد چوں بخشش خواجگاں ہمہ چیز
داد بخشش گناہ گاراں نیز

ہر یکے را نوید احساں داد
یادگارے زیادِ یزداں باد

تا شدیم از چناں متاعِ امید
ما گدایاں تو نگرِ جاوید

بیں کہ چوں گنج خانۂ داریم
کہ چو ایماں خزانۂ داریم

چہ غم ار ہست نقب زن بقفا
حَسْبُنَا اللہُ وَحدَہٗ وَکَفٰی

مدح قدوۃ الخافقین نظام الحق فی الدنیا والآخرۃ

رضوان ریاض ریاضت کہ گلہائے تازہ وجوہ یومئذ ناضرۃ وبرگہائے ترالیٰ بہا ناظرۃ در فردوس ارادت

ح = پیش رو ر = پیشتر ن۲ جب = لقاے ن۳ حس = خاصگان

او تواں یافت بلغه الله فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر

چون[1] من از خوانِ نعمتِ خواجهٔ خویش — نعمتے تازه یافتم در پیش
زلّه[2] کردم ازاں رقاقی چند — تا کنم توشهٔ[3] ابد پیوند
گندمے بود زلّه آدم را — خوانچه نیز پورِ مریم را
زلّه ام کز رسول والا بود — نه کم از آدم و مسیحا بود
کنم اکنون ازان نعیم جلال — خوانچهٔ مدح شیخ مالا مال
غوثِ عالم نظامِ ملّتِ دیں — قطبِ هفت آسماں و هفت زمیں
رهبرِ پیش بیں محمّد نام — زده پے بر پےِ محمّد گام
صوفیِ در شعارِ صوفِ سلیم — چرخِ اطلس نهفته[4] زیرِ گلیم
در قدم راهش از ملایک پیش — پایش از بوسه ملایک ریش
قدمش را که آسماں محل است — پایهٔ خطوتین[5] قد وصل است
از کرامت بر آسمانش جائے — وز ریاضت هواش[6] در ته پائے
سعدی از سرِ نوشت خود مسعود — خطِّ پیشانیش طرازِ سعود
مردمِ دیدهٔ ستاره و ماه — گفت چرخش علیک عین الله

---

[1] جب = منکه — [2] زلّه بفتح زا و تشدید لام انچه از طعام بهر کسی نگاه دارند و رقاق بضم اوّل نان تنک ۱۲

[3] توشه موصوف ابد پیوند صفت ۱۲ — [4] ج = نهاده — [5] مسافت میان هر دو قدم ۱۲

[6] هوا یعنی خواهش نفس [illegible] آورده و پامال ساخته ۱۲

پاک روحِ الٰہی بدینِ قوی — زندہ دارِ شریعتِ نبوی
شہپرِ ہمتش ببازوے دیں — سنخیۓ[1] از جناحِ روحِ امیں
شرفِ آدم ازنکو خلقی — نائبِ مصطفےٰ بوحیِ خفی
ہُوَ مَعَکُم براتِ حاصلِ او — کُنتُ کَنزاً خزانۂ دلِ او
کاردانِ ممالکِ ملکوت — مشرفِ[2] کارخانۂ جبروت
پادشاہاں بہ بندگی شرفش — خواجگانِ زمانہ درکنفش
برزمیں جبرئیلِ نورانی — زادہ از بیضۂ مسلمانی
آفتابی ست زآدمی زادہ — وآسمانی ست ازز مے زادہ
نے زابرار دیدہ کس عملش — نے زابدال یافتہ بدلش
سفرش زیں نہ آشیانہ بروں — روزہ از ماسوا اللّہش بدروں
ہر شبش زاوجِ عالمِ اسرار — صبحِ دولت دمیدہ از شبِ تار
پاکبازے فگندہ بر سرِ گنج — ہفت[3] و چار زمانہ و ر شش و پنج
آہِ او تیرِ چرخ گاہِ کشاد — نفسش تیغِ تیز ہمچوں باد
زدہ دہلیز قدر بردرِ دیں — میخش اوتادِ رشتہ حبلِ متیں

ل۱ س = نسخہ ۱ ۲ نویسندہ کہ بالاے نویسندگاں متعین شود تا از خیانت ایشاں خبردار بودہ باشد ۱۲
ل۳ جب = پادشاہے ۳ از ہفت مراد ہفت آسمان و زمیں و از چار عناصر اربعہ کہ موالید ثلاثہ جماد و نبات و حیوان ازاں بوجود آمد و یا ربع مسکوں و از شش و پنج متحیر و عاجز یعنی چنداں گنج عرفاں دارد کہ ہمہ عالم را متحیر ساختہ ۱۲

خاکِ دہلیزش آسماں سلب ست | بوریای وی ارچہ از قصب[1] ست
در رواقش بہوسش دیوار | خانہ کردہ فرشتگاں بسیار
دیو از سیلیش بدست صفا | ہم سیہ روے و ہم کبود قفا
سرورانِ سلوک درکویش | مسح کردہ ز آب پاشویش
واں سواکش[2] کہ عمدۂ دین ست | دُرج دُر را کلید چوبین ست
در دلِ عاشقاں بہ پردۂ راز | بانگِ نعلین[3] ارغنونِ نیاز
نور بخش درونہ عین عطاش | رہنماے امید دال دعاش
چوں ز وجد آمدہ دلش درسوز | شمع را کردہ خاطرش پرسوز
چشم مہرش ز پرتوِ جاوید | سنگ را کردہ لعل چوں خورشید
کیمیا سنجِ کورۂ مقصود | کرد حل جملہ عقدہاے وجود
دلش از عشق خون و دیدہ پُر آب | اینست کبریتِ احمر آں سیماب
درد و درمانش در تہِ[4] فرماں | گنجِ درد و خزینۂ درماں
پیش اُستاد دل بکوشش چُست | گشت سبقِ شکستگیش درست
واں مریدانِ رہروانِ یقیں | ہر یکے والیِ ولایتِ دیں
ہمہ شیطاں کُش و فرشتہ خدم[5] | در روش بر ہوا نہادہ قدم

---

۱ نے و ہر چہ مانند نے باشد ۱۲   ۲ سواک یعنی مسواک ۱۲   ن۳ جب نعلینش   ن۴ جب = رہ

ن۵ جب = قدم

زنده دارِ شب از دمِ تسبیح ‏ ‏ ‏ ‏ غلغل افگنده در رواق[1] مسیح
برسر از شین شرع ساخته تاج ‏ ‏ ‏ ‏ دلِ[2] شاں عرش و سجده شاں معراج
ملکِ وحدت بنام ایشان ست ‏ ‏ ‏ ‏ بنده خسرو غلام ایشان ست
نام من زاں ستوده کیشاں باد ‏ ‏ ‏ ‏ حشرِ من درمیانِ ایشاں باد

مدح سلطان خلد بزم سدره عَلَم طوبیٰ قَلَم علاء الدنیا والدّین اعلاه اللہ علیٰ اعلیٰ علیّین

مشتری کوست کاردان[3] سپهر ‏ ‏ ‏ ‏ دوش سوئے من آمد از سر مهر
گفت کاے از ضمیر دریا کار ‏ ‏ ‏ ‏ گشته بازارگانِ دریا بار
زاتشِ طبع یافته جاوید ‏ ‏ ‏ ‏ روز بازارِ گرم چوں خورشید
آمدم تا ز درجِ دُرِّ ثمیں[4] ‏ ‏ ‏ ‏ سوئے گردوں برم متاعِ زمیں
گوهرے ده که چرخ تاب[5] بود ‏ ‏ ‏ ‏ درخورِ گوشِ آفتاب بود
کاں گهرها که آسماں تاب ست ‏ ‏ ‏ ‏ کهنه و خورده و زرد و بی آب ست
گفتمش کاں گهر که کردی یاد ‏ ‏ ‏ ‏ دہمت گر بها توانی داد
گفت گر نبود م بها داری ‏ ‏ ‏ ‏ هست دیدار رایگاں باری

---

[1] رواق بالکسر و بالضم بمعنی خانه و پرده اینجا مراد فلک چهارم [2] اشاره بایں هر دو حدیث شریف ست (۱) قلب المومنین عرش الله (۲) الصلوٰة معراج المومنین ۱۲ [3] داننده کار اسے قاضی فلک ۱۲ [4] جب = را [5] ترکیب مقلوب فاعلے اے تابنده چرخ ۱۲

من چو گیرائیش[۱] نظر کردم — حقهٔ[۲] مهر بسته بر کردم[۳]
وانگهی ریختم برون ز نهان — گوهر مدح بادشاهِ جهان
جم ثانی علاء دنیا و دین — آسمان تاج[۴] و آفتاب نگین
بادشاهِ جهان محمد شاه — سایبانِ جهان ز چتر سیاه
مه سپهرِ منوّرش خوانده — دین علاء مصوّرش خوانده
شاهِ دیهیم بخش و تاج ستان — از عرب تا عجم خراج ستان
علمش سر بر آسمان سوده[۵] — سایه بر آفتاب بگشوده[۶]
دورباش وے از صفت منصور — شمعِ خورشید را زبانهٔ نور
او چو گردون مظفّر از شمشیر — ابلقِ روزگارش اندر زیر
آفتابے طلوع کرده ز شرق — غرب را بسته به تیغ چو برق
ظلّ چترش پناهِ اهلِ زمان — بانگِ کوسش ندای امن و امان
تیغش ار بر که سلیم[۷] شده — کوه چون آسیا دو نیم شده
زد بیک چاشنیِ تیغ چو آب — فتنه در خواب رفت مست و خراب
رخش از آسمان ربوده کلاه — پرچمِ او شده محاسنِ ماه

---

۱ گیرائی بمعنی رغبت و خواهش ۱۲ — ۲ ح = حقه را — ۳ بر کردم اسے بر داشتم ۱۲
۴ بحر = خاتم — ۵ بح = برده — ۶ مسجب = گسترده
۷ سلیم صفت کوه است و ار بمعنی اگر ۱۲

تیغ درمحش که خصم را سودند | ماءِ مسکوب[۱] وظلِّ ممدود اند
نوکِ پیکانش در مقام ہنر | بردہ داغِ کلف ز روے قمر
فتح با تیغِ ملک گیرش باد | جانِ دشمن شکارِ تیرش باد

دُر فشانیٔ لبِ مادح بربطِ انبساط زمین بوس جنابِ رفعت سلطانی

اے جہاں در پناہِ دولتِ تو | آسماں بارگاہِ صولتِ تو
ہفت اختر کہ خاکِ راہِ تو اند | سایہ پرورِ بارگاہِ تو اند
خاک پایت زاوج کونینے | یافتہ قربِ قرۃ العینے[۲]
بر درت خسرواں ز غرب و ز شرق | ہمہ اصلع[۳] شدہ ز سودنِ فرق
آستانت کز وست انور چشم | گشتہ[۴] نور از سیاہیِ ہر چشم
بسکہ قصرت شدہ بگردوں تنگ | آمدہ پاے[۵] آسماں بر سنگ[۶]
آفتاب از جبینت[۷] شد مستور | گرچہ او گرد کرد چنداں نور
ابر با آں[۸] ہمہ زبر دستی | کردہ در پیشِ دستِ تو پستی
دادہ دریا کفِ تو دُر بہوس[۹] | کفِ دریا چہ داد مُشتے خس

---

۱ ماءِ مسکوب آب جاری کردہ شدہ وظل ممدود سایہ کشیدہ اشارہ است بمضمون آیتہ کہ در صفت جنت بسورہ واقعہ نازل شدہ پس تیغ ممدوح باعتبار آبداری از ماءِ مسکوب وچترش را از ظل ممدود استعارہ آوردہ ۱۲ ۲ لغ عجب = شغل
۳ اصلع گنجہ، شوکت ۱۲ لغ آرح = پست ۵ پاے برسنگ آمدن عاجز شدن۔ شوکت ۱۲ ۶ لغ عجب = در
لغ جب = رخت شدہ ۱۲ لغ یک = ایں ۹ یعنی کف تو کہ دریاست اہل ہوس را دُر حسب ہوس شاں بخشیدہ ۱۲

آب باری توزاں کفِ چو سحاب — ابربار دونے سوارک[1] آب
سایۂ مہرِ تو شکستہ[2] پناہ — ذیلِ عفو تو پردہ پوشِ گناہ
مہدِ[3] گردوں کہ ذوالامانت خواند — مہدیٔ آخر الزمانت خواند
عدل سرمایہ تاج و تختِ ترا — چرخ بازیچۂ طفلِ بختِ ترا
شحنۂ عدلت از رعایت خویش — گرگ را دادہ آشتی با میش
رزم و بزمِ تو بسکہ در کارست — دولت مست[4] و بخت بیدارست
چوں خدایت سریرِ شاہی داد — ملکت از ماہ تا بماہی [5] داد
کوش کآسودہ داری از شاہی — عالمے را ز ماہ تا ماہی
بر ستمکش ز عدل کم نہ کنی — بر ستمگار جز ستم نہ کنی
خاربن را بر افگنی ز گذر — خارکن را کنی نہال ز سر
چوں بہ پیلاں علف دہی حالی — از غمِ مور دل مکن خالی
عالم آسودہ کن ز نعمت وجود — تا تو خوش باشی و خدا خوشنود
چوں بخاصاں دہی نوالہ و جام — ق — کامِ شاں خوش کنی بنعمت و کام
یاد کن زاں گدائے بے توشہ — کہ شب افتد گرسنہ در گوشہ

---

[1] بمعنی سواران آب ست کہ حباب و موجۂ آب باشد ۱۲ [2] شکستہ پناہ اضافت مقلوب یعنی پناہ شکستگاں ۱۲ [3] ح = مہر [4] دولت تو مست افتادہ است پس از غایۂ مستی یارائے رفتن جائے دیگر ندارد و بخت تو ہشیارست پس پاسبانی او می کند ۱۲
[5] ح = جہاں ۱۲

کت چو فردا شمارِ کار کنند | اوّل از مفلساں شمار کنند
بیغمی بایدت بعالمِ ملک | غمِ عالم خور و مخور غمِ ملک
تا چو عزمی بود لوائے ترا | عالمے غم خورد برائے ترا
شه جهانگیری از سوار[1] کند | شیر[2]ِ بیدست و پا چه کار کند
مردم از بهرِ آں شوند سراں | که کنند کارسازیِ دگراں
خدمت از بهرِ بخشش و کرم ست | ورنه یک تن ز دیگرے[3] چه کم ست
تا توانی بدین و داد گرائے | که بود ملک زیں دو پایه بپائے
بنده در خوں کند چو دامن جُست | دیت از پادشاه باید جُست
پیل چوں مور را تنهٔ[4] پا سود | پرسش از پیلبانش خواهد بود
گرچه در سدِّ آهنی معصوم | مشنو آمین ز ناوکِ مظلوم
گرچه بینی بگردِ خود صد دوست | زاں یکے دشمنت بود در پوست
ورچه کس نیست دشمنِ تنِ تو | غفلتِ تو بس ست دشمنِ تو
آں چناں دار پاسِ جانِ عزیز | که تو خوش خُسپی و ولایت نیز
ورچه صد پاسباں بوند از پس | پاسِ تو به ز تو ندارد کس
برچنیں پایه کاستواریِ تُست | پاسبانِ تو هوشیاریِ تُست

---

۱ سوار مقابلِ پیاده در اینجا بمعنی لشکر آمده ؂ ن۲ رس حبب = سرِ بے دست و پا

ن۳ حبب = دیگراں ن۴ حبب = به پاے بسود

پاسبانی که بهر مزد بود | پاسبان نے که سیم دزد بود
چون درآئی بصفت تیغ زنان | از تزلزل کشیده دار عنان
لشکرے کز عدو فرار کند | چون بسلطان رسد قرار کند
لیکن ار شه نعوذ بالله تافت | کی فراهم شود صفے که شگافت
شاه کوهے بود بسنگ وقار | جنبش کُه[۵۱] قیامت آرد بار
گرچه برنا[۵۲] برزم کارگر ست | کوشش کاردیدگان[۵۳] دگر ست
در صف رزم با جوانان پوے | لیک تدبیر آن ز پیران جوے
من کیم تا زنم[۵۴] ز پند نفس | دولت و بخت پند گوی تو بس
هست بیدار کردن بیدار | همچو باران بروے دریا بار
نسزد چرب کردن بادام | نے حلاوت بشیره دادنم[۵۵]
لیکن آرد بحضرت شاهی | هر کسے قدر خود هوا خواهی
گر پذیری مرا خود احسان ست | ور گذاری خود از در آسان ست
ززد[۵۶] این تحفه عرض پیش سریر | تو کریمی کرم کن و بپذیر
باش تا هست چرخ زنگاری | در جهانگیری و جهانداری
ز آرزو صد نوید در گوشت | و آرزو ها همه در آغوشت

---

۵۱ رس = او ۔ ۵۲ برنا بمعنی جوان ۱۲ ۔ ۵۳ تجربه دان ۱۲ ۔ ۵۴ حجب = کت زنم
۵۵ حب = بنداے ۲۰۰ آ ۱۰ رست ۔ ۵۶ ز : مخفف شار ز ۱۲

دولت راز کامرانی نور | گرد ناکامی از جنابِ تو دور
بختِ نیکو ہمیشہ یارِ تو باد | ایزد از بد نگاہ دارِ تو باد

در سببِ بنیاد نہادنِ ہشت بہشت اصحاب ہمیں

وروی نسیم مدام نوشیں و سقاہم ربہم شراباً طہوراً

شبے از روزِ بے غمی خوشتر | وقتے از نو بہار دلکش تر
ہفت[1] و نہ کردہ ماہِ چاردہ روز | ماہتابی شدہ جہاں افروز
بر کشادہ ہوای نورانی | آسماں را گرہ ز پیشانی
زحمت[2] از باغ بردہ بادِ خزاں | بادِ نوروز نرم نرم وزاں
گل ز شبنم پر از نسیم شدہ | پردہ دارِ دُرِ یتیم شدہ
جنبشِ بادہاے مشک سرشت | باز کردہ دریچہاے بہشت
من دراحرامِ کعبۂ دلِ خویش | نخل[3] بر دست چاہِ زمزم پیش
نخلِ من چوں مسیح در گفتار | حاملِ باد گشتہ مریم وار
گشتہ کلکم کلیدِ سینۂ من | داد بیروں ہمہ خزینۂ من
در گریباں فرو در فتہ سرم | پُر گہر گشتہ دامنِ ہنرم

---

[1] ہفت و نہ کردن یعنی آرایش تمام کردن ست کہ ہندیاں آنرا سولہ سنگار گویند ۱۲

[2] یعنی موسم بہار بود ۱۲ [3] یعنی قلم در دست داشتم و دوات در پیش ۱۲

فکرتم در گرفته پنهانے — گنج پاشے و گوہرافشانے

خاطرِ من بگوہرافشاندن — واآفرینش بآفرین خواندن

اوج پرگشته بلبلانِ ضمیر — گرد مستم زارغنونِ صریر[1]

ہر نوردی کہ می کشادم باز — می کشیدم ہزار نکتۂ راز

گشته زاں نکتهاے نور[2] آگیں — رویِ کاغذ نگارخانۂ چیں

نفسِ روح پرورِ نغزم — بادِ نخوت دمیده در مغزم

خامه می گفت کز سوادِ ہنر — بعطارد فرو نیارم سر

دل متاعِ گزیده می افشاند — مشتری رازِ آسماں می خواند

من بدیناں بطبعِ گوہرزائے — بسخن نکته بند و عقده کشائے

کامد آں ہمنشینِ جانیِ من — ناقدِ سکّۂ معانیِ من

ہم علی نام و ہم بہ بینائی — چوں علی در کشائی دانائی

جبهه از اخترِ خرد پُر نور — طرفه روشنے[3] کہ چشم بد ز دُور

سینه ز اندیشه چوں خزینۂ پُر — نکته بر نکته چوں علاقۂ دُر

آدمی صورت و فرشته خوئے — صورتِ مردمیش روبا روئے

چوں مرا بازیافت[4] پیشانی — در گہر سنجی[5] و زر افشانی

---

(۱) ر = صفیر (۲) دج = مشک (۳) ر سجب = نورے

(۴) سجب = یاریافت پنهانی (۵) ح = سخن

گفت کای جادوی طلسم انگیز — موشگاف از زبانِ خامۂ تیز
چوں شود خامۂ تو در تحریر — جاں برقص آید از نوای صریر
گاہِ فکرت چو خوی کند رویت — صد عطارد چکد زہر مُویت
از ہنرہاے بیش زاندازہ — در فگندی بعالم آوازہ
بروی اندیشہ را علم جاے — کہ نگنجد بوہمِ داناے
زاں معانی کہ راہ در جاں یافت — بیش زاں یافتے کہ بتواں یافت
ہر یکے رقعہ را کہ کردی نشر — دوختی دامنش[۱] بدامنِ حشر
ہر جریدہ کہ ساز کردہ تست — دُرے از لطف باز کردہ تست
سکۂ معنی از چہار[۲] سواد — کردی آراستہ چو سبع[۳] شداد
چوں بعنوان پنجم آمد حرف — تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف
دادی اوّل بگنبدِ دوّار — روشنائی زمطلع الانوار
کردی آں گاہ بانشاطِ تمام — شہد خسرو و شیریں اندر جام
باز در عالم خردمندی — شورِ مجنون و لیلیٰ افگندی
پس دہاں پُر درِ دُرے کردی — شرحِ رازِ سکندری کردی
ویں زماں کز جواہرِ انجم — می نگاری صحیفۂ پنجم

---

[۱] جیب = جیب او

[۲] یعنی چہار کتاب ۱۲

[۳] ہفت آسمان محکم ۱۲

کوشش کیں خط[1] چناں نگاری چست | کہ فزوں آید از چہار نخست
کاولیں[2] نکتہ گرچہ چست بود | آخریں بہتر از نخست بود
مرد ہر پیشہ را کہ بیش کند | زاں نکوتر بود کہ پیش کند
حرفِ طفلاں زیرک از کہ و مہ | پنجشنبہ بہ آید از شنبہ
گرمیِ کششِ درو دگر سازد | ہرچہ پیشتر لطیف تر سازد
من کہ زو کردم ایں فسانہ بگوش | آمد از غبتم[3] درونہ بجوش
دل نہادم بہمتِ والا | کارم از سینہ لولوی لالا
برکشادم خزینہ خانۂ راز | گشتم از نوکِ خامہ گنج انداز
پاسے از شب[4] ز خاطرِ چو چراغ | کردم اندر دلِ عطارد داغ
از سخنہاے چوں دُرِ ناسفت | آں قدر گفتہ شد کہ نتواں گفت
پس ازیں با دلِ ہنر پیشہ | من و پیغولہ[5] و اندیشہ
ایں ورق را چناں کنم تحریر | کہ نیابیش در زمانہ نظیر
وز طریقِ سخن سراے[6] کہن | ہرچہ دیدم دقیقہ ہای سخن
کنم[7] اول بحرف[8] ہاے غریب | نکتہ ہاے کتاب را ترتیب
دلِ پاکِ منش[9] بمسمورے | ساخت دستورِ من بہ دستورے

---

[1] وجب = را [2] س = اولین [3] س = نسخہ [4] ج = غیر تم
[5] بروزن قیلولہ گوشہ وخلوت ۱۲ [6] مراد از نظامی ۱۲ [7] ج = دادم [8] ج = طرزہا
[9] ضمیر شین راجع بسوے مثنوی ہفت پیکر ۱۲

حقه بگشادم و شکر دیدم — چاشنی[۱] را نمونه برچیدم
جرعهٔ را که عقل چید از وے — همه ریزم درین قرابهٔ مے
آں نمودارِ هفت پیکرِ او — ویں برآئینِ هفت زیورِ او
واں بهر گنبدے به مجلس و جام — عیشِ خوبان و عشرتِ بهرام
یک بیک را نمونه برسازم — زدِ نو بر بساطِ نو بازم
نمطِ رنگ هائے گنبد نیز[۲] — سازِ[۳] دیگر برآرم از تمیز[۴]
رنگے آرم که بوی هم باشد — وانچناں رنگ و بوی کم باشد
هر مشامے بعنبر افشانے — صندلے و بنفش و ریحانے
وآنکه زردست و زعفرانی فام — کنمش رنگِ زعفرانی نام
آنکه باشد سیاه رنگین نیز — خوانمش عنبرین و مشکین نیز
وانکه سرخ و سپید پنداری — اینست کافوری آنست گلناری
گویم افسانهاے طبع افزاے — از لبِ لعبتِ فسانه سراے
هر فسانه صراحےِ ز شراب — دورِ مستی و بلکه دارد خواب
هر یکے را بهشت نام کنم — حور و کوثر درو تمام کنم
هفت باشد بهشت و گو هر هفت — هشتم آں کاندرو بود هر هفت
پس نویسم ز کلکِ مشک سرشت — نام ایں هشت خانه هشت بهشت

---

۱ یعنی چاشنی کلام نظامی را نمونهٔ خود کردم ۱۲   ۲ نس = نور   ۳ نس = شانِ.   ۴ نس = تنبور.

تا کسے کاندر و گذر یابد — بے قیامت بہشت دریابد
خود بر آں دل کہ خازنِ ہنر ست — ہر بہشتے قیامتِ دگر ست
گر بود نافِ خزانہ راز — داند اندیشہ مرا پرواز
ورز دانش نباشدش پیوند — ہم بافسانہ شود خرسند
چوں من از خاطرِ سخن پرداز — کردم آغاز ایں صحیفہ راز
زیورش کز من آید آں پرداخت — سازمش آنچناں کہ باید ساخت
واں دگر زیورے کہ نتواں داد — آں خدائی بود خداش دہاد

نصیحت فرزند بہشتی قرۃ الفواد عفیفہ ام عفافہا

اے ز عفت فگندہ برقعِ نور — ہم عفیفہ بنام و ہم مستور
سالت از ہفت برنرفتہ ہنوز — روشنی ہمچو ماہِ چاردہ روز
کاش ماہِ تو ہم بچہ بودی — در رحم طفلِ ہشت مہ بودی
لیک چوں دادۂ خدائی راست — با خداوندگاں ستیزہ خطاست
من پذیرفتم آنچہ یزداں داد — کانچہ او داد باز نتواں داد
شکر گویم ہر آنچہ از درِ اوست — کاں دہد بندہ راکہ درخورِ اوست

ن۱ جب = ہفت — ن۲ ح = کراست — ن۳ باز نتواں داد یعنی رد نتواں
ن۴ دجب = ہرچہ — ن۵ دس جب = خدائے

هر چه او داد بس پسندیده است | هم دراوّل صلاحِ آں دیده است
پدرم هم زمادر است آخر | مادرم نیز دختر است آخر
گر نه بر دُر صدف نقاب شدی | قطرۂ آب باز آب شدی
دانه بے کشت کے ببار آید | آسماں بے زمیں چه کار آید
بے پدر ممکن ست شد معلوم | چوں مسیحا ز مریمِ معصوم
لیک بے مادرِ خجسته وجود | ولدے را نگفت کس مولود
اے تنت را بجانِ من پیوند | که همم[۱] مادرے و هم فرزند
تو بدیں پایه کز قضا داری | گر نهی پا بدیده جا داری
سر برآر از مبارک اخترِ خویش | که مبارک تری ز جوهرِ خویش
آنچه نفسِ تو باصلاحِ تن ست | چوں تو خونِ منی صلاحِ من ست
گرچه خُردی کنوں و بے[۲] تمیز | روزی آخر بزرگ گردی نیز
تا بود در بزرگیت دستور | خورده[۳] چند گویمت مستور
از عروسی شوی چو در خورِ تخت | عصمت خواهم[۴] اوّل آنکه بخت
از منت آنکه اوّلیں پند ست | جهد بر طاعتِ خداوند ست
تا توانی خدا پرستی کن | وز نیازِ خدائے مستی کن

---

[۱] ر = تو هم
[۲] نافهم ۱۲
[۳] نکتهٔ باریک ۱۲
[۴] جب = نکتهٔ
[۵] جب = بیش خواهم

یادت ہمچو دیدہ عزت و تاب — باش چون[51] چشم خویش در محراب
نیکنامی طلب کنی در پوست — پارسا باش پارسائی دوست
گیرمت سلک گوہری نہ بود — بہ ز تسبیح زیورے نہ بود
پاک تن باش ہمچو آب سپہر — بلکہ پاکیزہ تر ز چشمۂ مہر
تا شوی[52] ہمچو مہر در ہر سوے — از پس چار پردہ روشن روے
کوش کز گشتن جوانی خویش — مردہ باشی بزندگانی خویش
تا من از زندگانی تو براز — از پس[53] مرگ زندہ گردم باز
زن[54] چنان بہ کہ مرد روے بود — تا زنان را بہ پردہ شوے بود
زن اگر مرد مرد تدبیر ست — سوزن و دوک[55] نیزہ و تیر ست
گرچہ[56] زر باشدش فراخ نہ تنگ — تا نداری ز دوک و سوزن ننگ
دوک و سوزن گذاشتن نہ فن ست — کآلت پردہ پوشی بدن ست
پا بدامان عافیت در کُن — رو بدیوار و پشت بر در کن

---

[51] یعنی چنانکہ چشم بمحراب ابروست تو خود را بمحراب عبادت بدار ۱۲

[52] نسخہ = بوے

[53] اے نام من بسبب اوصاف حمیدۂ تو دوبارہ زندہ گردد ۱۲

[54] اے آن زن بہترین زنان ست کہ در جوہر انسانیت بہر نوع کامل بود تا دیگر زنان را کہ از وے فرد تر باشند معلم اندرون خانہ باشد چنانکہ زوج از روے تمیز و ہنرمندی معلم زوجہ باشد ۱۲

[55] دوک آہنی دارزکہ آں را بہندی تکلہ نامند ۱۲

[56] نسخہ = گرچہ زر باشدت فراخ بچنگ

راهِ در کم کن اندرونِ سرائے　　درمثلِ خضرِ درِ زندگشائے

تا سرت از شرف بماه شود　　مقنعت افسر و کلاه شود

زن که از شرم خو کند بسرا　　سترها فی ستارها قمرا[۵۲]

گوشه گیران ستوده نام بوند　　کوچه گردان فراخ گام بوند

زن که در کوچه ها تگ باشد　　زن نباشد که ماده سگ باشد

کم دود مادهٔ شیرِ خون آشام　　گُربه باشد جهنده بام ببام

کبکِ پنهان خرام را بوطن　　حجره باید چو بیضه بے روزن

زن که در رفتنش شتاب بود　　بر فتد گرچه آفتاب بود

روزن ار خود چو چشم سوزنِ تست　　وان که راهِ برون شدِ[۵۳] تنِ تست

در تماشای روزنت هوس ست　　روزنت چشمِ سوزنِ تو بس ست

پُر گهر بایدت خزانهٔ خویش　　باش با سنگِ[۵۴] خود بخانهٔ خویش

گرچه گوهر ز سنگ نیک ترست　　سنگِ مردم نکوتر از گهرست

نفسِ مردم چو باده گر د بو د　　نیک زن به ز نیک مرد بود

مرد کردارِ خوب را سبب ست　　خوب کرداری از زنان عجب ست

لا سجب = بر سرت کلاه شود　　۵۲ یعنی در پرده پوشیده شدنِ او همچو ماه پسندیده است ۱۲

۵۳ شد تن تست اے شدن تن تست ومعنی بیت اینکه روزن خانه اگرچه مانند روزن سوزن باشد تاهم آن روزن را کمتر قیاس کن آنقدر هم راه برون شدن تنِ تست اے رسوا شدن ترا بس است ۱۲

۵۴ با سنگ خود رسیدن با وقار خود ماندن ۱۲　　لهٔ سنده = رُوِش

تلخ گویند ارچه نوش لبان — تا نگیری ترنّم جلبان[۱]
باد پیچ[۲] و دفے[۳] کہ لعب زن ست — بروے ایں چنبرست آن رسن ست
دف شاں بی ہراس دشمن و دوست — فتنہ را بانگ می کند در پوست
آنکہ اوّل سرود سادہ بود — در نہایت صلاے بادہ بود
ذاتِ بی جفت بایدت بنهفت — با ہمہ طاق باش جز با جفت
بوفا با حلال یاری کن — نعمتش را حلال خواری کن
از عروساں خزینہ داری بہ — راست گوئی و راستکاری بہ
غازہ[۵] کو بدزدی آرد روے — دزد گویش خزینہ دار مگوے
مرد اگر یک قراضہ[۴] کار کند — زن بکد بانوی ہزار کند
چوں ز شو خرج زن فزوں باشد — حالِ سامانِ خانہ چوں باشد
ہر زنے کز سخاوتش فرو ی ست — ناجواں مردیش جواں مردی ست
دل نگہبانِ رخت باید داشت — گرہِ خویش سخت باید داشت
درِ زن آرد و فتنہ رسوائی — سیم پاشی و پیکر آرائی
گرہِ نقد را چو داری سست — دست از آبرو بباید شست
بس عروساں کہ فتنہ جوی شدند — از سفیدہ[۵] سیاہ روے شدند

---

[۱] ترنّم بمعنی سرائیدن، سرود معنی جلبان زن بدکار ۱۲ [۲] جھولا ۱۲
[۳] ن س = دار سیخ و دفے کہ گرد ۔
[۴] قراضہ بمعنی ریزۂ زر و سیم مستعمل ۱۲
[۵] غازہ یعنی پوڈر ۱۲

سرخیِ بدز زر و بباید شُست | سُرخیِ روت سرخروئی تست
چوں شدی بہر ہفت و دہ درنج | نقد عصمت فنا و درشش و پنج
خال شبرنگ کز فنا دکشی ست | ہمچو خالِ سفید بر حبشی ست
خال چوں نقطۂ گیاہ شود | ہم بیک نقطہ روسیاہ شود
خالِ بد بر رخ ست داغ ہلاک | خال بر جبہہ نہ زسجدۂ پاک
اگر آئینہ بایدت درپیش | پیش نہ آئینہ ززانوے خویش
وگرت شانہ بایدا ندر مشت | شانہ امشت کن زشانۂ پشت
ایں ہمہ فتنہا کہ ہست وبال | با رضاے حلال ہست حلال
ور حلالِ تو ہست بے پرہیز | در حرم خانۂ خداے گریز
درہمہ کار و بار درہمہ جاے | مشرفِ حالِ خود شناس خداے
گر خدایت کند بعصمت شاد | بدعاے کنی زخسرو یاد
آنچہ من دیدمت صلاح درآں | کردمت پردہ پوشیِ پدراں
وانچہ موقوفِ جہد کردنِ تست | تو کن آنرا کہ آں بگردنِ تست
یاربت رہ سوے رہائی باد | بارہا بندہ آشنائی باد

ن۱ جب = سرخ روئیت۔ ۵۲ مراد از آرایش تمام باشد کہ آنرا بہندی سولہ سنگار نامند

ن۳ ب = بہادہ ن۴ جب = کار

ن۵ جب ببیم

صفتِ دلارام که سررشتهٔ گیسوی مشکینِ او تعلق به چنین داشت دوست بازی بهرام با آن کمندِ صید گیر در شکار و نخچیر کردنِ گوران و گرما گرم داغ بر رانِ ایشان نهادن

گنج پیمای این خزانهٔ پُر | از خزانه چنین گشاید دُر
کآفتابِ جمالِ بهرامی | چون شد از نور در جهان نامی
پدرش رختِ زندگانی بست | او بجای پدر بتخت نشست
خسروی را نشانِ کار گرفت | کارِ عالم بدو[۱] قرار گرفت
سرکشان را ز[۲]تیغ مالش داد | سرِ شان را بخاک بالش داد
مخلصان را ز مهربانیِ خویش | کرد سرمستِ دوستگانی[۳] خویش
شرق و غربِ جهان نماند کسے | کز خلافِ رضاش زد نفسے
وانکه رُو در خلافِ رایش کرد | سرِ خود را نثارِ پایش کرد
بر رعیت فگنده سایهٔ جود | کز[۴] جهان کس نماند ناخشنود
زان نمودارِ عدل در همه چیز | شهری آسوده روستائی نیز
آنچنان ضبط شد ممالکِ خاک | کز ستم گشت روی گیتی پاک

نہ۱ نجب = برو۔ نہ۲ حر = بتیغ ۵۳ پیاله نوبت خویش که از راه محبت واخلاص بدیگرے دهند و در سراج اللغات نوشته پیاله پُر از شراب که بدوستان دهند که بیاد فلان بنوش۱۲
نہ۴ ہا = در۔

گشت زانگونه کارِ عدل بزرگ — کایمنی یافت گوسپند از گرگ
سرِ موی کجی زد هر نخاست — چون سری کو بشانه گردد راست
چون بدین گونه ضبط گشت جهان — رفت در خاک بادِ کج کلهان
شه طلب کرد استواران را — نیک رایان و راستکاران را
هر کرا دید در خرد بیشی — داد با شغلِ دولتش خویشی
کاردانے[۵۱] نشد بروے زمین — جز خردمند راستکار و امین
عهدهٔ ملک چون بدینسان[۵۲] بست — خود بفارغ دلی بباده نشست
عیش میکرد و کامِ دل میراند — باده می خورد و گنج می افشاند
چون بباده صلای عام زدے — خلق بر زرِّ پخته گام زدے
مجلس آراستی ز ناموران — صف زدندی ز هر کرانه سران[۵۳]
گه بقولِ ندیم دادی هوش — گاه پندِ حکیم کردی گوش
جستی از مطربانِ چابک دست — آنچه بی می توان شد از وی مست[۵۴]
چون دل اندر ترانهٔ دادے — بسرودے خزانهٔ دادے
روز تا شب درین خجسته شمار — جز زر افشانیش نبودے کار
ور بخلوت نشاط فرمودے — خرّم[۵۵] آنکس که محرمش بودے

---

۵۱ حب = کاردانش ن = کاردارش ۵۲ حجبن = برایشان ۵۳ یعنی سرداران ۱۲
۵۴ مراد از نغمهٔ ترکه بوجد آرد ۱۲ ۵۵ نسخه د = فرخ

حاضرِ خدمتش غلامے چند | گشته همتاش[1] در کمان و کمند
در خور[2] مجلس و مصاف همه | ناوک انداز و موشگاف همه
کس نیارست در گهه و بیگاه | دُور بودن دمے زخدمتِ شاه
خاصه ترزاں همه کنیزے بود | آن فتنه[3] در ته سپهر کبود
اصلش از چین و رُخ چو صورتِ[4] چین | گیسواش چوں سوادِ چین مشکین
بسکه کردے بهر دلے آرام | بدلارمیش بر آمد نام
دیدنش کز صلاحِ دوری داد | سینه را داغِ ناصبوری داد
رنگ و بویش بکار طنّازی | ایں بدل دزدی واں بغمّازی
قامتے در خوشی چو عمرِ دراز | هوس انگیز تر ز عشقِ مجاز
بر چو نارنجِ نو بشاخِ درخت | سخت رُسته ز صحبتِ دلِ سخت
روی گلرنگ داده گل را رنگ | دهنش تنگ با شکر هم تنگ
سر در آورده ابروانش بکار | چوں مقامر[5] بکعبتینِ قمار
هر طرف کابروی به خم کردے | آرزو بیش و هوش کم کردے
چوں بدنبالِ چشم کرده نگاه | برده صد ره رونده را از راه
طرّه را سر زدی بخوں خواری | چشمهاے وزرم ز بیمارے

---

[1] همسر ۱۲ [2] خور بمعنی لائق ۱۲ [3] سرن = آفتابے بزیر چرخ
[4] صورت بمعنی تصویر ۱۲ [5] مقامر قمار باز و کعبتین پانسہ ۱۲

نرگسش دورباش و غمزه خدنگ — لعل در آشتی و عشوه بجنگ
نیم دزدیده خنده زیر لبش — کرده تعلیم دزدیِ عجبش
سخنِ تلخ در لبش چو نبات — مرگ را داده چاشنی ز حیات
لعلِ او کرده بر شکر میرے — شهد را داده چاشنی گیرے
خالِ او گو هزار پرده درید — عالمے را بگندمے بخرید
گیسوے پیچ پیچش از سرِ ناز — داد بر دستِ فتنه رشته دراز
تنش از نازکی درونه فریب — پاے تا سر همه لطافت و زیب
رگ نموده برون ز لطفِ بدن — همچو رشته درونِ دُرِّ عدن
خونش در پوست از تنک[۱] سلبی[۲] — همچو مے در زجاجهٔ حلبی
در تماشاش روز و شب بهرام — همچو جمشید در نظارهٔ جام
ره سوی صیدگاه و بیگاهش — آهوے شیرگیر همراهش
داشت میلے تمام در نخچیر — گورِ صد شیر کنده بود به تیر
بود در کارِ تیر پُر هنرے — که نبود از هنرخناں دگرے
آهنِ تیر چوں محک کردے — خطِ گوراں ز پشت حک کردے
ور ز آهو بُدے نشانهٔ او — موے بشگافتے ز شانهٔ او
ور شدے بر نشانه سخت انداز — رخنه در کوهِ[۳] قاف کردی باز

۱؎ حب = بک   ۲؎ لباس ۱۲   ۳؎ حجب = نافِ کوه

زانش باران تیر محکم بود — که کمانش کمانِ رستم بود
بیشتر در شکار خوردے مے — خانهٔ زین نشاط خانهٔ وے
بادہ جز با کبابِ شور نخورد — ہیچ خوردے چوران گور نخورد
رغبتش جز بصیدِ گور نبود — با دگر وحشیانش شور نبود
گور چندان فگندے از سرِ شور — که شدی پشته‌ها چو گنبدِ گور
گرچه بود[۱] از براق[۲] کوه گذار — ق صد طویله بهر طویله هزار
لیک بود اشقرے[۳] گزیدهٔ شاه — چیره تر ز ابلق سپید و سیاه[۵]
بادپایے که چون لگام شدے — تگ زدن بر صبا حرام شدے
ور بر آهنگِ تگ برون جستے — وهم را دست و پاے بر بستے
مرغ بود ار چه پر نبود درو — ماندگی را گذر نبود درو
شاه خوش کرده در تهِ رانش — داده سیاحیِ[۶] بیابانش
چون بصحرااش گرم کردی پشت — گوشِ گوران گرفتے اندر مشت
بسکه بُد اعتماد بر خویشش — که نشد ہیچ وحشی از پیشش
گور گرچند بود تیز دمنده — یا بدستش گرفتے یا بکمند

حجب = بودش ۲ یعنی بیت آنکه از چنان اسپان سریع السیر که کوه را همچو برق گذار میداشتند صد طویله مهیا بود و در هر طویله هزار هزار اسپ ۱۲ ۳ هر شتر سرخ که رنگش بزردی و سیاهی زند سپ سرخنگ را نیز گویند و گاہے بمعنی مطلق اسپ هم می آید ۱۲
۵ ابلق سپید و سیاه شب و روز یعنی از ابلق ایام هم غالب و تیز تر بود ۱۲ ۶ با = سیاحی و = مساحی

چون ز کشتن ستوہ شد رایش ق دلِ خیال گشت کار فرمایش
کہ ازاں پس بہ بیشۂ ہاموں زاں دہاں بستگاں نریزد خوں
گلۂ گور کآیدش بنظر ندہد ناوکش خراشِ جگر
زندہ گیرد بزور بازویِ خویش گندش وزن در ترازویِ خویش
بخشد آنگاہ زیور نامی ران او راز داغِ بہرامی
چون بہ توقیعِ خویش کردش خاص دہدش از کمند خویش[1] خلاص
دل ز آزارِ بے زباناں شست وین نیت کرد در درون درست
بعد ازاں چون بروں شدے بشکار کم رسیدے رمیدہ را آزار
بنشستے گورِ خورد سال و جواں ق کہ رواتر بُدی زباں[3] دِرواں
در کمندش بحکم بربستے باز گشتی و شاد بنشستے
گرم بر رانش داغ فرمودے خطِ آزادیش ہماں بودے
گور بر جستے و براہ شدے بندۂ داغدارِ شاہ شدے
چرخ زاں گور گیریِ بہرام گورخانِ زمانہ کردش نام
از پے گورکاں نشانے یافت[4] عالمے داغِ گورخانی یافت[4]
تا دریں کہنہ گورخانہ پست گورخاں ہم ز داغِ گور نرست

---

(۱) جب = فتنہ (۲) ج = غصہ (۳) جب = آبِ
(۴) جب = داشت

زانش بارانِ تیرِ محکم بود | که کمانش کمانِ رستم بود
بیشتر در شکار خوردے مے | خانهٔ زین نشاط خانهٔ وے
باده جز با کبابِ شور نخورد | ہیچ خوردے چو رانِ گور نخورد
غیبتش جز بصیدِ گور نبود | با دگر وحشیانش شور نبود
گور چندان فگندے از سرِ شور | که شدی پشتها چو گنبدِ گور
گرچه بُود[1] از براقِ[2] کوه گذار | ق | صد طویله بهر طویله هزار
لیک بود اشقرے[3] گزیدهٔ شاه | چیره تر ز ابلقِ[4] سپید و سیاه
بادپایے که چون بگام شدے | تگ زدن بر صبا حرام شدے
در بر آهنگِ تگ برون جستے | وهم را دست و پاے بر بستے
مرغ بود ار چه پر نبود درو | ماندگی را گذر نبود درو
شاه خوش کرده در تهٔ رانش | داده سیاحیِ[5] بیابانش
چون بصحرااش گرم کردی پشت | گوشِ گوران گرفتے اندر مشت
بسکه بُد اعتماد بر خویشش | که نشد هیچ وحشی از پیشش
گور گو چند بود نیزه مند | یا بدستش گرفتے یا بکمند

---

[1] چه = بودش [2] معنی بیت آنکه از چنان اسپان سریع السیر که کوه را ہمچو برق گذار مید اشتند صد طویله مہیا بود و در ہر طویله ہزار اسپ ۲ [3] ہر سہ اسپ که رنگش بزردی و سیاہی زند ۱۰ اسپ را یک رانیز گویند و گام ہے معنی طلق اسپ ہم می آید ۱۲
[4] ابلق سپید و سیاه شب و روز یعنی از ابلقِ ایام ہم غالب و تیز تر بود ۱۲ [5] آب = سیاحی و = مساحی

چوں ز کشتن ستوہ شد رایش ق دل خشاں گشت کار فرمایش
کہ ازاں پس بہ بیشۂ و ہاموں زاں دہاں بستگاں نریزد خوں
گلۂ گور کآیدش بنظر ندہد ناوکش خراشِ جگر
زندہ گیرد بزور بازوی خویش کندش وزن در ترازوی خویش
بخشد آنگاہ زیور نامی ران او راز داغ بہرامی
چوں بہ توقیعِ خویش کردش خاص دہدش از کمند خویش[1،2] خلاص
دل ز آزار بے زباناں شست ویں نیت کرد در درونہ درست
بعد ازاں چوں بروں شدے بشکار کم رسیدے رمیدہ را آزار
بنشستے گورِ خورد سال و جواں ق کہ روا تر بدی زبا[3] درواں
در کمندش بحکم بربستے باز گشتی و شاد بنشستے
گرم بر رانش داغ فرمودے خطِ آزادیش ہماں بودے
گور بر جستے و براہ شدے بندۂ داغدارِ شاہ شدے
چرخ زاں گور گیری بہرام گورخانِ زمانہ کردش نام
از پے گورکاں نشانے یافت[4] عالمے داغ گورخانی یافت[4]
تا دریں کہنہ گور خانۂ پست گورخاں ہم ز داغ گور نرست

---

۱ جب = خستہ ۲ ج = نصّہ ۳ جب = آب

۴ جب = داشت

کیست راندنِ بہرامِ شیر گیر با دل آرام در پے نخچیر و ہنرنمودن بہرام بر آہو بہ تیر و جہاں گرفتن بہرام و غزالہ خود را آہو گرفتن و در بیاباں گذاشتن

بامداداں کہ ایں غزالۂ[۱] نوز ۔۔۔ مشکِ شب را نہفت در کافور
شاہِ بہرام ہم بعادت خویش ۔۔۔ توسنانِ شکار جست بہ پیش
اشقرے خاص زیرِ راں آورد ۔۔۔ لرزہ در بادِ مہرگاں آورد
نازنیں را ہم رکیبی خویش ۔۔۔ کرد ہمرہ زنا شکیبی خویش
شاہِ بہرام ترکِ بہرامی ۔۔۔ کرد صید کشش بصید دلآرامی
ہر دو پویہ زناں براہ شدند ۔۔۔ صید جویاں بصید گاہ شدند
تگ زناں میشدند گشت بگشت ۔۔۔ آہواں میزدند دشت بدشت
شاہ برزہ نہاد تیر بوزن[۲] ۔۔۔ می کشانید شیر را ز گوزن
زیں میاں ناگہ از کرانۂ دشت ۔۔۔ آہوے چند پیشِ شاہ گذشت
گفت باشہ غزال شیر انداز ۔۔۔ کاہو آمد بسوے شیر فراز
ہر یک راز تو چناں جویم ۔۔۔ کانچناں افگنے کہ من گویم
گرچہ تیرت بحکم پُر ہنر ست ۔۔۔ آنکہ حکمی ست حکمِ آں دگر ست

---

[۱] مراد از آفتاب ۱۲ [۲] تیر بوزن نہادن نشانہ سنجیدن ۱۲

زاں دلیری کہ کرد ماہ تمام ق گفت با او بزیرکی[۱،۲] بہرام
کہ لبِ شیر چوں بخندد دیر — کے کند آہو آزمایش شیر
لیک چوں پیشۂ من آمد تیر — مرد را کے بود ز پیشہ گزیر
باز گو تا زنم بدانائی — ہر یکے را چنانکہ فرمائی
سیم بر ہم بر خصتِ شاہی ق گفت کایں خواہش از من خواہی
تا وکے زن بر آہوے سادہ — کہ شود مادہ نر و نرش مادہ
شاہ دریافت خوردہ دانی او — تاخت مرکب بہم عنانی او
بخدنگے دو شاخِ آہوی نر — برد زانگونہ کو نداشت خبر
ضربت[۳] بر فرق او بدانساں راند — کہ ازاں تا بمادہ فرق نماند
کارِ نر چوں بمادگی انداخت — سوے مادہ کہ نر کند در تاخت
دو یک[۴] انداز را بہم پیوست — پس بر آہو روانہ کرد[۵] زشست
ہر دو در سر چناں نشاندش غرق — کہ دو شاخش پدید کرد[۶] بفرق
زاں دو شرطِ ہنر کہ درخور کرد — کرد نر مادہ۔ مادہ را نر کرد
کرد چوں خواہش صنم ہمہ[۷] راست — از وی انصافِ آں ہنر درخواست
پاسخش داد ماہِ نوش لباں ق کای کمانِ[۸] تو عقدہ بندِ زباں

---

۱ جب = تیرگی ۲ ح = طیرگی ۳ رح = چوبہ ۴ دو یک انداز آنرا گویند کہ دو تیر از یک کمان یکبارگی زند ۱۲ ۵ جب = گشت ۶ جب = را ۷ ح = کمال
۸ کمان تو عقدبند زبان ست یعنی زباں صفتِ کمانِ تو کردن نمی تواند ۱۲

این هنر قدرتِ خداوندی — جادوے بود نی هنرمندی
کلکِ تیرت براستی آن کرد — که باندیشه راست نتوان کرد
لیک آنجا که راست اندیشی ست — دستها را ز دستها بیشی ست
بین که تا نفگنی ز بینش بیش — بینشِ خویش را ز بینش خویش
کانچه زین کرده‌ات نغز نمود — نیز زان نغز تر تواند بود
شاه را تیره کرد گفتارش — زعفران گشت رنگِ گلنارش
جوشِ صفراش تلخ[۱] کرد درون — ریخت تلخی بزهر خند برون
سرکهٔ ابرواش ز بس تندی — داد دندانِ لطف را کندی
گفت کای درخورِ جفا و بدی — این چه گستاخی ست و بیخردی
شیرگیری ببین[۲][۳] که در نخجیر — گشتی از شیر شرزه آهوگیر
منکه کارم همه نمونه بود — دیگرے به ز من چگونه بود
ور به نزدت به از من ست کسے — نزدِ او رو که چون من ست بسے
این سخن گفت و پے بکین افشرد — او فگندش ز زین و مرکب برد
شه شد و نازنین بریخ بماند — اثر و ها برگذشت و گنج بماند
باشهان هرچه برخلافِ رضاست — نتوان گفت گرچه باشد راست
هرکه شد راست گو بداورِ خویش — زد به تیغِ زبانِ خود سرِ خویش

ن[۱] ا، ا = تیره — ن[۲] رجب = نگر — ن[۳] س = مکن

ماند بے خویشتن صنم تا دیر | تشنه و غرق آب و از جان سیر
پس بصد خستگی ز جا برخاست | راه صحرا گرفت و پیشه راست
بسکه منزل بدشت پویان داشت | سایهٔ خویش دیو می پنداشت
بسکه رهبر سنان تیزش بود | موزه غربال[53] خاک بیزش بود
از سنان های خارهاے چو تیر | میگذشتش چو سوزنے ز حریر
پا که از برگ گل فگار بود | چون شود چون بروی خار شود
کس نه همره و در همه دشت [illegible] | سایه ور زیر [illegible] شدے [illegible]
می شود [illegible] | [illegible]
[illegible] آهو خانی | [illegible] آهو پای
بیم بود [illegible] پا شود [illegible] | [illegible]
قدرے [illegible] بر [illegible] ناف | گذرا [illegible] سواد [illegible] یافت
خانه چند و گشته [illegible] | تا شد [illegible]
آن و بے بود بر کرانه دشت | کاندر آن هیچ ز آن طرف نگذشت
مردمان چو وحش صحرائی | خو گرفته در و به تنهائی
بے خبر از فسانهٔ سپهر | بے گمان ز [illegible]

رجب = غور [illegible] — حجب = غربیل — [53] از بسکه ره [illegible] موزه پاے اوش غربال [illegible] سوراخ گشته خاک بیزی میکرد ۲

[54] دد [illegible] یعنی درندگان ۱۲

آمد آں مہ دراں خرابہ شتاب	ہمچو[۱] مہتاب کو فتد بخراب
در شد اندر کریچ[۲] دہقانے	در سفالِ شکستہ ریحانے
بود دہقاں جوانِ آزادہ	ہم ہنرمند و ہم ملک زادہ
کردہ علمِ سہ[۳] گانہ را تعلیم	تا یگانہ شدہ بہفت[۴] اقلیم
سبَق سکت بروم کردہ درست	کز سپہر و زمیں چہ زادہ چہ رست
فیلسوف الٰہی از تمییز	در طبیعی و در ریاضی نیز
طرفہ بربط زنی گزیدہ سرود	دستِ[۵] او شد نوا بر برق برود
باز دانستہ پردہا[۶] را راز	مضحک و مبلی و منوّم ساز
گوشہ گیر جہاں ز شستہ سرشت	فارغ از داغ شدہ بدانہ کشت
واقعات زمانہ دیدہ بسے	گرم و سردِ فلک چشیدہ بسے
بسیاحت بسے زمیں دیدہ	دامن از کار دہر برچیدہ
یک بیک زیر دستِ خود کردہ	چار ساز و دوازدہ پردہ
بربطش چوں نوا برآوردی	جاں ز تن بُردی و در آوردی
چوں نگہ کرد سروِ سیمیں را	روئے گلرنگ و زلفِ مشکیں را

۱ اینجا مراد ضیاء مہ یعنی چاندنی بہ شد ۱۲ ۲ س = بہ گنج ۳ کریچ یعنی خانہ کہ دہقانان از کاہ و سے سازند ہندی جھونپڑا ۱۲ ۴ الٰہی ریاضی طبیعی ہر سہ اقسام حکمت نظریہ ۱۲ ۵ عجب دیست چوں ابر و برق بر سر رود ۶ پردہ ہائے موسیقی دوازدہ اند ہر کہ در آنہا کمال دارد سامعین را می تواند کہ خنداند و گریاند و خسپاند ۱۲

مانده[۱] حیران که این چه جانورست — واندرین دشتش از کجا گذرست

این پری از کجا پدید این جا — ور پری نیست چون رسید این جا

خاست از جای همچو باد روان — رفت در پیش سرو آزاد[۲] جوان

گفت کای چشم بد ز روی تو دور — کیستی تو بدین لطافت و نور

ملکی یا پری و یا مردم — خبری ده که با خبر گردم

صنمش تنگدل ز تنگدلی — داد بیرون دمی بصد خجلی

گفت یک یک نهان بی آرام — قصهٔ خویش و غصهٔ بهرام

چون خردمند یافت آگاهی — کان درست از خزانهٔ شاهی

گفت آنجا که کارنامهٔ تست — شرف من ز بارنامهٔ تست

چون تو شایستهٔ خداوندی — من پذیرم بقیمت فرزندی

گر قناعت کنی بخشک تری — حاضر خدمتم بماحضری

ور دولت راست جانب پرواز — دل دل تست من ندانم[۳] باز

صنمش گفت چند گه بارے — خواهم افگند بر درت بارے

چون بفرزندیت شوم پیوند — پرورش واجبست بر فرزند

گرچه مهمان تو گران جانست — نتوان راندنش که مهمانست

من هم از حق شناسی که مراست — عذر حقهای تو توانم خواست

---

۱ جب = گشت   ۲ از سرو آزاد مراد دلآرام باشد   ۳ جب = ندام

چون بسے دُرّ ز درج نوش کشاد — شب چراغ دگر ز گوش کشاد

داد بر دست مرد گوهر سنج — گوهرے قیمتش فراوان[۵۱] گنج

خواجه زان اخترِ فلک پایه — بر زمین در فتاد[۵۲] چون سایه

گرچه بود از شکوه محترمے — گشت شرمندهٔ چنین کرمے

غرفه[۵۳] داشت ساخت منزلِ وے — کرد ترتیبِ نقل و میوه و مے

چون مزاجش بزیرکی دریافت — در سرش ریخت هرچه در سر یافت

هنرها[۵۴] که بود حاصلِ او — از دل خویش ریخت در دل او

کردش استادِ کار در همه کار — خامه در پردهٔ بریشم تار

چندگه جادوی شد اندر ساز — که بکشتے و زنده کردی باز

چون نمود آزمون کردهٔ خویش — خواست[۵۵] بیرون فتد ز پردهٔ خویش[۵۶]

حجت از سوی شاه کسب کند — دعویِ خویش را درست کند

چون شدی بادِ صبح نافه کشای — برنشستی برخش آهو پای

برگلِ تر نقاب بربستی — سایه بر آفتاب بربستی

لاله را در قبا کشیدی تنگ — سرو را خانه ساختی ز خدنگ

هر تذرو و تلیسِ [illegible] — [illegible] کردی بهر خونخواری

[illegible]

۵۶ ابداء آموختن هنرها دلالت خواست که همه را ظاهر گرداند و مشهور اطراف واکناف [illegible]

[illegible]

در همه جای گاه و بیگاهش — بربطِ عاشقانه همراهش
کشتی آهوی دشت را به ستیز — گه به پیکان و گه بزخمهٔ تیز
همچو پیکانش زخمه در خون بود — چوب او از پلارک افزون بود
زان دهان بستگان بفرمانش — دل ربودی زبانِ پیکانش
ور از آنجاے برگرفتی گام — بنوازش گریش کردی رام
برکشیدی نخست نالهٔ زار — تا ربودی ز وحشِ دشت قرار
همه در پای بوسِ سرِجوان — آمدندی بپای خویش دوان
سو بسو صف زدندی از کم و بیش — غائب از خویش و حاضر اندر پیش
همه را چون بهم درآوردی — زخمه بر بربط تر آوردی
پس منوّم چنان زدی بصواب — که شدندی چشم آهوان در خواب
چون شدندی بخواب خوش بیهوش — بازشان زخمه زدی در گوش
که از آن جسته باز جستندے — رشته بر رشته باز بستندے
این خبر شهره گشت در آفاق — کز جهان جادوی برآمد طاق
کآهوان دشت سوی خود خواند — کشد و باز زنده گرداند

---

۱ ب = همه ؛ ۲ یعنی پیکان و زخمه دلارام هر دو در خون ریختن برابر بودند ۱۲
۳ زخمه هر چیز که بدان سازها نوازند و پلارک بفتح اوّل وجوهر شمشیر و جوهر تیغ و نوعی از فولاد ۱۲
۴ م، د = وحشیان صحرائی ۱۲ ؛ ۵ یعنی نغمهٔ خواب آور ؛ ۶ ح = جسته
۷ یعنی قطار بر قطار ۱۲ ؛ ۸ ح = رسته تا رسته بربستندے

دخترے سرمہرِ دہقان ست — خاتمش درخورِ سلیمان ست
گفت گوی بہر کران افتاد — غلغلے در ہمہ جہان افتاد
این عجب کاین بگوش گیہان[۵۱] ماند — ہر کہ در گوش کرد حیران ماند
از پژوہندگانِ درگاہے — یافت دارای[۵۲] دولت آگاہے
زان ہوسہا کہ بود در بہرام[۵۳] — زین خبر در دلش نماند آرام
بامداد ان عنان بصحرا داد — سمّ[۵۴] ورا باد و باد را پا داد
چون تمنای آن تماشا داشت — رفت جای کہ آن تمنا داشت
پیش از ان رفتہ بود جادوئے ست — چشمِ آہو بجادوی می بست
گفت بہرام کارزو دارم — کہ ہنرہات پیشِ چشم آرم
ہر متاعے کہ ہست در بارت — عرض کن چون منم خریدارت
نازنین را کہ این ہمہ دد و دام — بود بہر شکنجۂ بہرام
زان تمنای شہ کہ در خور یافت — جای جولانِ خویشتن دریافت
گشت ہمراہِ شیرگیری شاہ — تا زند راہ آہوان زان راہ
چون زد آہو بسے و گور انداخت — لحن آہو نواز را بنواخت
آہوانِ رمیدہ با دل[۵۵] خویش — پای کوبان درآمدند بہ پیش

---

۵۱ یعنی دنیا ۱۲ ۵۲ یعنی جاموبان ۲
۵۳ مراد از بہرام گور ۱۲ ۵۴ سم و سرار انتقد باد عبارت از اسپ تیزرو است یعنی بر اسپ سوار شد و باد را پا داد اسپ جولان کرد ۱۲ ۵۵ ح = با دل ریش

چوں سوی خویش خواند شاں بسرود   پردهٔ خواب ساز کرد برود
در زماں کاں نفس فرو بر دند   همه خفتند گوییا مردند
چوں دمے دیدہا فرو بستند   ساخت آں زخمہ کہ بر جستند
زاں نمونہ کہ شرح نتواں داد   زندہ را کشت و کشتہ را جاں داد
دید چوں شاہ سحر مندی او   بست چشمے ز زخم بندی او
لیکن آورد ہمچو طراراں   بر گهر طعنهٔ خریداراں
کایں چنیں ہا بسے ست اندر دہر   ہر کسے دارد از طلسمے بہر
کار دانِ زبگشوری نبود   کہ از و کارداں ترے نبود
در شکر خندہ شد بتِ شیریں   گفت آری از آنِ ما همه ایں
زیرکاں در ہنر بوند تمام   لیک بہتر زمانہ از بہرام
شاہ کز مادہ نر تواند کرد   بہ ازاں ہیچکس نداند کرد
وانکہ از مردہ زندہ گرداند   آنچناں ہر کہ ہست نتواند
عدل و انصاف دہ اگر دین ست   ہم خود انصاف دہ کہ عدل این ست
جوہری گوہر فراواں سفت   راست گفت آنکہ راست نتواں گفت

۱؎ حجب = بہم   ۲؎ حب = پردہ   ۳؎ در = جستہ   ۴؎ حر = شہ نیز
۵؎ اے بدل پسندید ۱۲   ۶؎ بر = بچشم   ۷؎ حب = بتواند   ۸؎ حجب = اگر رہ
۹؎ مراد از جوہری حکمای باکمال و از گہر سفتن کلمات حکمانہ گفتن ۱۲   ۱۰؎ ج = است
۱۱؎ از جملہ کلمات حکیمانہ یکے این ست کہ راست نتواں گفت چراکہ الحق مرّ و لوکان مُر ۱۲
۱۲؎ ح = بتواں

شاه آوازهٔ آشنا بشناخت | تا دگرش نشانه از جان ساخت
دست زد برقع از رخش بربود | رخت گرد از مَه[۵۱] غبار آلود
داد منزل بجان تماشش | در بر آورد چون بغلطاقش[۵۲]
زد ز عذر گناه خود نفسے | عذرهاے گذشته خواست بسے[۵۳]
پس بصد شادی و دلآرامے | باز بردش بتخت بهرامے
دل کز آن پیش مهربان بودش | بیش ازان شد که بیش ازان بودش
زان هنر کز وسوسی پیدا گشت | هر که در گوش کرد شیدا گشت
زان عجائب که داستانها بود | داستانهاے بهر یابے بود
شاه فرمود کان دو شیفته دل | آیند بموریه تمثال
نقشبندان بخانهٔ تصویر | در حواشیش[۵۴] نگاشتند سریر

گفتار در آراسته شدن حور وقصور ایں فردوس پر حور بے قصور وبهشتی گشتن بهرام در آں

نقش پرداز این کهن پرکار | نقشها را چنین کشد برکار

---

۵۱ حجاب = برقع ‏ ۵۲ [illegible] قبا یا پیراهن دخیل بند ۱۲ ‏ ۵۳ یعنی سرگذشت بهرام و دلآرام ۱۲
۵۴ [illegible] بروزن [illegible] [illegible] بهرام [illegible] [illegible] تماشان تصویر بهرام و دلآرام
[illegible] نقش [illegible] ۱۲
[illegible] = [illegible]

که چو بهرام گور در پئے گور | پے به پے داد گوربا[51] را زور
آں ہوس شاه را بسرمی بود | روز تا روز بیشترمی بود
تابراں گو نه شد که خسروِ عصر | هفته بر هفته تا آمدی سوی قصر
مهتراںئے که درگہ و بے گاه | خاصه بودند بهرِ خدمتِ شاه
زاں دویدن بدشت و بیشه و کوه | مانده گشتند و آمدند ستوه
هیچکس را نبود زهرهٔ[52] شیر | که دمے بر کشد ز سینه دلیر
کارداران شهر و لشکر نیز | آگهی[53] شاں زعهدهٔ همه چیز
ازبرائے حضورِ منعم خویش | مانده بودند سر فگنده به پیش
هر یکے را تامّلے بضمیر | ق کز طریقِ کفایت و تدبیر
چه بود چاره کز نشیب و فراز | اژدها سوی گنج گردد باز
زیں نمط گفت و گوی میکردند | چاره را جستجوے میکردند
پورِ منذر که بود نعماں نام | در سبق هم جریدهٔ بهرام
پیشِ منذر رموزِ غیب نمائے | خوانده بودند هر دو در یکجاے
رای نعماں زکوششِ شب و روز | گشته بود اخترِ سپهر افروز
دیده از بینشِ اولوالابصار | در همه کارها نهایتِ کار

---

[51] گوربا مراد از اسپ شکاری بهرام ۱۲
[52] یعنی جرأت نبود ۱۲
[53] حرجب = آں که شاں بود

حل کنِ مشکلاتِ دانایاں — کسب ہمچوں عطائش[51] بی پایاں
صنعت و حرفتِ ہنرمنداں — زانکہ نتواں شمرد صد چنداں
شہ زبس دانش و معانیِ او — ق — وز بزرگی و کاردانیِ او
درہمہ ملک اشارتش دادہ — دستگاہِ وزارتش دادہ
زاں اشارت بجا پرار کانش — ہفت کشور مطیعِ فرمانش
بادشاہانِ شرق و غربِ جہاں — بندۂ حکمش آشکار و نہاں
ہر کہ زابروش یک اشارت دید — پیشِ چوگانِ او چو گوی دوید
ور کسی در کشید زو سرِ خویش — سرِ او پیش ازو دوید بہ پیش
چوں ز صحرا نوردیِ بہرام — مصلحت را گسستہ دید زمام
با خود اندیشۂ نو و شگرف[52] — خواند لوحِ صواب حرف بحرف
وانگہے گفت با سرانِ سریر — کہ شما بگذرید زیں تدبیر
چند گاہے دریں کفایت و فن — مصلحت را رہا کنید بمن
تا بہر دانشے کہ من دانم — عزمِ شہ را عناں بگردانم
ہمہ گفتند گفتہ گفتۂ تست — قیمتے گوہرے کہ سفتۂ تست
چوں پذیرفت مردِ کار اندیش — سرِ اندیشہ را نہاد[53] بہ پیش
تا چہ سازد کہ آورد از راہ — ماہِ گردندہ را سوی خرگاہ

---

۵۱ یعنی علوم اکتسابیۂ او ہمچوں سخاوتش بے پایاں بود ۱۲ ۵۲ نادر ۱۲ ۵۳ ج ب = فگند

کرد اندیشه یک شبے بتمام — ہفتہ بر ہفتہ عشرت بہرام
بامداداں کہ شد جہاں پر نور — کامراں گشت ہمّتِ دستور[۱]
جست دانای کار مردی چند — تجربہ یافتہ زچرخِ بلند
بود در پیش خسرواں بسیار — ہم سخن گوے وہم پیام گذار
داد شاں یادگارہای[۲] گراں — درخورِ پیشگاہِ تاجوراں
چوں متاعے کہ بود شد تسلیم — کردشاں نامزو بہفت اقلیم
کآورند از برای جلوۂ بخت — ہفت دختر زہفت صاحب تخت
شاں[۳] بروں آمدند از[۴] ہمہ ساز — ہر یکے بر شہے شدند فراز
پیش بردند تحفہ نامی — باز جستند کامِ بہرامی
بادشاہاں بجاں رضا دادند — دختراں را بپادشا دادند
رہ رواں بعد ہفت ماہ خرام — آوریدند ہفت ماہ تمام
بانواں را بپر دہا بردند — بوکیلانِ پردہ بسپردند
چوں قوی شد بنای پردۂ راز — کرد نعماں بنای دیگر ساز
برلب جوے مرغزاری جست — کز بہشتش نمونہ بود درست
جائے[۵] از خرمّی نشاط افزای — دلکش وجاں نواز[۶] و دیدہ کشای

---

[۱] وزیر و مشیر ۱۲ [۲] یعنی تحفہا ۱۲ [۳] جب = تا [۴] جب = با
[۵] دجب = خاکی [۶] رج = خاکش [۶] جب = فزاے

جائگاہے کز اعتدالِ ہوا　　یافت رنجورِ چند سالہ دوا
پیرِ فرتوت را جوانی داد　　مردہ را آبِ زندگانی داد
چوں براں گونہ روضۂ دریافت　　تازہ کرد آں نیت کہ درسر یافت
ہرچہ سرمایۂ عمارت بود　　ہمہ ترتیب کرد زود از زود
پس طلب کرد روزی از درِ کار[۵۱]　　فرخ از دَورِ اختراں بشمار
خواند معمارِ کاروان را پیش　　باز گفتش خیالِ خاطرِ خویش
کانچناں بایدم کز استادی　　کار سنجے بسخت بنیادی
زیں اساسی نہی فراخ نہ تنگ　　زرزنی در عمارتِ گل و سنگ
از زمیں تا فرازِ گنبدِ مہر　　ہفت گنبد برآوری چو سپہر
آں عمارت کنی کہ در ہمہ ساز　　چرخ زو خویش را[۵۲] نداند باز
بانی[۵۳] بود کارواں مردے　　کز زمیں آسماں بنا کردے
شیدہ نامی کہ ہرچہ پیدا کرد　　خلق را زاں نمونہ شیدا کرد
منظر از خاک تا قمر بستی　　فرشِ سنگیں بر آب بربستی
شد بفرمانِ و فرّ نعمانی　　مردِ دانندہ در عمل رانی
بردہ بنیادِ ہر نمونہ[۵۴] بر آب　　تا نگردد دگر ز آب خراب

---

۵۱ جب = سرِکار　　۵۲ اے آن گنبد ہا را چناں فراخ و بلند بنا کنی کہ فلک درمیان خود و گنبد ہا فرق نداند کہ من کدام ہستم و گنبد بہرام کدام ۱۲　　۵۳ جب = بود بنّاے
۵۴ بیان عمق و استحکام بنیادست ۱۲

وانکه از هفت گونه سنگِ لطیف ‏ ‏ ‏ کرد ترتیبِ هفت اساسِ شریف

تا برآراست از پس سالے ‏ ‏ ‏ بر زمیں از سپهر تمثالے

هفت گنبد چو خرگهِ زربفت ‏ ‏ ‏ کرده چوں هفت آسماں هرهفت

صفّه[1] خشت و گل چو کرد تمام ‏ ‏ ‏ نوبت آمد بزیب[2] جامه و جام

داده نعمانِ آسمان[3] فرهنگ ‏ ‏ ‏ زیوری هریکے بدیگر رنگ

آنکه نوشد ز شنبه آئینش ‏ ‏ ‏ چوں زحل بست رنگ مشکینش

وانکه یکشنبهش رساند نوید ‏ ‏ ‏ زعفرانیش کرد چوں خورشید

وانکه بود اندرون دوشنبه راه ‏ ‏ ‏ کرد[4] ریحانیش بگونهٔ ماه

وانکه نوگشتش از سه شنبه نام ‏ ‏ ‏ کرد گلنار گونش چوں بهرام

وانکه نسبت بچار شنبه داشت ‏ ‏ ‏ رنگِ تیرش[5] برنگ[6] تیر نگاشت

وانکه از بهرِ پنجشنبه بود ‏ ‏ ‏ کرد چوں مشتریش صندل سود

وانکه ز آدینه داشت معموری ‏ ‏ ‏ رنگ دادش چو زهره کافوری

هفت گنبد چو رنگ و بوی گرفت ‏ ‏ ‏ جادوِ هفت ماهروی گرفت

هریکے هم برنگ مسکنِ خویش ‏ ‏ ‏ جامه را رنگ داده بر تنِ خویش

چوں شد اسبابِ هفت خانه تمام ‏ ‏ ‏ باز گفتند قصّه با بهرام

---

[1] درسحب = صنعت [2] یعنی نوبت آرایش و تزئین مکانها آمد ۱۲ [3] رجب = ساخت
[4] تیر اول بمعنی چوب است سقف که آنرا بهندی شهتیر و کڑی نامند و تیر ثانی بمعنی عطارد که رنگش مائل به سیاهی ست ۱۲ [5] جب = منقش تیره [6] بلند عقل ۱۲

انچه نعمانِ کاروان آراست | زآدمی زادگان نیاید راست
آفریده[1] درو چه کار کند | ور کند آفریدگار کند
از صدا هفت گنبدِ تازه | هفت گنبد کند پُر آوازه
هفت[2] هر یک چو چرخِ نور سرشت | نسخهٔ[3] روشن از سوادِ بهشت
گشته هر هفت قبهٔ جمشید | مطلعِ ماه و منزلِ خورشید
هر سهی در نگارخانهٔ ناز[4] | گه غزل گوی و گه سرود نواز
دم که در عاشقِ خراب دمند | بفسانه فسونِ خواب دمند
بسخن در دو دیده خواب آرند | خواب نیز از دو دیده بردارند
ساقیا نے بصد دلآرامے | درخورِ بزم گاهِ بهرامے
خانه پُر ز آهوانِ شیر شکار | شاه را با شکارِ دشت چه کار
گر یکے زان شکار یابد شاه | بشکارِ دگر بجوید راه
شاه کیں مژدهٔ نشاط شنود | میلِ طبعش عنان ز دست ربود
ترکِ پوئیدن شکار گرفت | بر سکونت دلش قرار گرفت
تافت از دشت سوی خانه عنان | در صنم خانه رفت گشت کنان
چون رسید اندر آن خجسته سواد | گشت بر لاله کرد و بر شمشاد
بوی گلهاش مغز پرور گشت | مغزش از بوی گل معطر گشت

---

۱ بمعنی بشر ۱۲ — ۲ دجب = هست — ۳ س = نسخهٔ — ۴ جب = راز

بیشتر شد بوستانِ فراخ | میوه بر میوه دید شاخ بشاخ
چوں درآمد بکارخانهٔ نو | دیده هر سو نگارخانهٔ نو
جنتے پر زحورِ زیبا دید | جاں زنظّاره ناشکیبا دید
نیکواں[۵۱] آمدند با صد ناز | خاک روباں بگیسوانِ دراز
هر یک آشوبِ عالمے زجمال | صد جگر داغ کرده از یک خال
پست کردند بر زمیں رُخِ خوب | چوں مه و آفتاب گاهِ غروب
جبهه را چوں زخاک بر کردند | جبههٔ شاه را نظر کردند
درفشاندند[۵۲] بر زمیں چنداں | که زمیں شد چو آسماں خنداں
ملک آمد زبادپاے به زیر | شد بهمانیِ گوزناں شیر
هر یکے را بپوزشِ تازه | پرسشے کرد بیش ز اندازه
رفت و بنشست بر سریرِ بلند | هم نشینش هماں عروسے چند
مجلسے یافت پر ز نعمت و کام | با حریفانِ نو نشست بجام
آنچناں شد بروی خوباں شاد | کش زعیش گذشته نامد یاد
خواند نعمانِ کارداں را پیش | بخششے کرد از نهایت بیش
آفریں کرد بر چناں رائے | که بر آراست آنچناں جائے
وانگه از اختبارِ[۵۳] طالع و روز | شد بهر گنبدے نشاط اندوز[ن]

۵۱ مراد از هماں نازنیناں و نیکو صورتاں ۱۲ — ۵۲ مراد از دعاها و کلمات استقبالیه با ادبِ شاهانه ۱۲
۵۳ بمعنی خبر گرفتن ۱۲ — ن جب = افروز

نافہ کشادنِ خلق بہرام روز شنبہ در بہشت دوم در گنبدِ مشکیں با غزالۂ ہندی و طلبِ افسانہ کردن

روز شنبہ کہ بادِ مشک انگیز | شد بدامانِ صبح غالیہ بیز
شہ بگنبد سرائے مشکیں شد | خانہ زو ہم چو نافۂ چیں شد
جامہ را ہم برنگ کیوانے | داد ترتیبِ عنبر افشانے
ماہِ ہندی نژاد و رومی چہر | خاست از خوابگاہِ ناز بمہر
خدمتِ خاص را میاں بربست | کمرِ بندگی بجاں در بست
کرد چوں ساقیاں برعنائی | نقل ریزی و مجلس آرائی
نازنیں گشت ہمنشیں با شاہ | تازہ کردہ قِرانِ زہرہ و ماہ
ز اوّلِ بامداد تا گہِ شام | عشرت و عیش بود بادہ و جام
شب چو بر رسم شد بعالم نور | گردِ عنبر فشاند بر کافور
شہ ز مستی نمود رغبتِ خواب | ہم ز گل مست بود و ہم ز گلاب
جانش از ذوقِ بوسہ مفتوں بود | مستیِ نُقلش از مے افزوں بود
زاں پری پیکرِ بہشتی وش | خواست کافسانہ سراید خوش
خاک بوسیدہ ماہِ سیمیں ساق | ق گفت کای بادشاہِ روم و عراق
تا جہاں ست شہریاری کن | تخت گیری و تاجداری کن

آسماں مفرشِ سرائے تو باد　　ہر چہ جز تست خاکپای تو باد
من کیم ہندوی شکستہ زباں　　ق　　کیں دلیری کنم چو بے ادباں
لیک فرمانِ شہ چو بر جان ست　　گویم از جاں ہر انچہ فرمان ست
ایں سخن گفت و لب کشاد ز بند　　و انگبیں ریخت از دہن چوں قند

افسانہ گفتن آہوی مشک دم و مشک بی پوست باز کردہ از بطانہ بیروں دادن

گفت وقتے بروزگار نخست　　بود شاہے بشہریاری چست
در سراندیپ[۱] پایۂ تختش　　قدمِ آدم افسرِ بختش
عبرہ[۲] تا غزنیش مہیّا بود　　عبرۂ دیگرش ز دریا بود
ہوسے بودش از دل افروزی　　در چہ درکارِ دانش آموزی
داشت پیوستہ چوں نکورایاں　　میل بر زیرکاں و دانایاں
در دلِ ہر کہ دید دانش بیش　　خاص کردش بہمنشینی خویش
سہ پسر داشت ہوشمند و جواں　　ہم توانگر بعلم و ہم بتواں
بقلم گشتہ با عطارد جفت　　کارِ شمشیر خود چہ باید گفت

---

۱ مزار مقدس حضرت آدم و حوّا علیہما السّلام ہمیں جا گویند ۱۲　　۲ عبرہ بالکسر محصولات کہ از کشتی نشنیاں و جہاز نشیناں گیرند و مجازاً بمعنی خراج ملک ہم آید پس عبرہ اوّل بمعنی مجاز ست و عبرہ ثانی در مصرعہ ثانیہ بمعنی حقیقی یعنی سلطان بحر و بر بودہ ۱۲

هر هنر کاندر رو گماں نرسد ق ور رسد در گماں[51] بآں نرسد
کرده بود اوستادِ شاں تعلیم هر یکے گشته فیلسوف و حکیم
عقده زیشاں چناں کشاد براز که ملک را بکس نماند نیاز
خواند روزے نہانی از اغیار هر یکے را جدا بپرسشِ کار
کآزمونش کند بکارِ سریر کیں تصوّر کرا بود بضمیر
گفت اوّل باوّلیں فرزند که مرا شد بنفشه[52] سر بلند
بعد ازیں نیست کارِ مشتی خاک جز نیایش گری بحضرت پاک
قرعه بر تست بادشاهی را رونقِ ماه تا بماهی را
آں بنا نو کنی بداد و بجود که جہاں خوش بود خدا خوشنود
ناتواں را برفق پیش آئی با توانا کنے توانائی
بشبانے رمه[53] نگهداری گوسپنداں بگرگ نگذاری
پورِ دانا بخاک سود کلاه گفت جاوید باد دولت شاه
کے روا باشد از هوا[54] خواهی که زنم پیشِ شه دم شاهی
تا توئی ملک بر کسے نه سزاست بے تو خود زیستن برای چراست
تخت ما داے چوں منی نبود جاے تو جاے چوں منی نبود
مور با آنکه بر سریر بود کے سلیمان و تخت گیر بود

---

۵۱ بن = کمال آں ۵۲ از پیری خمیده شدم ۱۲ ۵۳ گله گوسپند ۱۲ ۵۴ ح = نکو

شه درآں آزمایشِ کارش | چوں پسندیده دید گفتارش
در دلش صد هزار تحسین خواند | وآشکارش بخشم بیروں راند
خواند فرزندِ دومی را پیش | خاص کردش بآزمایش خویش
بافسوں گر سخن[۱] بافسوں خواند | ماجرای گذشته بیروں راند[۲]
پسرِ زیرک از خردمندی | کرد پرسنده را زباں[۳] بندی
گفت ما را بجان و بینائی | ق کرد می شد هر آنچه فرمائی
لیک پیشت حدیثِ تاج و سریر | عیب باشد ز بنده عیب مگیر
وین زماں تو که تا توئی بر جای | دیگری کے نهد بمسند پای
واں زماں کیں زمانه گذراں | با تو نیز آں کند که با دگراں
گر بود در سرت که افسرِ خویش | خود مزیّن کنی بگوهر خویش
مهترے هست آخر از منِ خورد | بارِ سر جز بدوش نتواں برد
بر بزرگاں رواست ایں معراج | لولوی خرد نیست درخورِ تاج
شاه زو هم گره بر ابرو کرد | وز حضورِ خودش بیکسو کرد
روی در خوردِ کار داں آورد | خورده را باز درمیاں آورد
داد پاسخ جوانِ کارشناس | که ز خورداں نکو نیاید پاس
شاه چوں دید کاں سه گوهر پاک | می شناسند گوهر از خاشاک

[۱] دجب = زباں بافسوں داد [۲] سجب = داد [۳] اے جواب کافی و شافی داد ۱۲

شادمان شد ز بخت فرخ خویش | سود بر خاک بندگی رخ خویش
بهر ملک دو روز بی سر و بن | ایمن انداز فریب چرخ کهن
لیکن از پیش بینی بی کوز[ل۱ ل۲ ۵۳] | با جگر گوشگان شد اندر شوز[ل۳]
داد فرمان که هر سه بد بینیز | پیش گیرند ره ز پیش سریر
تا حد ملک شهریار بود | هر که ماند گناهکار بود
زین سخن هر سه تن ز جای شدند | توشه بستند و ره گرای شدند
گه در آباد بوم و گه بخراب | شهر بر شهر می شدند شتاب
ره نوشتند بی شکیب و سکون | تا شدند از دیار شاه برون
در رسیدند تا باقلیمی | که از آن بود ملک[۵۵] شان نیمی
در بیابان و راه و منزل و جای | نهادند بی تجارب پای
روزی از گردش ستاره و ماه | ق می نوشتند سوی شهری راه
ناگه از پیش زنگی چون قیر[۵۶] | تگ زنان سوی شان گذشته چو تیر
گفت کای رهروان زیاروی | شتری دید کس روان زین سوی
زان سه برنا یکی زبان بگشاد | نقش نادیده را نشانے داد

ل۱ حجب = کور ل۲ سن = غور و گور ۵۳ کوز بواو معروف در فارسی بمعنی پیچیده و خمیده یعنی چنان پیش بینی راست که در وی کجی و پیچیدگی نبوده ۱۲ ل۳ دسجب = شور ۵۵ یعنی مقابل وسعت آن اقلیم ملک پدر ایشان نصفت بود ۱۲ ۵۶ قیر بالکسر بر وزن میر روغنی سیاه که بر شتران و درزهای کشتی مالند بهندی تارکول ۱۲

گفت کاں گم شدہ کہ رفت ز دست — یک طرف کور ہست گفتا ہست
دومی گفت چوں خردمنداں — کز دہانش کم ست یک دنداں
سومیں ہوشمندِ با تمیز — گفت یک پاے لنگ دارد نیز
زاں نشانہا کہ بود روشن و راست — شبہہ از پیشِ سارباں برخاست
گفت چوں راست شد نشانی داد — بایدم رہ بہم عنانے داد
باز گفتند ہر یکیش جواب — کہ ہمیں راہ گیر و رو بشتاب
مردِ پوئیندہ راہ پیش گرفت — رفت و دنبالِ کارِ خویش گرفت
آں جواناں براہ گام بگام — می نمودند نرم نرم خرام
تا زمانے کہ گرم گشت سپہر — ق — موجِ آتش فشاند چشمۂ مہر
زیرِ عالی درختے انبہ[١] شاخ — کش دو پرتاب بود سایہ فراخ
دررسیدند رنج دیدۂ راہ — میل کردند سوی آب و گیاہ
چشمہ دیدند و دست و پا شستند — بر گل و سبزہ خوابگہہ جستند
چوں ز بادِ خوش و درونہ نواز — نرگسِ مستِ شاں شد اندر ناز
سارباں باز دررسید چو باد — باز بانے چو خنجرِ فولاد
گفت زیں سوی تا بیکفرسنگ — پایم از تاختن نداشت درنگ
در نوشتم بسے گریوہ[٢] و کوہ — و ز تگ و پویہ آمدم بستوہ

---

١ انبہ مخفف انبوہ است زیر درختے بزرگ کہ شاخہاے انبوہ بود ١٢ ٢ میدان ١٢

دیده گردی ازان رمیده ندید — گرد چه؟ بلکه آفریده ندید
گفت زایشان یکی که بشنو گفت — هر چه دیدیم چون توانش نهفت
هست بارش سبو و در رو بار[۱] روے — روغن این سوی و انگبین زان سوے
دو یمین کرد روسے کار برو — هست گفتا زنے سوار برو
سو یمین گفت زن گران[۲] بارست — وز گرانیش کار دشوارست
ساربان زان همه نشان درست — گرد تنگ راز روی خاطر شست
آگهی چون نداشت از فن شان — چنگ در زد بسک دامن شان
نعره برداشت کین سه طرارند — که بتاراج خلق در کار اند
هر زمان ره بسو زمین بزمین — بهر کالا همی کنند کمین
تا کجا باشد اشتری و خری — ق — یا متاعے ز نقره و ز زری
بفریب و فسون و چاره گرے — ببرند از مقیم و ره گذرے
زان نفیر و فغان که زو برخاست — گرد گشتند خلق از چپ و راست
گرد شان شد ز مردم انجمنے — هر یکے گفت بیش و کم سخنے
تا نهایت بر آن قرار افتاد — که بباید شدن چو کار افتاد
ملک عهد را خبر کردند — راه انصاف را نظر کردند
هر کجا[۳] بسته گشت نگشاید — کار شه را تمام شه باید

---

۱ مقابل ۱۲ ۲ یعنی حامله ۱۲ ۳ جب = کار چون بسته گشت بگشاید

هم برآن اتفاق جمله بهم — حکم جویان شدند سوی حکم
ساربان ماجرای حال که بود ق — وان همه پاسخ و سوال که بود
گفت باشه یگان یگان بدرست — شاه زان هر سه نیز پاسخ جست
آنکه زایشان کیاست افزون داشت ق — در هر افسانهٔ صد افسون داشت
گفت اوّل دعای دولت شاه — که بمان تا بود سفید و سیاه
چشمها را ز خاکپای تو نور — دیدهٔ بد ز آستان تو دور
ما سه برنا مسافریم و غریب — در تگ و پو به ز آب و خورد نصیب[٥١]
سالها شد که گرد عالم خاک — می نوردیم دشت و کوه و مغاک
نیست زین تا ختن بهر جاے — بهرهٔ ما بجز تماشاے
در دیارے که راه بنوشتیم — چون بدیدیم جمله بگذشتیم[٥٢]
زین دویدن بزیر چرخ کبود — روزے این سوی نیز راه نمود
می بریدیم ره ز گردش دهر — تا رسیدیم بر در این شهر
اوّل این زنگی سیاه وجود ق — که دوان سوی ما رسید چو دود
اشترے جست و ما بلابه[٥٣] و لاغ — تازه کردیم نقش او را داغ
ما گنهگار این قدر هستیم — که دروغے بروے او بستیم

---

٥١ از آب و دانه مقسوم در سیر و سیاحت می باشیم ۱۲ ٥٢ جب = برگشتیم
٥٣ لابه بمعنی تملق و عجز و بمعنی اخلاص مجاز است ولاغ بمعنی ظرافت و خوش طبعی ۱۲

شد ملک گرم زین حکایت گفت　　کانچه پیداست چون توانش نهفت
بس دروغی که گوییش[1] بخواست　　اتفاقاً مقابل افتد راست
چون خود از دل برون فگندی راز　　تیر کز شست رفت ناید باز
زاتفاق از[2] دروغِ نافرجام　　راست از ده یکی بود نه تمام
پرده را باز ده بهیا نه مکن　　خویشتن را بدن نشانه[3] مکن
این سخن گفت چون ستمگاران　　بندِ شان کرد چون[4] گنهگاران
چون بشام آفتابِ نورانی　　ق　　گشت در زیرِ خاک زندانی
آن جوانانِ نغز با فرهنگ　　سوی زندان شدند با دلِ تنگ
همه شب رفت شان بعجز و نی　　در صفِ دزد و رهزن و خونی
شب چو بر ناقه بست محمل خویش　　ق　　مه بخورشید داد منزلِ خویش
شترِ یاوه[5] گشت با همه ساز　　بر درِ ساربان رسید فراز
مردی آمد که در فلان کهسار　　بر درختیش مانده بود مهار
من بدان سو شدم بکار کشی　　دیدم و کردمش مهارکشی
زن که بالاش بود داد نشان　　تا من آوردمش مهارکشان
ساربان دادش آنچه واجب بود　　پس بسوی ملک روان شد زود
گفت باشه که من بدولت شاه　　یافتم هرچه یاوه گشت براه

---

[1] نسخه ا = بے کاست　[2] ح = در　[3] د = فسانه　[4] جیب = با　[5] آواره شده و راه گم

شتر و ہر چہ بود بار برد — وان عروسے کہ بُد سوار برد
شہ نظر سوے عدل فرماید — بندیاں را ز بند بکشاید
شہ ز آزارِ بے گناہے چند — از جگر بر کشید آہے چند
خواند شاں با ہزار خجلت و شرم — نرم دل کرد شاں بپوزشِ گرم
وانگہے داد شاں ز بند خلاص — خلعتے داد ہر یکے را خاص
پس بپرسید شاں کہ قصۂ خویش — باز باید نمود از کم و بیش
کانچہ مردم ندید پیکرِ او — چوں نشانے دہد ز جوہرِ او
ماجرا گر درست باشد و راست — خواستہ[1] بیکراں دہم بیخواست
ور کم و بیش در میاں آید — سر ز شمشیر در زیاں آید
رمزداناں بشرطِ خدمتِ خاص — تازہ کردند سجدۂ اخلاص
پس یکے زاں سہ تن زباں بکشاد — گفت باشی ہمیشہ خرّم و شاد
من کہ کوریش را نشاں گفتم — بینشم[2] وانمود[3] زاں گفتم
ہمہ یکسوے دیدم اندر راہ — خوردنش از درخت و خار و گیاہ
نقش بستم کہ یکطرف کور ست — کش بیک سوی در چرا زورست
دومی گفت کز رہِ فرہنگ — من بیک پاے زانش گفتم لنگ
کانچناں دیدمش براہ نشاں — کہ ز یک پاے رفتہ بود کشاں

---

[1] خواستہ یعنی مال اے مال بیکراں بے طلب بشما بدہم ۱۲ [2] اے عقل من ۱۲ [3] رجب = رہ

سیومیں گفت چوں خردمنداں ق منکہ کم گفتمش یکے دنداں
برگ و شاخے کہ خوردہ کردۂ او دیدم افتادہ نیم خوردۂ او
ہرچہ ناخوردہ سبز بود درو برگ یک یک درست بود درو
روشنم شد ز عقل چندانے کز دہانش کم ست دندانے
شاہ گفتا کہ آں سہ چیز نخست ہرچہ گفتید راست بود و درست
واں سہ دیگر بدانشش و تمیز روشن و راست گفت باید نیز
باز یک تن زبانِ راز کشاد وآنچہ در پردہ بود باز کشاد
گفت کاوّل دمے کہ از من رفت ماجرا ز انگبین و روغن رفت
آنچناں شد کہ در خس و خاشاک دیدم آلایشے چکیدہ بخاک
مگس افگندہ بود یک سو شور سوی دیگر قطارِ لشکرِ مور
ہرچہ در روے دوید مور بجہد ق حکم کردم کہ روغن ست نہ شہد
وانکہ سویش مگس نمود ہجوم بفراست شد انگبیں معلوم
شخص دوّ[ل]میں زباں کشاد کہ من آنکہ بروے سوار گشتم زن
آنچناں دیدہ شد کہ گشت یقیں اثر زانوے شتر بزمیں
گشت پیدا ز پہلوِ زانو نقش نعلین ہائے کدبانو
ترّیِ[٥٢] نیز دیدم از یکسو برگرفتم ز خاکِ آنجا بوی

ل ب = دویم ٥٢ یائے قلت اسے اندک تری ١٢

نفس زاں بوے در گداز آمد | جوشِ شهوت در اهتزاز[1] آمد
کردم اندیشه را ز خاطر فرد | که سوار شتر زن ست نه مرد
گفت سیومیں که رای من بنهفت | زاں سبب حال و گرانش گفت
کاندراں جای کاں جمازه[2] نشیں | بر جمازه سوار شد ز زمیں
دیدم آنجا که نقشِ پایش نشست | گشت پیدا انجا که نقشِ دو دست
گفتم ایں حال و گراں بار ست | کز زمیں خاستنش دشوار ست
آنکه در خاک دست سای شده است | از پیِ خاست چارپای شده است
شاه کز هر سه تن شنید جواب | بنده شد زاں فراستِ بصواب
هر یکے را بصد نوا بنواخت | ساخت برگی چنانکه باید ساخت
زاں نمودارِ دوربینیِ شاں | کرد رغبت بهمنشینیِ شاں
منزلے داد شاں درونِ سراے | تا بود نزدِ شاں بخلوت جاے
دل چو فارغ شدیش از همه کار | تازه کردی نشاط را بازار
با حریفانِ نو به تنهائی | باده خوردی بمجلس آرائی
گوش کردی دمے نهانیِ شاں | بهره جستی بکار[3] دانیِ شاں
مغزِ معنی که دیدی اندر پوست | نقش کردی بجانِ[4] معنی دوست

---

[1] بمعنی جنبش ۱۲ [2] جمازه صیغه مبالغه به تشدید میم ست ولیکن در فارسی بتخفیف هم مستعمل میباشد بمعنی شتر تیز رفتار ۱۲ [3] یعنی بسبب = بکار دانی [4] جان موصوف معنی دوست صفت سے جائیکه معنی را دوست میداشت ۱۲

شه فرستاد نزدِ شاں یک روز | بره٥١ و بادهٔ درونه فروز
همه باهم نشاط پیوستند | شاد و خنداں بیادہ بنشستند
چوں دمے چند کرد ہر یک نوش | و آمد از مے درونها در جوش
باز میکرد٥٢ ہر یکے از کم و بیش | داستانے بقدرِ دانشِ خویش
آنکه مه بود چابک اندیشه | ق | باز گفت از دل خرد پیشه
کیں مے کآدمی گم ست درو | گوئیا خونِ مردم ست درو
دویمیں کاردانِ راز شناس | ق | گفت ز اندیشهٔ درست قیاس
کیں بره گوئیا نه پاک رگ ست | پرورش یافته ز شیرِ سگ ست
سیومیں نقش بند عقده کشای | ق | باز گفت انچه روی داد زرای
کیں ملک نے ز شاهِ آزاد ست | دانم از پشت مطبخی زاد ست
ملک اندر کمینِ دیوارے | گوش میداشت سوی گفتارے
تا هر آں خورده٥٣ کآید از سه حکیم | کشدش در جریدهٔ تعلیم
زاں سه نکته که گوش گیر شدش | دلِ نازک گماں پذیر شدش
بسکه جوشِ درونش ابتر کرد | سر بخلوت سرائے شاں در کرد
هر سه تن تیر وار بر جستند | با ملک هیچ ل نشست بنشستند
شاه فرمود کیں زماں نهفت | هرچه گفتید باز باید گفت

---

٥١ بره بمعنی حلوان ۱۲ ٥٢ سرِ ج = می گفت ٥٣ نکته ۱۲

گشت تحقیق در بطانهٔ[۱] شاں — که شنیدست شه فسانهٔ شاں
گرچه آں گفته دلپذیر نبود — باز گفتند چوں گزیر نبود
شاه یک یک شنید و گشت خموش — باده می خورد با دلِ پُر جوش
کرده بود آزموں کزیشاں کس — نزند هرگز از گزاف نفس
صبح چوں رازِ چرخ روشن کرد — صحنِ گردوں چو سبز گلشن کرد
شاه در ماجرائے بادهٔ دوش — باز جست آگهی ز باده فروش
مردِ خمار گفت کیں انگور — برده ام از رزِ[۲] فلاں دستور
اوّل آں باغ بود گورستاں — گو را فگنده ساختش بستاں
چوں یکے باز خواند روشن و راست — از دو دیگر تفاوتش برخاست
از شباں باز جست رازِ بره — زد شباں قلب چوں نبود سره
گفت کیں برّه بود پهلوی میش — شیر پرورد مهرِ مادرِ خویش
بانگ بر زد برو به تندی شاه — کیں زمانت سر افگنم چو گیاه
زیں سیاست نباید آساں رست — جز با قرارِ راست نتواں رست
کرد روشن شبانِ برّه فروش — کاوفتاد از گناهِ او سرپوش
دل ز تیمارِ جان و تن برداشت — پرده از رازِ خویشتن برداشت
گفت کیں برّه بود در رمه خرد — کز رمه گرگ مادرش را برد

۱؎ ۱۰۵ . ۱۲ — ۲؎ درخت تاکِ انگور ۱۲

ماده سگ داشتم دونده چو تیر — بچهٔ چند بودش اندر شیر
رام کردم چنان بدستانش — که بره سخت شد به پستانش
چون چنان شد ز شیر مستی نغز — استخوانش بپوست شد همه مغز
آوریدم بسوے مطبخِ خاص — زین گنه خواه تیغ خواه خلاص
شه چو رمزِ دو خرده دید درست — گشت پاس از خیالِ سوئیم سست
چار و ناچار سوے مادر راند — رازِ دل را نهفته بر وے خواند
در گریبانش چنگ در زد سخت — ق گفت خواهم ز تو جهان پرخست
ورنه برگو براستی خبرم — تا که بود است در جهان پدرم
از که آوردهٔ چو من پسرے — پدرم شاه بود یا دگرے
مادر از خشم در خروش آمد — خونش اندر جگر بجوش آمد
گفت کاندیشه نیستت ز وبال — که نهی تهمتم به پیران سال
که تواند جز آفتابِ بلند — کافگند بر سر پیاده پرند
غیرِ دارا کرا بود یارا — که در آید به پردهٔ دارا
باز بر فرقِ شاه بر شد دود — ره بما در نهاد خشم آلود
گفت گر صد بها نه پیش آری — نرهی جز براست گفتاری
بزه[۱] را که کردهٔ بشمار — تا نگردم به کشتنت بزه کار

---

۱ بزه بمعنی گناه ۱۲

مادرش کز درونش دو[۱] نداشت — عذرها گفت هیچ سود نداشت

آگهی داشت کان غبار[۲] انگیز — هست گاهِ قصاص بے پرهیز

از رهِ[۳] راستی بلرزه و بیم — کرد خود را بدستِ خون تسلیم

گفت رازے که داشتم بنهفت — بشنو اکنون اگرچه نتوان گفت

روزے از روزهاے فصلِ بهار — شه برون رفته بود سوی شکار

من جوان بودم و ز خوبانِ طاق — خفته تنها در اندرونِ رواق

خواب[۴] چون رختِ خود[۵] گران آورد — مطبخی در رسید و خوان آورد

من از آنجا که هست میلِ زنان — آرزو دیم ز دست برد عنان

در دی آویختم چو مردمِ مست — جوشِ دل مهرِ عصمتم بشکست

هر چه در سر نوشت بود مرا — نفسِ بدعاقبت نمود مرا

تخم[۶] چو در شاخِ نوبهار آمد — میوه چون تو ام ببار آمد

شه چو بشنید رازِ مادرِ خویش — سر فگند از خجالت اندر پیش

رفت در خود فرو و حیران گشت — از چنان پرسشے پشیمان گشت

رفت[۷] بیرون ز کاخ شرمنده — وز تحیّر نه مرده نے زنده

شد بخلوت سراے مهمانان — بی زبان گشته زان زبان دانان

---

۱ دو د واشتن یعنی زهره و دلیری داشتن ۱۲ — ۲ از غبار انگیز واد پسر یعنی شاه ۱۲
۳ ریجب = سر — ۴ اے خواب رفت و بیدار شدم ۱۲ — ۵ ریجب = برگران
۶ مراد از تخم نطفه و از شاخ نوبهار رحمِ زن ۱۲ — ۷ ریجب = جست

چوں[1] گذشت از شراب دورے چند　　رازرا بر گرفت مُہر ز بند
گفت کانچہ از شما شنیدم راز　　ہمچناں یافتم چو جستم باز
روشن و راست بود چوں ہر چیز　　روشن و راست گفت باید نیز
کیں ہمہ کارہا[2] کہ پنہاں بود　　ازچہ[3] دانستہ شد کہ زینساں بود
گفت یک تن کہ من چو خوردم می　　دیدم افزایشِ غم اندر وے
از مے افزایشِ طرب باشد　　چوں غم افزوں کند عجب باشد
باز جستم ز دیگراں احوال　　بود ہم زیں نمط جواب و سوال
روشنم گشت کاں شراب چو نوش　　دارد از خونِ خاکیاں[5] سر جوش
گفت دومیں کہ من بہ برّہ مست　　چوں بر آہنگِ خورد بردم دست
دل بہ یک لقمہ شد بسوزش و تاب　　وز دہانم روانہ گشت لعاب
بوی خونِ سپشت[6] در رگ داشت　　پہلوی ہمچو پہلوی سگ داشت
گفتم ایں برہ سگیست چو گرگ　　یا خود از شیرِ سگ شدست بزرگ
سیومیں گفت من حقیقتِ کار　　گویم ار باشدم بجاں زنہار
بر زباں راند شہ بسے سوگند　　کہ نباشد بجانش ہیچ گزند

---

[1] جب = تا　[2] رجب = مستی بند　[3] جب = رازہا　[4] رس = بچہ

[5] مراد از خاکیاں مردگان و معنی سرجوش شوربا و مثل آں کہ در اوّل جوش از سر دیگ بردارند یا شراب و گلاب و مثل آں کہ باول جوش بگیرند ۱۲

[6] سپش و سپشت کرمہاے کہ بر پشت سگ و شتر و غیرہ پیدا میشود و نیز در جامہا و سر مرداں ہم از کثافت پیدا میشود بہندی چچڑی یا جوں بگویند ۱۲

پس جواں باز گفت قصہ کہ من — تا رسیدم بہ پیشِ شاہِ زمن

ہر چہ دیدم ز تو بدانائی — میزدم بر محکِ بینائی

طلبِ رازِ شاہ میکردم — بنجابت نگاہ میکردم

ازنشانہائے تاجِ تاجوراں — ق — کآدمی را تواں شناخت دراں

باز جستم یکے از آنت نبود — جز دمِ شور و بانوانت نبود

نادرت ہیچ رہ سخن بزباں — کہ نبود اندراں حکایتِ ناں

ایں نشانہا کہ عکسِ شاہی داشت — بر نمودارِ بدگواہی داشت

کردروشن فراستم بہ ضمیر — کہ ترا نیست نسبتے بسریر

شہ فرو شد ز حیرت اندر خویش — سخن از وے بروں نیامد بیش

گفت کز داد نیست شاہاں را — ق — ریختن خونِ بے گناہاں را

غضبم تا عناں نبردہ ز دست — رختِ مہماں بناقہ باید بست

آنگہے گفت جملہ راخنداں — کآفریں بر شما خردمنداں

از شما دوستانِ باتمییز — یافتم بہرہ مندی از ہمہ چیز

باشما عیش موجبِ ہنرست — ہر چہ بیش ست سود بیشتر ست

لیک گردندۂ جہاں پیماے — نتواں بند کرد دریک جاے

---

۱ رس = بتجارب ۲ س = کہ شہاں ۳ حجب = بود ۴ ح = سشر

۵ یجب = کہ خمیرے ست نسبتت نہ سریر ۵۶ بادشاہ بدل خود گفت ۱۲

۵۷ گردندہ موصوف جہاں پیماے صفت یعنی مسافر و سیاح ۱۲

زین نمط خواست عذرها بسیار | پس بهریک سپرد صد دینار
هریک[1] از بخت شادمانهٔ خویش | ره گرفتند سوے خانهٔ خویش
سوی ملک پدر فراز شدند | ق چون[2] بدربار سرفراز شدند
پدر پیر شادمانی یافت | بار دیگر ز سر جوانی یافت
بسکه از خوشدلی تبمکین گشت | موی کافور گونش مشکین گشت
کرد روشن بهترین پسراں | بالش مشک فام تاجوراں
چتر مشکینش داد با همه چیز | دیگراں را لواے مشکین نیز
رنگ مشکیں شعار عبّاسی ست | زیور آراے چرخ شمّاسی[3] ست
ظلمت شب که مشک فام بود | بهر آسایش تمام بود
خون تر در میان نافهٔ خشک | تا نگردد سیه نگردد مشک
خط و خالے که دلستاں دارد | مشک رنگ ست زیب ازاں دارد
شاه کز نازنین مشکیں موے | ایں فسانه شنید روی برے
خفت در خوابگاه حور العین | گل در آغوش و مشک در[4] بالین

---

[1] حجب = هرسه [2] س = با پدر باز

[3] بالفتح و تشدید میم شخصیت که بر وین شماس باشد و شماس نام شخصے ست که دین آتش پرست ایجاد کردهٔ اوست و چرخ ازانجا که حرارت آفتاب هردم با خود دارد و بشماسی موصوف گشت ۱۲

[4] سرج = بر

گوہر کشیدنِ بہرام روزِ یکشنبہ در بہشتِ سوم و بگنبدِ زعفرانی شکر خندۂ طرب نمودن و بآفتابِ نیمروزی خانہ گرم کردن

روزِ یکشنبہ آن ستارۂ[۵۱] روز ‏ ‏ شد در ایوانِ زرد بزم افروز
چوں زر افشاند آفتاب بدشت ‏ ‏ دامنِ کوہسار پر زر گشت
رغبتِ برجِ زعفرانے کرد ‏ ‏ خانہ را خلدِ جاودانی کرد
جامہ را نیز کرد خنداں[۵۲] خند ‏ ‏ زعفرانی چو آفتابِ بلند
گفت خورشیدِ نیمروزی را ‏ ‏ رُخ کشاید جہاں فروزی را
ہر کرشمہ کہ او نمود بپوست ‏ ‏ ناوکے بود در درونۂ دوست
شہ بہ نظّارۂ چناں مستور[۵۳] ‏ ‏ ماند حیراں چو ہندواں در نور
بادہ بر روی سرخ گل می خورد ‏ ‏ تا فرو رفت ز آسماں گلِ زرد
شب چو نوکرد پردہ داریِ خیش ‏ ‏ گوہر آمود[۵۴] در عماری خویش
سر ببالینِ خواب گاہ نہاد ‏ ‏ باز آں سروِرانِ ماہ نہاد
داد فرماں کہ ماہِ شکرخائے ‏ ‏ گوید افسانہ نشاط افزائے

---

۵۱ مراد از بہرام ۱۲ ‏ ‏ ۵۲ الف برائے اتصال ست چوں رنگا رنگ ۱۲
۵۳ رجب = منظور
۵۴ سرجب = باز اندر سرانِ ماہ نہاد

نازنیں بر زمیں نہاد جبیں ق گفت کای شہریار روی زمیں

بختِ ہموار ہم عنانِ تو باد سرِ بدخواہ بر سنانِ تو باد

ہر مرادی کہ بستری زانگشت یک بیک جملہ باد دست اندر مشت

شرم دارم کہ پیش دُرِّ دری[۵۱] کہربا را کشم بجلوہ گری

لیک چوں شہ اشارتم فرمود ہرچہ دارم بروں فشانم زود

ریخت چوں ایں نمط لآلی چند گفت زیں بیشتر بسالی چند

افسانہ گفتن زعفرانی پوش نیمروزی

زرگرے بود در خراساں طاق شہرہ در شہرہاے روم و عراق

حسنش نام و برہنر مسنداں بود چوں نامِ خویشتن خنداں

ہر چہ بتواں ز سیم و زر پرداخت ساختی آنچناں کہ باید ساخت

روزے[۵۲] از دستکاری دلجوی ساخت پیلے گراں ز صدمن روی[۵۳]

تا روانی بود بہر جایش چار گردش[۵۴] نہاد در پایش

چوں بپرداختش بنقش و نگار ق از نکوئی چو صورتِ دیوار

پیشِ فرمانرواے شہرش برد بوکیلانِ درگہش بسپرد

---

[۵۱] بالضم و تشدید راء مکسور لفظ عربی ست بمعنی ستارہ روشن کہ بزرگ باشد اینجا بضرورت شعر تشدید را حذف کردند ۱۲

[۵۲] رجب = وقتے

[۵۳] یعنی کانس ۱۲

[۵۴] یعنی پہیۃ ۱۲

پیش بردند شاه کرد نظر | ماند حیران در آن کمالِ هنر

پس اشارت نمود هم بشتاب | تا دهندش هزار من زرِ ناب

گفت خواهم ز چون تو اُستادی | که نهی زین نمونه بنیادی

پیل کز روی کردهٔ پرداخت | سازی از زر چنانکه باید ساخت

زر بروں برد مردِ چابکدست | رفت و در کارگاهِ خویش نشست

نقد را سکّه در عیار آورد | دمّه و کوره را بکار آورد

روز و شب کوششِ هنر میکرد | وز هنر کارِ خود چو زر میکرد

تا برآراست از پسِ ماہے | ژنده پیلے فراخورِ شاہے

چون شد آن پیکرِ شگرف تمام | در زمان کرد پیشِ شاه خرام

کارِ خود کز هنر نداشت قیاس | برد در پیشِ شاهِ کارشناس

شه چو دید آن نمونهٔ کارش | متحیّر شد از نمودارش

کرمش کرد و چار من زر داد | مزدِ دستش چهار دیگر داد

پس به پشتش برآمد از پے گشت | طرفے گشت و جانبے بگذشت

زان تماشا که بود طرفهٔ دهر | گفت و گوئے درافتاد بشهر

هر کجا زیرکی و دانائی | ق | نقشبندے و پیکرآرائی

چون بدید اندر آن هنرمندی | خیره شد زان هنر خردمندی

حاسداں را حسد بکار آمد — دلِ ہر یک بخارِ خار آمد
کار وانے دگر ز غیرتِ کار — گرد آں سکّہ شد بوزنِ عیار
کرد روشن کہ آں خیالِ شگرف — انچہ شد داد کمتر ست بصرف
مایۂ[۱] زر اگر ہزار من ست — نہ بجای ست[۲] دُرکی سخن ست
شد برآں تا چہ[۳] بازو از سرِ دست — کہ در آرد بہ پیل[۴] بند شکست
گفت اگر پیشِ شہ کشایم راز — پیل را شہ نیفگند بگداز
ور شوم سکّہ را بوزن دلیل — در ترازو چگونہ گنجد پیل
ور زباں از سخن کنم کوتاہ — قلب کاری برد خزانۂ شاہ
چارہ آں شد کہ ہم ز خانۂ او — آگہی جویم از فسانۂ او
پس باندیشہ گشت چارہ سگال — تا بروں آورد ز پردہ خیال
جست رائی بکوششِ دو فنِ خویش — کآشنا کرد با زنش زنِ خویش
ہر دم از تحفہ ہاے رنگ آمیز — کرد بازارِ دوستی را تیز
آنچناں گرم شد میانِ دو جفت — کہ بتقریر باز نتواں گفت
شرطِ اخلاص را بہانہ نماند — راز را پردہ در میانہ نماند
مردِ شیریں زبان و خوش[۵] آشام — زہر در جیب[۵] و انگبیں در جام[۶]

۱ رحس = مایۂ کارگر ۲ رحس = یکے ۳ اے کدام حیلہ انگیزد ۱۲
۴ از پیل بند مراد زرگر حسن در بازی شطرنج چوں پیل را بہ پیادہ قوت دہند پیل بندمی نامند ۱۲
۵ جیب = دِرد ۶ حس = کام

دید چوں پختہ کارسازی خویش — ریخت بیروں ز پردہ بازی خویش
گفت با زن کہ چوں بہ پنہانی — سوے کدبانوی حسن رانی
فرجستے[۱] ببینی و مزاجش نغز — گرم در پوست در درویش چو مغز
آری از ہر درے بگفتارش — گوئی آں گاہ بیغرض وارش
کانچہ جفتِ تو نقشِ پیل کشید — ناقداں[۲] را بدیدہ میل کشید
مثلِ آں زیرِ سقفِ مینائی — در نیاید بہیچ بینائی
ایں شگفت ارچہ سر بسر ہنر ست — لیک ورزش ازاں شگفت تر ست
گر کسے خواہدش کہ بر سنجد — در ترازو درست چوں گنجد
زو بپرس ار بداند ایں ہنجار — نیست ہمتای او بہیچ دیار
راز زنیسانش آشکار و نہفت — باز گوئی چنانکہ دانی گفت
زنِ زیرک مزاج دور اندیش — زیرکانہ نہاد پاے بہ پیش
تحفۂ برگرفت و رہ برداشت — رفت جائی کہ کار در سر داشت
تحفہ را برد پیش کدبانو — چوں دگر باز گشت ہم زانو
گہ بافسانہ و گہے بفسوں — از دلش خوردہ می کشید بروں
تا وے از کاردانِ خود بدلیل — پرسد آئینِ بر کشیدنِ پیل
ہر نمط وصف کرد کالا را — پیل و آں گنج پیل بالا را

---

(۱) حجب = فرصتے (۲) ر = حاسداں

زیر و[1] بالا نمود چندانش — کز سخن موم کرد سندانش
کرد[2] این سکّه در مزاج درست — کز حسن وزنِ سکّه باید جست
شب چو شد پیل بندِ جوزارات — چرخ ز انجم بساطِ سبز آرات
حسن از کارِ گهه بخانه رسید — مرغِ زیرک در آشیانه رسید
چون دل از کار خوردنی پرداخت — از پیٔ خواب سوی بستر تاخت
صنمِ خانه شد بخدمت[3] شوے — در کنارش خزید رو با روے
خواجه را دل در اهتزاز آمد — نازنیں در نشاطِ ناز آمد
هر دو بر نسبت زنا[4] شوئی — تازه کردند رسمِ دلجوئی
خواجه میگفت در نهان با جفت — انچه با او بپرده باید گفت
سیمبر نیز پیشِ محرمِ خویش — باز می گفت شادی و غمِ خویش
چون ز هر گفتگوی واپرداخت — سخن از پیل و وزنِ پیل انداخت
گفت کاسے در همه[5] هنرها طاق — ق — فیلسوفے بزیرِ سبز رواق
از هنرهاے بیکرانهٔ تو — رفت گردِ جهان فسانهٔ تو
من ز تو هر چه قصّه پیش کنم — ناز بر همسرانِ خویش کنم
پیلِ زریں که ساز کردهٔ تست — در سے از سحر باز کردهٔ تست

---

[1] صفت گوناگوں کردن ۱۲ [2] رس = کردش [3] س = بخلوت
[4] الف در زنا شوئی بجاے واو عطف آمده چنانکه در لفظ سراپا ۱۲
[5] رسجیب = در هنر عالم طاق

هرچه از پاے دیدمش تا سر | هست جایش زجاے زیبا تر
لیک یک مشکل آیدم بخیال | پرسم ار پاسخم دهی بسوال
مرد گفتا که آنچه میدانم | از همه پوشم از تو نتوانم
باز پرس آنچه گرددت بضمیر | تا کنیمت یگاں یگاں تقریر
زن بدو گفت کاں خیالِ شگرف | که در روز رهزار من شد صرف
صنعتش گرچه از حد افزون ست | صنعتِ وزن کردنش چون ست
گر ترا باشدت تصوّر چیست ق | که تواں برکشیدنش بدرست
آگهی ده که باخبر گردم | شادیم هست شاد ترگردم
مرد گفت که هست درمشتم | صد هنر ملک[1] رهر انگشتم
لیک دل[2]خود نهفته دارم راز | کز کس انصافِ خود نیابم باز
گر نمایم هنر بهشیاراں | نبرم جاں زدستِ همکاراں
نغز گفت آں حکیمِ دوراندیش | که هنر هرچه بیش دشمن بیش
زن بدو گفت کانچه از دلِ خویش ق | بازپوشی زخلق حاصل خویش
جای آں باشدت که اندرپوست ۲ | نیست خالی کسی[2] زدشمن و دوست
لیک احوالِ خود بخاموشی ۳ | با که گوئی اگر زمن پوشی
خواجه گفتا که این ست درست ق | که مرا محرمے دگر نه چو تست

---

[1] جیب = با [2] رجیب = جهاں

لیک آخر زنی و هیچ زنی — نتوان داشت محرم سخنی
زن که در عقل بی کمال بود — راز پوشیدنش محال بود
زن بد و گفت کای ز دانش دور — زن بود شوی خویش را دستور
هر چه باشد ز مردمان بنهفت — جز بجفت عزیز نتوان گفت
من که بودم همیشه محرم تو — با که گفتم ز شادی و غم تو
تا چنین مهر بر زبان داری — از من اسرار خود نهان داری
مرد گفت این سزای گفتن نیست — قصه جز از تو در نهفتن نیست
گر برون ریزم از دل این فن خویش — خون خود خود کنم بگردن خویش
زن که بر مرد کامگاری[1] داشت — ق — دل بکار ستیزه کاری داشت
کوشش و جهد در میان آورد — عصمت شوی در زیان آورد
خواجه کو راز بود فرمان[2] بود — راز پوشیدنش نه شایان[3] بود
گفت گر بایدت که بی کم و کاست — هر چه پرسی ز من بگویم راست
عهد و سوگند در میان آید[4] — کین خزینه ز بند نگشاید
زن وثیقت نمود و پیمان بست — که نیاید[5] به فیل بند شکست
آنگهی خواجه برگشاد زبان — ق — گفت با آفتاب نوش لبان
کانچه پرسیده شد ز من بدلیل — شکل و هنجار برکشیدن پیل

---

[1] اسے غالب و مسلط بود ۱۲ [2] اسے مطیع او بود ۱۲ [3] ن، صحیح = نه سامان [4] س = باید
[5] ن، صحیح = که نیارد بقفل راز شکست

آنچناں باشدش طریقِ صواب   که درآرند کشتی اندر آب

درمیانش نهند پیلِ سترگ   درمقامے که رود باشد ژرف[۵۱]

پس ببینند درمیانه رود   چه قدر میرود سفینه فرود

چوں حدِ آب را کنند نشاں   پیل بیروں کشند پیل کشاں

از گل و سنگ هم بداں مقدار   تخته تخته[۵۲][۵۳] کنند کشتی بار

تا خطِ آب برقرار رسد   واں تری بر نشانِ کار رسد

آنقدر من که تا نشاں باشد   وزنِ مقدار او همان باشد

وانکه وزنش کم ست نامفهوم   بیش وکم اندراں شود معلوم

زن ازاں گونه حکمتے که شنید   در عجب ماند و پشتِ دست گزید

آفریں کرد[۵۴] بر هنرمندیش   شد بجاں بندهٔ خداوندیش

هردو باهم بعیشِ جاں افروز   خواب کردند شاد و خوش تا روز

زرگرِ صبح چوں زکورهٔ خاک   موجِ آتش دمید بر افلاک

خواجه زرگر بسوی دکاں تاخت   بانوی خانه برگِ مهماں ساخت

آمد آں خواهرِ زبانی باز   بزبانِ فریب ناک دراز

چاپلوسی زحد فزوں می کرد   درهر افسانه صد فسوں می کرد

تا چناں کردش از فریب وغرور   کز دلش گشت بدگمانی دور

---

۵۱ اے عمیق ۱۲   ۵۲ ریخ = سخته سخته   ۵۳ سخته سخته یا تخته تخته بمعنی سنجیده سنجیده موزون کرده ۱۲
۵۴ ریخ = گفت

خانہ را اعتماد بر وے داشت | وز عزیزانِ صحبتش بنداشت
ہمہ پنہانِ خود کشاد برو | مُہرِ خویشانِ خود نہاد برو[1]
پیشِ او ریخت ہرچہ در جاں داشت | جز ہماں نکتہ راکہ پنہاں داشت
ہر دو باہم درآمدند بکار | میزباں سادہ میہماں طرّار
ہر دم آں میہمانِ رنگ آمیز | شکلِ دیگر شدی طلسم انگیز
تا پس از مدتے بزرق و فسوں | آں سخن نیز زو کشید بروں
چوں کلیدِ خزانہ کرد بچنگ | قفل برداشت از درِ نیرنگ
رفت در پیشِ جفتِ فتنہ سگال | داگہی دادش از مجاریِ حال
مردِ پر غیرت و مخالف رائے | یافت انگیزشِ بلا را جائے
پیشِ شہ رفت و حال روشن کرد | دوستی را بکامِ دشمن کرد
گفت کاں پیلِ زر کہ دانا ساخت | زانچہ دادی کم ست در پرداخت
من چناں سنجمش درست کہ شاہ | از کم و بیشِ او شود آگاہ
شاہ گفتا کہ آں ہنر پیوند | نہ بہ تنہا اساسِ کار فگند
ہیچ دانی کہ گاہِ وزن و عیار | مشرفاں چند بودہ اند بکار
باتو زینساں زغیرتے کہ فتاد | کنی او را بقلب کاری یاد
مرد گفتا کہ گاہِ سنجیدن | ہم تو دانی فزون و کم دیدن۔

---

[1] یعنی مثل اقربا و خویشان با وے محبت کردن گرفت ۱۲

گر کم آید ز دزد بستان مال — ورنه باد ات خونِ بند حلال
گفت شه کاین چنین نگارشِ نغز — چون دہم از شکستنش پا نغز[1]
ور درستش برین نمط مانیم — وزنِ او نا شکسته چون دانیم
مردِ حیلت پژوه گفت که من — سنجمش نا شکسته هم بزمن[2]
پس بهنجار وزن و کشتی و جوی — ق — کز زنِ کارداں رسید بشوی[3,4]
همه یک یک بشرح باز نمود — باورش داشت هر کسی که شنود
شه چو در گوش کرد گفتارش — سهل بشمرد سکهٔ کارش
داد فرماں که بار چست کنید — صدقِ آں ماجرا درست کنید
کاردانان رواں شدند شتاب — پیل بردند بر کرانهٔ آب
پیل سازنده را طلب کردند — روز در چشم او چو شب کردند
بر طریقے که گفت چاره سگال — یافت منزل بکشتی آں تمثال
تختهٔ کشتی از چناں بارے — رفت در زیرِ آب مقدارے
تا بجاے که شد نشانِ تری — نقش بستند در دلِ هنری[5]
وانگہے پیل در بروں بردند — سنگ در جای او دروں کردند
سنگ سنجیده در ترازوی کار — می فگندند من بمن[6] مقدار

---

[1] نقصان ۱۲   [2] اے ہمیں زماں ۱۲   [3] ب = بروے   [4] ج = بدوے
[5] ہنرے بیای نسبت مراد حسن زرگر اے حسن رامعائنه کنانیدند وگفتند که این نشان تری را ببین و یاد دار ۱۲
[6] ب ج = بشمار

چوں آنہ صد منش شمار رسید — تری آب بر قرار رسید
زاں ہزارش[41] کہ سکہ داشت اساس — صد منی بود کم بوزن و قیاس
مردِ صناع را بقلابی[42] — دست بستند بہرِ بے آبی[43]
ہمچناں بستہ پیش بردندش — بامینانِ شہ سپردندش
شہ ازو باز جست قصۂ حال — او نیامد کم از جوابِ[44] سوال
گفت کاری نہ از رہِ دزدی ست — لیکن از ننگِ نام کم مزدی ست
صد منے بردم از ہزار منت — گر ببخشی زکوٰۃِ جان و تنت
ور نہ اینک نہادہ ام بر جاے — بہر ایں روز در دہِ سراے
تا بہ بینیم کہ ایں نگارشِ چیست — کس تواند کہ برکشد بہ رست
ہر کہ داند بوزنِ او ہنجار — من بشاگردیش کنم اقرار
وانکہ نتواندش کہ بر سنجد — سازِ آں در دلش کجا گنجد
داشتم چشمِ انتظار بسے — وزنِ آں سکہ در نیافت کسے
تا من آں دخل صد منے کم و بیش — فرد آں دانش آرمش در پیش
ایں نفس ہم زمن بروں افتاد — تا مخالف بآزموں افتاد
من چو زیں پردہ برکشادم راز — پردہ پوشی چرا کند غماز
من چو از گفتِ خود گنہ گارم — ہرچہ بر من رود سزاوارم

---

[41] رس = ہزار یکہ — [42] بسبب دغابازی ۱۲ — [43] بے آبروئی ۱۲
[44] یعنی او ہم بہ دلیری جواب داد ۱۲

شاہ فرمود تا خزانۂ او | در خزانہ رود خزانۂ او
کارداران شتافتند چو باد | باز کردند خانہ را بنیاد
آن زر و گنجِ دیگر از کم و بیش | ہمہ بردند شاہ را در پیش
شہ فرستاد در خزانۂ خاص | پس طلب کرد خواجہ را بقصاص
بود میلے[1] ز شہر یک فرسنگ | از فرودش[2] فراخ و بالا تنگ
صد گز از خاک برکشید بلند | سرش ایمن ز نردبان و کمند
شہ بر آنکس کہ خشمناک شدے | بردی آنجاش تا ہلاک شدے
نرسیدیش چون خور د آشام | چند روزے شدیش کار تمام
بر حسن چون بخشم شد رایش | ہم در آن میل ساخت ماوایش
داد فرمان کہ ہم برین زیرش | برکشند و زنند قفلِ درش
بستہ شد روزنے کہ ہر جا بود | جز ہمان روزنے کہ بالا بود
او بروزن نشستہ با دلِ ریش | چشمِ حیرت کشادہ در پس و پیش
زیر و بالا نظارہ میکرد | با خود اندوہ و حسرتے میخورد
دید شخصے کہ میرسد از دور | ہمچو پروانہ در زیارتِ نور
آمد آہستہ بے رفیق و دلیل | گام برگام تا بپایۂ میل
چون نگہ کرد خواجہ یارش بود | زنِ نادانِ خام کارش بود

---

[1] میل یعنی منارہ بلند ۱۲ [2] یعنی از پائیں پہناور و از بالا تنگ ۱۲

آمد و نالہ برکشید بلند	گریہ میکرد و روے و مو میکند
خواجہ گفتا کہ رفت چوں تقدیر	سود کے دارد ت فغان و نفیر
شانذ[۱] نا دانیت بدیں روزم	تا کشد روزِ بد بدیں سوزم
چوں بجاں اوفتادہ کارم خاص	کوشم اکنوں بجاں برائے خلاص
آنکہ ہست ایں شکنجہ محکم ازو	ہست امیدِ رہائیم ہم ازو
رنجہ کن سوے شہر گامے چند	سیرے ابریشم آر و سیرے قند
زن چو دانست کاں بلند مقام	نکند جست و جوے نا فرجام
رفت آں ہر دو را ہم اندر پے	بستد و باز شد بجانبِ وے
چوں نگہ کرد خواجہ از بالا	کہ زنش در رسید با کالا
دادش آواز و گفت بر سرِ تار	پارۂ قند کن بزودی بار
دہ بمورے کہ میرود بر میل	تا ببالاش می برد بتعجیل
رشتہ را زو د زودی کن باز	کز نشیبش کشد بسوے فراز
ہمچناں کرد زن کہ او فرمود	داد رشتہ بمور۔ مور ربود
راند بالاے میل تار کشاں	یعنی فتنہ بر حصار کشاں
چوں بنزدیکِ رخنہ برد بزور	ریسماں[۲] را کشید خواجہ ز مور
گفت ہاں زود کن بیار شتاب	قدرِ صد گز طنابِ محکم تاب

---

۱ اے بخشانند ۱۲   ۲ جیب = رشتہ را، ربود

زنِ کار اوفتادہ باز بتفت[1] | زاں خرابہ بخانۂ خود رفت
رشتہ رازاں نمط کہ دانا بود | خود بخانہ درش مہیا بود
بستد از گنج خانہ پنہانے | راہ برداشت سوی ویرانے
چوں شتاباں بمیل باز رسید | ساز[2] چارہ بچارہ ساز رسید
خواجہ تارے بریشم از بالا | ہشت چوں سلکِ لولوی لالا
گفت پیوستہ کن سرش بطناب | خم و پیچش کشادہ دار زتاب
زن سرِ رشتہ زد گرہ برتار | او کشیدش بحیلہ و ہنجار
چوں سرِ رشتہ بر دبر سرِ میل | گشت مستورہ را بچارہ دلیل
گفت بربند خویش را برسن | تا برآئی سبک[3] ببام حسن
گفت زن چوں تو نائی اندر زیر | ق | گشتی از جان و زندگانی سیر
منکہ ایں رنجم از برائے تراست | برزبر بردنم زبہرِ چراست
خواجہ گفتا کہ تا شود معلوم | کہ حیانم درین خرابۂ شوم
زن برآں گفتہ استواری کرد | گریۂ با فغان و زاری کرد
در کمرگاہ چست کرد رسن | تا کشد خویش را ببام[4] حسن
او زبالا طلسمِ دیگر داشت | با عروس انتقام در سر داشت
حلقۂ بود آہنی در سنگ | محکم و سخت نے فراخ و نہ تنگ

---

[1] اے برگشت ۱۲ [2] ساز بمعنی اسباب و چارہ بمعنی علاج و از چارہ ساز مراد خواجہ حسن زرگر ۱۲
[3] حجب = وسے [4] حس = بسلک

سرِ رشتہ در و کشید نخست | ہم در آں رشتہ کرد خود را چست
لشکرے نیز کرد با خود بار[1] | وانگہے شد معلّق از دیوار
بار چوں سوئے او گرانی یافت | رسن از سوے زن روانی یافت
میہماں شد صنم بمیلِ بلند | رفت در زیر میزباں بکمند
زاں طلسمی کہ کرد مردِ دلیر | مہ زبر شد عطارد[2] آمد زیر
زن برآورد ز آسماں فریاد | گفت کز چیست بر من ایں بیداد
در زندانِ فتنہ بشکستی | خود ز زنداں شدی و برجستی
گر بدانم کہ من گنہ گارم | گر کنی زیں بتر سزاوارم
ایں چہ بدمہری و ستمگاری ست | جو رِ یاراں نہ از رہِ یاری ست
چہ خلاف از مزاجِ من دیدی | کیں ستم بر سرم پسندیدی
باز گو آمد از زمن کارے | تا شکایت ز خود کنم بارے
خواجہ گفتا کہ ہر چہ پیش آید | آدمی را ز فعلِ خویش آید
گر ندانی تو رنجِ پنہانم | منکہ خوں خوردم از تو میدانم
گر تو بیگانہ را بسنجشِ پیل | رہ نمونی نکردۂ بہ دلیل
وانچہ من زابلہی زدم نفسے | آشکارا نکردہ ام بکسے
من چرا در چنیں جنابۂ شوم | کردمے نالہاے زار چو بوم

---

[1] یعنی حسن اندکے یار ہم ہمراہ خود باآں رشتہ بست ۱۲ [2] یعنی زوجۂ حسن بالا رفت وحسن فرود آمد ۱۲

زن چو کرد آں فسانہ را در گوش   گنہ از خویش دید و گشت خموش
دل بہ تسلیم کردگار سپرد   ماند ہمچو دفتادہ گوئی مرد
واں رسن تاب بوالعجب پیشہ   باز رست از طنابِ اندیشہ
رفت و بنہفت رخ بگوشۂ شہر   تا چہ پیدا شود ز گردشِ دہر
واں پری شب درآں نشیمنِ دیو   ہمچو دیوانہ می نمود غریو
روزِ دیگر ز بہرِ ہیزم و کاہ   مردماں را فتاد زاں سو راہ
کرد ناگاہ زاری و فریاد   ہر کسے سوے او دوید چو باد
زہرہ دیدند برج گیر شدہ   اخترے در وبال اسیر شدہ
ماند یوسف رخے بزندانے   نازنینے بحبنستانے
باز جستند زو حکایتِ حال   او شد از راہِ خود فسانہ سگال
قصۂ حالِ خویش و حیلۂ شوئے   وآنچہ آمد ز روزگار بروے
واں بدشمن کشادہ کردن راز   در فگندن رفیق را بگداز
واں رسن بازئے کہ کرد رفیق   حبسِ او در خلاصِ خود بطریق
ہر کہ بشنید دست بر سر ماند   وز طریقِ خلاصِ او در ماند
کس نیارست کز رواق بلند   بندئ شاہ را کشاید بند
ہر کسے چوں بشہر رفت ز راہ   زاں حکایت خبر رسید بشاہ
کاں ہنرور بہ بہتریں رائے   کرد زاں گونہ زیر و بالائے

گفت بارے بخشم ایں بارش — تا ببینم نہایتِ کارش

آنکہ کردارِ بد روا بیند — خود ز کردارِ خود سزا بیند

در بود در ہنر ستودہ اثر — برخورد ہم ز مال و ہم ز ہنر

شہ ز اندیشہ چنیں خورسند — بعد ازانش خلاص داد ز بند

در صفِ خدمت اختصاصش داد — شغلے از شغلہائے خاصش داد

چند گہہ از کفایت و تدبیر — پایہ والاش گشت پیشِ سریر

از خرد کارش آں روائی یافت — کز ملک شغلِ کد خدائی یافت

تا بدانی کہ ہر کرا حشر دست — آرزوہاش در کنارِ خود ست

وانکہ زر سنجی از پئے دگراں — از زرِ خود نہاد گنجِ گراں

چوں بزر داشت نسبت از عامہ — رنگِ زر تازہ کرد بر جامہ

روز و شب باخود آں نشانی داشت — جامہ را رنگِ زعفرانی داشت

زر کہ اکسیرِ کامرانی یافت — عزت از رنگِ زعفرانی یافت

زعفرانی عجب تریں رنگ ست — گونۂ عاشقانِ بے سنگ ست

بنگر آں زر کہ زعفرانی نیست — در عیار آنچناں کہ دانی نیست

آفتابے کہ آسماں دارد — زینت از رنگِ زعفراں دارد

در مزعفر فزائشِ طرب ست — خندۂ زعفراں ازاں سبب ست

شاہ را چوں نگارِ شکر خائے — ق — زعفراں وار شد نشاط افزائے

در بر آورد شاه زرد قباش — زعفران سائے گشت بر حلواش

مجلس آراستنِ بهرام روزِ دوشنبه در بهشتِ چهارم به گنبدِ ریحانی با ماهِ سبز رنگِ سقلابی[۲] و لباسِ خضر پوشیدن و سلسبیلِ حیات نوشیدن

در دوشنبه که چرخِ ریحاں پوش — داد گل را نشاط مرزنگوش[۱]

کرد خسرو چو سبز پوشی راے — گشت رخشاں چو ماهِ سبز قباے

راند با همنشینِ روحانی — سوے گنبد سراے ریحانی

باز برگِ نشاط ساخته شد — بربطِ خوش دلی[۳] نواخته شد

غمزه زن گشت ماهِ سقلابی — فتنه را داد شغلِ بے خوابی

مجلسِ عیش و کامرانی بود — تا بشب دورِ دوستگانی بود

چوں شبِ تیره گشت گوهر سنج — در زمیں در شد آفتاب چو گنج

شاه مست و حریف هم سر مست — رفت بیروں عنانِ هر دو ز دست

گفت فرمانده سریر بلند — که شکر لب ز پسته ریزد قند

گوید افسانهٔ کزاں گفتن — در شبِ تیره خوش تواں خفتن

---

[۱] مرزنگوش نوعے از ریحان ست که خوشبو باشد ۱۲ — [۳] س = خوش نوا

[۲] سقلاب بالفتح ولایتے ست از ترکستان بمنتهاے روم که مردمان آنجا بحسن صورت مشهور اند ۱۲

لعبتِ سیم با ہزار نشاط — سود رخ را بپایگاہ بساط
گفت شاہا جہاں بکامِ تو باد — وزجہاں ہرچہ ہست رامِ تو باد
ہرکہ بد بیندت چو بد بیناں — دو زخی باد ہمچو بے دیناں
تحفۂ من کہ خاکِ راہ بود — کے سزاوارِ بزم شاہ بود
لیک زانساں کہ خسرواں دانند — بندگاں را بزرگ گردانند
من ہم آنچہ از فزوں وکم دانم — چوں ملک مکرمست برخوانم
چوں بپوزشش تمام کرد سخن — ق گفت وقتے بروزگار کہن

افسانہ گفتنِ سبزپوشِ سقلابی

بود فرماں دہے بہندوستاں — شہر وکشور زعدلِ او بستاں
ہرچہ در خسروی بکار بود — ق کہ بداں ملک برقرار بود
داشت ازمردمی وجہانداری — خاصہ آئینِ میہمانداری
ساختہ میہماں سرائے خوب — یکبیک سازِ او ہمہ مرغوب
ہر غریبے کہ آمدی از راہ — درفرودیش نازونعمت وجاہ
بازجستی ازو عجائبِ دہر — وزہنرہائے او گرفتی بہر
تارسید از قضاش مہمانے — خوش جہاندیدۂ وہنردانے

لہ جیب = در لہ رجیب = ۱۲ لہ یعنی تمام ۱۲ لہ اجنبی ومسافر ۱۲

جادوئی کز دمِ فسوں پرداز — مرده را جاں بہ تن کشیدی باز
شاهِ مہماں نواز خواندش پیش — دلنوازی نمودش از حد بیش
چوں بپرداخت[۵۱] زار جمندیِ او — جست بہره ز بہره مندیِ او
مردِ دانا ز شرمساریِ جود — داد بیروں ہر آنچہ در وے بود
زانچہ میکرد شاه را آگاه — بیش ازاں گشتہ بود حاصلِ شاه
تا دم از نکتہ ہاے[۵۲] جانی رفت — سخن از مرگ و زندگانی رفت
شاه گفت آنچہ در جہاں ہنرست — ق — کادمی زاده را براں گذرست
از ہنر پروراں بخشش و برگ — کسب کردم مگر کہ چارهٔ مرگ
چوں نبود ایں کلید بر مردم — بستہ ایں در بچاره ہا کردم
زیں سخن ره روِ بیابانی — زیرِ لب خنده کرد پنہانی
شاه گفت اے خردِ بجانِ تو جفت — سببِ خنده باز باید گفت
شد مسافر بحیلہ عذر اندیش — کہ شود پرده پوشِ خندهٔ خویش
غنچہ[۵۳] گہ باز کرد و گہ پیوست — آنچہ بشگفتہ بود باز نہ[۵۴] بست
چوں دمِ عذر دلپذیر نبود — گفت چیزے کزاں گزیر نبود

---

[۵۱] یعنی شاه چوں از تعظیم و عزت دادن مہمان فارغ شد ۱۲ [۵۲] اے شده شده سخن در ذکر جاں افتاد ۱۲
[۵۳] مراد از غنچہ دہن باشد یعنی لبہاے خویش را از خنده باز کرد و بار دیگر فرو بست لیکن خنده بر حالیکہ دلالت کرده بود و آں را نہفتن نتوانست ۱۲
[۵۴] حرس = باز بست

که مرا چوں بجست و جوے ہنر ‌ ق ‌ شرق تا غرب گشته[1] ہمه یکسر
ہر کجا در زمانه نیرنگی ست ‌ که پژوہنده را در و رنگی ست
اندک اندک بہر ده و شہرے ‌ برگرفتم زہر یکے بہرے
تا رسیدم باوستادے چست ‌ که دم از نقلِ روح زد بدرست
بفسوں جانِ خود[2] بروں کردے ‌ در دگر کالبد دروں کردے
عمرے از خلق روے پیچیدم ‌ خدمتش را بجاں بسنجیدم
تا چناں شد ز شرمساریِ من ‌ کایں فسوں داد یادگاریِ من
ہر چه من زو گرفته ام تعلیم ‌ گر تو جوئی ترا کنم تسلیم
شاه گفتا[3] که بارے اوّلِ کار ‌ آزمونی ببایدم ناچار
مگسے را بکشت خواجه بتفت[4] ‌ از خود آمد بروں و دروی رفت
قالبِ مرده بر زمیں افتاد ‌ در زماں آں پرید و ایں افتاد
قدرے کرد سو بسو پرواز ‌ باز در قالبِ خود آمد باز
خفته برخاست از زمیں خنداں ‌ ماند بیننده دست در دنداں
گفت اگر آگہی[5] دہی زیں حرف ‌ یادگاریم باشد از تو شگرف
و آنچه من دارم از جواہر و گنج ‌ ہمه[6] را پیشت آورم بے رنج[7]

---

[1] جبرس = گشته شد یکسر ‌ [2] س = زتن ‌ [3] ح = گفتش
[4] تفت بمعنی گرم و اینجا بمعنی شتاب و جلد ۱۲ ‌ [5] رجب = آگہم کنی ‌ [6] رجب = نیمه
[7] یعنی بیدریغ ۱۲

گفت دانا کہ زر کدام خس ست — ہنرِ من مرا خزینہ بس ست
آنکہ او کیمیائے جاں دارد — زر چہ باشد کہ دل بداں دارد
عہد کردم کہ بے توقعِ خواست — در تو آموزم ایں ہنر کہ مراست
کار فرما چو عہد محکم کرد — کاردانش بکار محرم کرد
دروے آموخت آں فسوں سازی — تاش بازی نمود و جاں بازی
پس ز دانش بآزموں آمد — جیفۂ جست و در فسوں آمد
بفسونِ جانِ خویش در وی بست — ایں زپا او فتاد و آں بنشست
سخنے گفت و جا بنے برگشت — کازمودش بصدق باور گشت
پس درِ خود بدُرج باز نہاد — دیدہ بر پاے سحر ساز نہاد
راہرو رفت و شاہِ دولتمند — داشت پوشیدہ رازِ خود یک چند
پس باندیشہ گفت با دلِ خویش — کہ چہ حاصل مرا ز حاصلِ خویش
چوں ز من بہرہ بکس نرسد — نفسے سوئے ہم نفس نرسد
شمع باشد ہنر کہ چوں افروخت — زاں یکے صد چراغ بتواں سوخت
حیف باشد کہ ایں چنیں ہنرم — کس نیاموزد و بخاک برم
تا بوقتے کہ دل نماند صبور — راز بیروں فگند با دستور
چند گہ ایں خیال می سنجید — ویں ہنر در دلش نمی گنجید

لہ ر = ہر کہ — لہ حرص = برآں — ۵۳ مراد از خواست مال باشد ۱۲ — ۵۴ ضمیر شین راجع بسوے شاہ ۱۲ — ۵۵ یعنی باز جان خود در جسد خود آورد ۱۲ — ۵۶ وزیر ۱۲

دروے آموخت رمزِ جانیِ خویش — خاص کردش برمزدانیِ خویش
روزی از قلب[1] گاه در نخجیر — دور ماندند بادشاه و وزیر
شاه صیدے بہ تیر کرد ہلاک — خواست بندد بگوشۂ فتراک
گفت دستورِ خارج اندیشہ — ق کاے ہنر پرور و خرد پیشہ
صید مردہ است و صیدگہ خالی — سیمیائی نما بمن حالی
شہ ندانستہ بود کاں بدعہد — درنہاں برخلاف دارد جہد
او[2] شد از قالبِ گرامی دور — گرم در شد بقالبش دستور
برفرس جست و راہ پیش گرفت — دامنِ اختیارِ خویش گرفت
لشکر از ہر طرف فراز آمد — شاد و خنداں بخانہ باز آمد
در حرم رفت و کامرانی کرد — با بتے چند ہرچہ دانی کرد
ہر صنم کاندراں شبستاں بود — خدمتش را چو زیردستاں بود
جز یکے نازنینِ کارآگاہ — آگہی داشت از حکایتِ شاہ
ساز کردی چو شہ عزیمتِ خویش — آں صنم[3] حاضر آمدی درپیش
رفت چوں سوی آں حرم دستور — ق تا خورد آبِ کوثر از لبِ حور
بنشاطِ تمام با بانو — بر سرِ تخت گشت ہم زانو
بے ادب وار برد سویش دست — صنم از جائے خویشتن برجست

---

[1] س = صیدگاہ [2] س = شہ [3] رجب = پری

هم بهنجارِ کارِ او دریافت — کاں خزانہ متاعِ دیگر یافت
خواجہ چندانکہ بیش زاری کرد — دلِ با نوکم استواری کرد
گفت گر خوں فشانی از تنِ من — نرسد دستِ تو بدامنِ من
لیک چندے صبور باید بود — تا چہ پیدا کند سپہرِ کبود
گر بدانم کہ تو ہماں شاہی — با تو باشم چنانکہ می خواہی
ور تو افسونِ او بروبستی — دستِ خود باز کش ز ہمدستی
گر بنظارہ می شوی خرسند — بس بود سایۂ ز سروِ بلند
در بر آہو زنی طپانچۂ شیر — جفتِ من آتش ست یا شمشیر
چوں نگہ کرد خواجہ کاں مہ روے — ہست صادق بحق گزاریِ شوے
آفریں صد ہزار بر وے خواند — ہم بچشمے ز دور قانع ماند
واں طرف آہوے بیابان[۱] گرد — راند با آہوانِ دشت نورد
جست میزد بہر چرا خواری — در جگر سوز و در دل آزاری
گردِ ہر کوہ و دشت و ویرانی — ہیچ خوردش نہ جز پشیمانی
روزے اندر سوادِ صحرائے — پویہ میزد چو بے سر و پائے
دید افتادہ طوطئے بگذر — سبز تر در میانِ سبزۂ تر
گرم ز آہو نہاد بیروں پاے — ساخت اندر نہادِ طوطی جاے

---

۱ اے پادشاہ کہ در کالبد آہو بود ۱۲

جانِ شیریں بداں شکر خا داد | خضرے را دمِ مسیحا داد
در ہوا رفت و گشت در پرواز | تا شود سوے شہرِ خویش فراز
فوجے از طوطیانِ دشت گرائے | گرد گشتند بر وے از ہر جائے
چوں بدانش بزرگ دیدندش | بر سرِ خویش برگزیدندش[۱]
صید سازے بروضۂ چو بہشت | دامے افگندہ بود بر سرِ کشت
فوجِ طوطی بسبزہ شد ز ہوا | سبزہ[۲] بر سبزہ برکشید نوا
آگہی شاں نبود تا صیاد | رشتۂ دام را شکنجہ نہاد
بود صیاد تشنہ در تفت[۳] و تاب | آب جویاں بجوے رفت چو آب
داد مرغ مہیں بیاراں پند | کہ نمی بینم ایمنے زیں بند
زیں گزندی کہ راہ در جاں یافت | جز بمردن خلاص نتواں یافت
صید گر[۴] تا بخونِ صید نتاخت | خویش را زود مردہ باید ساخت
پیش ازاں باید اینچنیں مردن | بو کہ زیں فتنہ جاں تواں بردن
ہمہ گفتند کانچہ فرمائی | کردنی شد بجاں و بینائی
گفتِ تو حرزِ جانِ خویش کنیم | گر نمیریم چشم[۵] پیش کنیم
ہمہ خفتند و مرغِ کارگزار | ماند بر پاسِ کارِ خود بیدار
مردِ صیاد چوں رسید فراز ق | تا سرِ دام را کشاید باز

---

[۱] یعنی افسرِ و بادشاہ خود کردند ۱۲ [۲] حرس = در [۳] حس = تب [۴] صیاد ۱۲
[۵] [illegible]

دید کز صد خضر کہ پنہاں داشت ‌‌ ‌ یک خضر بود کآبِ[۵۱] حیواں داشت
ماند حیراں کہ ایں چہ شاید بود ‌ ‌ ‌ گر از خود ہراسِ شاں بربود
دام را باز کرد و ریخت بروں ‌ ‌ ‌ طوطیاں را بخاکِ طوطی گوں
برپریدند مردگاں بہوا ‌ ‌ ‌ زندہ[۵۲] از دام برکشید نوا
گفت صیاد را کہ دل خوش دار ‌ ‌ ‌ زیں زیاں سینہ نامشوش دار
ہر چہ حاصل شدی از ایشانت ‌ ‌ ‌ من بہ تنہا دہم دو چندانت
طوطیِ داں مرا بد[۵۳] انائی ‌ ‌ ‌ کہ کنم[۵۴] در سخن شکر حنائی
طوطیاں گر شکر خورند و نبات ‌ ‌ ‌ خضرم من کہ ریزم آبحیات
مرد چوں گوش کرد گفتارش ‌ ‌ ‌ خیرہ ماند از شگرفیِ کارش
دام بر دوش کرد و راند بشہر ‌ ‌ ‌ تا ز بختِ خودش چہ باشد بہر
شد خراماں میانِ بازاری ‌ ‌ ‌ تا کند تحفہ را خریداری
دید کآمد میانۂ بازار ‌ ‌ ‌ شاہدے ہمچو صد ہزار نگار
زلفِ مرغول[۵۵] عنبر آلودہ ‌ ‌ ‌ ہندو[۵۶] آسا بگل در آمودہ
نرگسش از کرشمہ شور انگیز ‌ ‌ ‌ کشتہ عشاق را بغمزۂ تیز
ناگہاں در رسید تیز آہنگ ‌ ‌ ‌ پس بصراف زادہ زد بچنگ

---

۵۱ آب حیواں داشتن زندہ ماندن ۱۲ ‌ ‌ ‌ ۵۲ اے بادشاہ کہ در قالب طوطی بود ۱۲
۵۳ رسجب = بگویائی ‌ ‌ ‌ ۵۴ حرس = کند ‌ ‌ ‌ ۵۵ مرغول بروزن مقبول بمعنی پیچ و تاب موے پیچیدہ ۱۲
۵۶ جب = ہمچو ہندو

گفت دیدم[۵۱] من امشب اندر خواب — با تو خوش بوده ام بنقل و شراب

با من اندر نشاطِ جاں افروز — همه شب کام رانده تا روز

با چنیں نیکوئی که من دارم — مزدِ شب شد هزار دینارم

گر بلطفم دهی کرم دانم — ورنه من[۵۲] خود بعنف بستانم

چوں[۵۳] از ینساں بسے فسوں آورد — پورِ صرّاف را زبوں[۵۴] آورد

در زد آں شوخ چنگ در دامن — خلق گرد آمده به پیرامن

باز میگفت هر یک از کم و بیش — سخنے بر قیاسِ دانشِ خویش

حجتے کس چناں نداشت درست — که شود دعویِ مخالف سست

ماندزاں گونه در عجب صیّاد — که زصید خودش نیامد یاد

تیز[۵۵] شد طوطی هنر پرداز — داد صیادِ خویش را آواز

گفت کاں هر دو را بسوی من آر — تا بآسانی آید ایں دشوار

مردِ صیاد کاں حدیث شنود — هر دو را خواند پیشِ طوطی زود

در دویدند هر دو مشغله ساز — باز گفتند پیشِ طوطی راز

گفت کز هر دو سوی باشد عهد — که ز انصاف نگذرند بجهد

ماجرا را چناں شوم دستور[۵۶] — کیں غبار از میانه گردد دور

---

۵۱ رسجب = گوئی ۵۲ س = از تو بزور ۵۳ جب = زن کز ینساں ۵۴ اے عاجز و لاجواب کرد ۱۲ ۵۵ رسجب = طره ۵۶ دستور بمعنی ضابطه و آئین یعنی انصاف ایں مقدمه چناں بآئین کنم ۱۲

شرط و پیماں درست شد ز دو سوے | کہ کس از گفتِ او نتابد روے
طوطی آورد روے در صرّاف | گفت ہاں بدرۂ درم بشگاف
بر شمار آں قدر کہ می گوید | تا چنانش دہم کہ می جوید
چار و نا چار مردِ سیم گذار | بدرہ را باز کرد بہرِ شمار
او درم ریخت از پئے تسلیم | سیمبر خواست تا رُباید سیم
گفت طوطی کہ ایں سخن نہ راست | باید آئینہ کہ گوید راست
کآنچہ من دارم اندریں سینہ | نیست اُستادِ من جز آئینہ
داشت آں رشکِ خانۂ جمشید[۵۲] | با خود آئینۂ بہ از خورشید
در زماں بہرِ آں معائنہ را | پیشِ طوطی نہاد آئینہ را
مرغ گفت آنچہ سیمبر درخواست | بر شمارید پیشِ آئینہ راست
چوں درم جملہ در شمار آمد | عکس در آئینہ بکار آمد
کرد اشارت بماہِ شکّروش | کہ زر اینک در آئینہ است بکش
کآں عمل کز خیال گشت درست | مزد نیز از خیال باید جست
زیں تحکم کہ کرد طوطی ساز | ماند حیرانِ نگارِ شعبدہ باز
در تماشاش خلق پشت بہ پشت[۵۳] | لب گزیدند گاہ گاہ انگشت
گشت نظّارگی چناں بسیار | کز حسد یار تنگ شد بازار

حرس = قبلۂ ۔ ۵۲ قبلہ جمشید کنایہ از آتش و انجام او، زاں زن شعلہ رو ۱۲
۵۳ انبوہ خلایق کہ صف بصف پس و پیش ایستادہ باشد ۱۲

نازِ صیاد ہرچہ افزوں بود — نرخِ مرغ از قیاس بیروں بود

تا خبر شد بشہر کوے بکوے — زاں شکر خای مرغِ شیریں گوے

حرمِ شہ کہ بود با دلِ ریش — در وفاداریِ مسافرِ خویش

میگذشتش بکنجِ تنہائی — روزگارے بنا شکیبائی

غم ہمیخورد و غمگسار نداشت — مونسے جز خیالِ یار نداشت

چوں خبر یافت کز نوادرِ دہر — ایچنیں مرغ آمدہ است بشہر

کرد اشارت کہ خادمانِ حضور — زود نزدیکش آورند از دور

تا در آں بیدلی و بے سنگی — مونسے باشدش بدل تنگی

پیشوایاں شتافتند چو باد — تا ستانند طوطی از صیاد

نقد قیمت بکف نہادندش — زانچہ میخواست بیش دادندش

آوریدند بہرِ ستانے — طوطی را بشکر ستانے

بانوش پرستشے نمود بگفت — او دُر افشاند و ایں گہر می سفت

با شکر لب بصد دل انگیزی — کرد شیرینی و شکر ریزی

قفسش ساخت بانو از زرِ ناب — پس در آوردش بحجرۂ خواب

چوں شدی زاندۂ فراق ملول — خویش را داشتی بدو مشغول

او بصد لابہ در شدیش بپوست — رفتی از دل غبارِ دوریِ دوست

لہ جبہہ = شمار　　سہ بے وقاری ۱۲

بامدادے ز سازگاریِ بخت — بود تنہا عروس بر سرِ تخت
ہمچو خورشید تافتہ رویش — سایۂ ہم نبود پہلویش
مرغِ زیرک چو دید جا خالی — کرد پیدا نہانِ خود حالی
آسفتے کز سریر کردش دور — قصۂ خویش و فتنۂ دستور
وان گرفتن بجرمِ آہو جاے — سبزہ بر سبزہ گشتن آہو پاے
وان پریدن بدشت پیمائی — در صفِ طوطیانِ صحرائی
وان گزیدن بدامِ صیدگران — بندِ خویش و رہائیِ دگران
وان درآئینہ وانمودنِ کار — سیم را کردنی بعکس شمار
تا بدانجا کہ بختش آخر برد — کہ دلش در سرِ تماشا برد[۱]
نازنیں چوں شنید گفتارش — خوں چکید از مژہ برخسارش
خاست از پیشگاہِ تخت چو باد — بوسہ بر دستہاے طوطی داد
گفت کاے ہمنشینِ دیرینہ — مرہمِ درد و راحتِ سینہ
ہیچ دانی کہ چند بردم[۲] رنج — تا ز رویت شدم سعادت سنج
وین زمانت[۳] کہ بامن است نشست — نیز گوئی کہ نیستی در دست
جفتِ ہر یک بجنسِ[۴] وے باشد — آدمی جفتِ مرغ کے باشد

---

(۱) رس = تمنا (۲) رس = دیدم ۳؎ اے این وقت کہ بامن نشستۂ نیز گویا در دست من نیستی چراکہ تو در صورت طائر و من بصورت انسان ہستم ازین سبب اکنون ہم ہماں جدائیست ۱۲
(۴) بیجب = ہرکس زجنس

مرغ گفت آں ورلے[1] کہ دشمن بست | غم مخور کاں کلید نیزم[2] ہست
چارہ آں شد کہ از دمِ تز دیر | خویشتن را دہی برائے وزیر
گوئی او را کہ ہر چہ داری کام | بیکے شرط زآں بتست تمام
آنکہ جانِ عنبر یز ہر زمنے | چوں ہمی ریزی از تنے بہ تنے
زیں فسوں دم دہی بدانستش | کہ برآری زکالبد جانش
قالبِ مردہ پیشش اندازی | تا شود ہمدمش بدمسازی
او چو بیروں رود زخانۂ خویش | من درآیم[3] درآشیانۂ خویش
نازنیں کیں نوید جانی یافت | مردہ گوئی کہ زندگانی یافت
چوں درآمد بوقتِ خود دستور | تا کند ماہ را نظارہ ز دور
خاست سرورواں ز گوشۂ تخت | جائے دادش نبزدِ خویش چو بخت
گفت دستور خیر ہست کہ دوست | بامن امروز مغز گشت بپوست
بچہ خدمت چنیں بلند شدم | کہ بدرگاہت ارجمند شدم
کرد زیبا نگارِ حیلت جوے | تہ تکلف چو شرمساراں روے
گفت بنود کنوں قرار مرا | کادبت[4] کرد شرمسار مرا
باز دیدم بدانشس آگاہی | روشنم شد کہ تو ہمان شاہی
لیک یک آزموں دگر دارم | تا زدل زنگِ شبہ بردارم

[1] حرس = درم [2] جب = ہست بدست [3] حجب = بآشیانۂ
[4] کا ابتا یعنی ادب تو ۱۲

آزمون آنکه آں مسافرِ حیست | داشت افسونِ نقلِ روح درست
بفسونے زخود بروں رفتی | در دگر کالبد دروں رفتی
آنچه بایستی اندرو بودی | بازره سوے خانه نمودی
گر ز تو بینم آں چناں ہنرے | تو نشہی خاک بر سرِ دگرے
من ہماں بندہ ام بجانِ عزیز | خواہیم جفت ساز و خواہ کنیز
خواجه کش در دل ایں تمنا بود | کا آرزومند یک تماشا بود
چوں کلیدِ خزانه یافت بچنگ | از پئے گنجِ سیم شد بے سنگ
پاسخش داد کا نچه فرمان ست | راضیم گرچه حکم بر جان ست
چه متاع ست جانِ خاک وشم | کز دل و دیده پیشِ تو نکشم
با تو کورا ہواے دمسازی ست | بازیِ جانش کمتریں بازی ست
گو بیارند زود جانورے | تا نمایم نظارۂ ہنرے
نازنیں جست خود دوید چو باد | مرغ آورد و پیشِ خواجه نہاد
خواجه کشتش و لے بہنجاری | که نیاید بقالب آزارے
وانگه آہسته در فسوں آمد | بفسوں از جسد بروں آمد
رفت در مرغ و مرغ جست زجاے | تن بجاں در او فتاد زپاے
چوں تہی دید شاه قالبِ خویش | سبک آمد فرو ز مرکبِ خویش
رفت در ہفت منظرِ جانی | پنج نوبت زناں بسلطانی

درزمان مرغ را بخنجر کشت　　کشته را بین که بارِ دیگر کشت

جفتِ خود را در آن وفاداری　　کرد چون مخلصان هواداری

بس گرامیش کرد مهر افزود　　زان گرامی ترش که اوّل بود

قدرِ او آنچه داشت افزون کرد　　دیگران را ز خانه بیرون کرد

بعد از آن زان وفا که داشت بپوست　　طوطیان را گرفت در دل دوست

کرد حکمت بطوطیان تعلیم　　سکّهٔ طوطیان نهاد بسیم

چند طوطی همیشه با خود داشت　　خویشتن را ز جنسِ شان پنداشت

کرد چون طوطیانِ بستانی　　پای تا سر لباسِ ریحانی

سبز ریحانی است رنگے نغز　　داد بیننده را طراوتِ مغز

سبزه در باغ رنگِ ریحان یافت　　دیده از سبزه روشنی زان یافت

شاخِ ریحان طرازِ نسرین ست　　باغ را زیور از ریاحین ست

گلعذارے که خار خارِ دل ست　　خطِ ریحانیش بهارِ دل ست

چون صنم مست کرد پنهانی　　شاه را زان شرابِ ریحانی

شه فروخفت و یارِ زیبا هم　　همچو ریحان و یاسمن باهم

گلگشتِ بهرام در سه شنبه سوی بهشتِ پنجم و گل افشاندن در گنبدِ گلناری با گلعذارانِ تاتاری گلاب گل کرده از بلبله نوش کردن

در سه شنبه که صبح لعل و سپید ق رنگِ گلنار بست بر خورشید
شاهِ بہرامِ گور چوں بہرام[1] گشت گلنار گوں بجامه و جام
عزمِ گنبد سرائے گلگوں کرد وز دل اندوهِ دہر بیروں کرد
لعبتِ تنگ چشمِ تاتاری آمد از غمزه در جگر خواری
برمیاں بست کرد گیسوے تر موی[2] راہم زموی ساخت کمر
خدمتِ شه بآرزو میکرد شاه میدید و آرزو می خورد
ہمه روز آں طرب مہیا بود کشتیِ باده ہمچو دریا بود
شب چو پروین نمای گشت سپہر ماه برخویش بست زیورِ مہر
داد فرماں خدایگانِ سریر کآید آں ماه روی در تقریر
بفسوں در[3] فسانه چو نبات مغزِ شه ترکند بآبِ حیات
سجدهٔ بندگی نمود عروس کرد طوطیِ لب چو خونِ[4] خروس
گفت جاوید زی بدولت و بخت زیر پایت ہمیشه پایهٔ تخت
ہرکه گرد وزد دوستیِ تو پاک باد در پاے دوستانِ تو خاک
چه بضاعت مرا بود در بار که کشم پیشِ شاهِ گیتی دار
لیک چوں شاه داد دستوری واکشایم دمے بمعذوری

---

[1] بہرام یعنی مریخ که سرخ بر فلک پنجمه تابد ۱۲

[2] مراد، زموے اوّل کمر و از ثانی موے زلف وازکمر کمر بند که بہندی آنرا پٹکا نامند ۱۲

[3] حجب = و [4] ن = چشم

کرد چوں عذر خواہی از حد بیش   ق   گفت وقتے ز وقتہا زیں پیش

غنچہ کشادنِ بہارِ گلرو از بادہای خوش و بلبل وار افسانۂ عاشقانہ گفتن

پنج یار ہنر شناس و جواں   از حد مولتاں شدند رواں
زاں یکے بود بادشہ زادہ   از بزرگی بخوردی افتادہ
پورِ بازارگاں بُد[1] آں دگرے   مایہ بیش و قماش بیشترے
سومیں بود نقب گیری چست   کاہنش ہیچ کوہ کردی سست
شخصِ[2] چارم درو دگر استاد   موشگافے بہ تیشۂ فولاد
پنجمیں بود[1] باغبانِ شگرف   کہ بگل یافتے حکایت و حرف
پورِ بازارگاں بلطف و نواخت   گاہ بیگاہ برگِ شاں بساخت
ہمہ باہم موافق و دمساز   درحدِ کامرو[3] شدند فراز
کارداں زاں زمینِ مشک سرشت   سوی شہرے گذشت ہمچو بہشت
در سوادے بتازگی چو بہار   خیمہ برکرد کارواں سالار
واں جوانانِ نغز گام بگام   می نمودند گردِ شہر خرام
بتماشاے باغ و سبزہ و جوی   قدمے میزدند سوے بسوے

۱؎ جب = بود   ۲؎ ح = شخص   ۳؎ کامرو: لاسیتے ست در اقصاے بنگالہ ۱۲

تا تماشا کناں درآں پروانہ | سوی بتخانۂ شدند فسرانہ
منظرے بود برکشیدہ بلند | چشم بندِ ہزار صورت بند
نقشبندانِ بانوے فرہنگ | نقشِ مانی تراش کردہ [۵۱] زرنگ
ہر نگارے چناں بزیبائی | کہ درو خیرہ گشت بینائی
نقش بیناں کزاں طرف راندند | در تماشاے او فرو ماندند
زانہمہ نقش ہائے جاں آویز | گشت در پیکرے نظرہا تیز
کہ بحسن از قیاس بیروں بود | وز دگرہا بصنعت افزوں بود
از نگارے نمونہ پیکرِ او | کامرانی [۵۲] نوشتہ بر سرِ او
بت کزاں ماہ رونشانی داشت | ماہ رو نام کامرانی داشت
در زبانہاے ہندواں بہ سخن | کام [۵۳] عشق آمدہ است رانی زن
در تماشائے او [۵۴] بہ زیبائی | خیرہ می گشت نورِ بینائی
چشمِ بینندگاں درآں پرکار | ماند حیراں چو صورتِ دیوار
بیخودی در دماغِ شاں رہ یافت | عاشقی دستِ صبر کوتہ یافت
ہیچ دل گرچہ بے غبار نہ بود | لیک شہزادہ را قرار نہ بود
زلفِ شب تا حجابِ نور نگشت | چشمِ او زاں نظارہ دور نگشت

---

۵۱ ب = بسنگ ۵۲ برسر آن بت سنگی لفظ کامرانی نوشتہ بود ۱۲
۵۳ یعنی بزبان ہندواں کام عشق را و رانی زن را می گویند ۱۲
۵۴ جب = ز

شب چو بتخانهٔ سپہرِ کبود | صد ہزاراں[1] بت از ہوا بنمود
خواستند آں مسافرانِ ملول | کہ خراماں شوند سوئے نزول
ہمہ را دل بسوئے منزل بود | جز ملک زادہ را کہ بیدل بود
گفت مارا شد اختیار ز دست | وائے دستے کہ رفت کار ز دست
نقشِ ایں سنگ دل ز دستم برد | شد بریں سنگ شیشۂ من خرد
تا نیفتاد[2] جانِ من بہ زوال | جانِ من بعد ازیں و ایں تمثال
یا دریں نقش گم شود نفسم | یا بہ[3] پیکارِ اصل باز رسم
ہمراہاں زیں حدیثِ بی سر و پائے | بی سر و پا شدند ہم بر جائے
پند دادند و جائے پند نبود | ہر چہ گفتند سودمند نہ بود
عاشقی چوں ز دل برآرد جوش | در نگنجد نصیحت اندر گوش
ہمرہاں داوری زبوں ماندند | واندر آں بقعہ شب دروں ماندند
واں گرفتارِ سنگ با دلِ تنگ | چشم برہم نزد چو لعبتِ سنگ
صبح چوں پردہ بر جہاں بدرید | جامہ بر خود چو عاشقاں بدرید
ماند عاشق ز خوردنی بے بہر | ہمنشیناں رواں شدند بشہر
تا بجویند کارواں نے چیست | کیں گرہ را کلید واند جست
کوئی بر کوئی میشدند شتاب | سینہ پُر آتش و دو دیدہ پُر آب

[1] انجمہائے فلک ۱۲ [2] اے تا وقتیکہ جان من نیفتد یعنی مرگ نمی آید ۱۲
[3] حاصل بیت اینکہ یا بمیرم یا از وصل شاہزادی لذت گیرم ۱۲

آں چناں شہر چوں بہارستاں — نزدِ[1] شاں می نمود خارستاں

از کساں باز جست[2] می کردند — رازِ صورت درست می کردند

تا در آں جستجو کہن پیرے — داد شاں را کلیدِ تدبیرے

گفت کاں صورتِ چو گلشنِ تر — ق — کہ چو لالہ ز سنگ بر زدہ سر

نسخہ[3] نازنینِ ایں شہر ست — کز رخش چشمِ خلق بے بہرست

غرفہ کردہ انداز[4] یک چوب — ہم ز آسیب دور ہم ز آشوب

او در آں مہدِ آسماں پیوند — چوں ستارہ بر آسمانِ بلند

کس نہ پہلوی آں بہشتی روی — جز کنیزے دو نارسیدہ بشوی

چوں ملک فارغ آید از ہمہ کار — عیش را نردباں نہد بحصار

قلعہ گیر[5] دبتِ حصارے را — گل چیند باغِ نوبہارے را

بادہ نوشد نشاط فرماید — خسپد و خیزد و فرود آید

گل فروشے ست زیرِ منظرِ شاہ — کہ رود سوی آں چمن گہ گاہ

گل بر د پیشِ سرو بنشیند — گلِ دیگر ز باغ بر چیند

رازِ ایں پردہ زآشکار و نہفت — داند اما بروں نیارد گفت

گر بود رہ بآشنائیِ او — او برد رہ بروشنائیِ او

---

[1] حجب = پیش شاں [2] تلاش و تفحص ۱۲ [3] یعنی از نسخہ مراد نقل تصویر شاہزادہ است ۱۲

[4] حجب = بر [5] اے تنگ در بغل می گیرد ۱۲

آں جواناں برہمنوںِ پیر | باز جستند رخنۂ تدبیر
پُرس پُرساں برو فراز شدند | چارہ جویاں بچارہ ساز شدند
در نہاں باوسے آشنا گشتند | پس بدنبالِ ماجرا گشتند
پورِ بازارگاں چنانکہ تواں | سیم میریختِ ہمچو آبِ رواں
گل فروش ازعطای رو در رو | برگ چوں گل نہادہ تو برتو
چوں یقیں گشت شاں کہ پنہانی | بندہ شد زال زاں زر افشانی
باغباں زادۂ ہنر پیوند | بنہ[۱] در باغِ گل فروش افگند
او ہمہ روز گل بگل[۲] بستی | ویں ز بہر نظارہ بنشستی
گل فروش آں بناز نیں بردی | گلشنے پیشِ یاسمیں بردی
آں ہنر گرچہ بود از حدِ بیش | راز بیروں نداد ی از حدِ خویش
تا یکے روز فرصتی دریافت | از بسے گل نمونۂ بر[۳] یافت
ہر نمط زاں نمونۂ زیبا | نقش[۴] در نقش بست چوں دیبا
داد کیں تحفۂ جہاں افروز | بہر آنجا کہ می[۵] بری ہر روز
گل فروش آں بسرو بستاں برد | گلستانے سوئے گلستاں برد
چوں کہ آں نوبہارِ باغِ جناں | صنعتِ گل ندیدہ بود چناں

---

[۱] بنہ بمعنی درخت دیخ درخت ۱۲ | [۲] اے گل دستہ ساختے ۱۲

[۳] طیار نمود ۱۲ | [۴] ح ب = ر | [۵] ر ج = م ا ر ع ا

در تماشاے آں زبر تا زیر — ماند انگشت در دہن تا دیر
پس بدو گفت کیں نگارش چیست — نیست زانہا کہ کردۂ بختست
زانکہ زینگونہ دستکارِ عزیز — از تو ناید ز ہیچ مردم نیز
کیست کیں گل نگار کردۂ اوست — چیست رازی کہ آں بپردۂ اوست
پیرزن گفت کار کارِ من ست — ویں گلستاں ہم از بہارِ من ست
از گلے گلشنے کنم درخورد — بجز از من دگر کہ داند کرد
نازنیں گفت اگر ز تست ایں ساز — تو بکن پیشم آنچہ کردی باز
کارہا چوں بآزموں آمد — کارپرداز زاں زبوں آمد
گفت کز راستی چو نیست گزیر — راستی را بروں دہم ز ضمیر
میہمانِ من ست برنائے — بغریبے رسید از جائے
ہنرش از شمار بیشتر ست — ویں کہ بینی فروتریں ہنر ست
بمروّت نگارِ شکّر خند — ریخت در دامنش درستی[ل] چند
گفت چوں رہ بری بیاریِ او — ایں دہی مزدِ دستکاریِ او
پیرزن بازگشت خورّم و شاد — دستِ مزدِ ہنر جواں را داد
سینۂ باغباں چو گل بشگفت — رفت وایں ماجرا بیاراں گفت
آں وفاپرورانِ با فرہنگ — چوں سررشتہ یافتند بچنگ

ل درست بضمتین بمعنی اشرفی ۱۲

خلوتے ساختند و شب کردند — مادرِ پیسر را طلب کردند
اوّل از زر دہانش بربستند — بعد ازاں مہرِ راز بشکستند
بیش و کم ہر چہ بود در دلِ ریش — باز گفتند یک یک از کم و بیش
بتِ سنگین و عاشقِ بے ننگ — قصۂ دردمندیِ دلِ تنگ
پیرزن کین حدیث کرد بگوش — آمد از بیمِ خویش اندر جوش
گفت لب زیں سخن بباید دوخت — دل بسودای خام نتواں سوخت
گنبدے کاندراں بتِ سنگ ست — غلغلش تا ہزار فرسنگ ست
کس دراں[۵۱] سنگ یکدمی ننشست — کہ نیاید بزیرِ سنگش دست
واں بتِ[۵۲] سیم کش ندید کسے — سنگدل تر ازاں بت ست بسے
ریخت صد خونِ بیدلاں بہوس — کہ فسوسے نیامدش برکس
ہر کہ گیرد درونِ شہرش نام — درزمانش زباں کشند زکام
سخنے کز خطاست پیوندش — نیک بنود کشادن از بندش
آں جواناں دگر بصد زاری — تازہ کردند رسمِ دلداری
ریختندش خزانۂ بکنار — بیشتر زانچہ بود اوّل بار
گل فروش از چناں نوازشِ گرم — سرنگوں ماند چوں بنفشہ زشرم

---

۵۱ جب = بداں
۵۲ یعنی آں معشوقہ کہ ہنوز کسے او را ندیدہ از تصویرِ سنگے خویش سنگدل و سخت تر ست ۱۲

گفت من کز برای نیمی دانگ — گرد هر کوی میزنم گلبانگ
لطفِ تان[1] مایه داد چندانم — که عدد کردنش نمی دانم
چوں نوازش ز حد فزوں آمد — شکرِ آں ہم ز حد بروں آمد
بہرِ آں کار کیں عطا ستدم — جاں فشانم که خوں بہا ستدم
گر برآید و گر نیاید کار — من یکے از شما شدم ناچار
یا درآرم سرش بچنبرِ خویش — یا ز چنبر بروں کنم سرِ خویش
باغباں گفت گر پذیری راست — از توام نیست بیش ازیں درخواست
کانچه گل می بری بسروِ بلند — صنعتِ دستِ من بدو پیوند
تحفۂ من بدو فراز رساں — ہرچه گوید بیا و باز رساں
پیرزن گفت کیں حدیث که بود — تو چه فرمائیم که او فرمود
بامداداں که گل بباغ شگفت — غنچه بیدار[2] گشت و نرگس خفت
گل طلب کرد مردِ گل پیرائے — شد ز گلدسته بند نافه کشائے
کرد از گل نمونۂ پر کار[3] — نقشِ آں بت که دیده بر دیوار
نامِ او نیز بر سرش بر بافت — نقش و عنواں بنامه در خور یافت
پس فسونے برو دمید چناں — که نسیمش ز دست برد عناں

---

[1] تاں بمعنی شما ۱۲ [2] مراد از بیداری غنچه طلوع آفتاب و از خفتن نرگس غروب ماہتاب و ستارگان ۱۲ [3] نغز و خوب ۱۲

تحفہ چوں شد بماہِ تحفہ شناس　　حیرتش باز شد بروں ز قیاس
نقشِ خود دید و نامِ خود برخواند　　در خود و نامِ خویش حیراں ماند
در دماغش چو راہ یافت نسیم　　گشت جانش ز عاشقی بدو نیم
شورشے در دلش دروں افتاد　　دلش از خویشتن بروں افتاد
گفت باگل فروشِ مہر آمیز　　کاے ہمہ صنعتِ تو مہر انگیز
چہ گل ست ایں کہ دل ز دستم برد　　تیرِ اندیشہ راز شستم برد
آنکہ بست ایں نمونہ برگلِ نو　　کرد جانم بدستِ فتنہ گرو
یکرہ اینجا رساں بہنجارش　　تا تماشا کنم بدیدارش
پیرزن گرم دید چوں بازار　　مرہمے تازہ یافت بر آزار
با پری وش زباں بافسوں کرد　　واں[۱] سخن را سخن دگرگوں کرد
گفت کای آفتابِ دلخواہاں　　ق　آرزومندِ روی تو شاہاں
کے سزد چوں تو دلربائے را　　کہ برد نامِ ہر گدائے را
نازنیں را کہ دل قرار نداشت　　ایں سخن را چو سے بکار نداشت
پیرزن ہر چہ می نمود گریز　　روغنے میزدش بر آتشِ تیز
تا بداں شعلہائے دم پرورد　　پختہ کرد[۲] آنچنانکہ باید کرد
پس بہ پیمان و عہدِ محکم و چیست　　گفت رازِ نہفتہ را بدرست

---

۱ حجب = و آزموں　　۲ حجب = گردش چناں کہ

حالِ بے سنگیِ دو سہ ہمدست | ماجرائے غریبِ سنگ پرست
کاتشے جست سو بسوزاں سنگ | کہ زدودش بسوخت صد فرسنگ
شعلۂ زود رآں جواں افتاد | کہ شرارش دراین وآں افتاد
تو توانی بپاسخے چو نبات | کاتشے را کشی بآبِ[۱] حیات
پاسخش داد ماہِ سیم اندام | ق کای چو من آہوئے گرفتہ بدام
بس ہژبراں کہ شیر نخچیر اند | بر درِ من چو سگ ہمی میرند
پیش ازاں کز دماغِ سودائی | پردہ[۲] بالا کنم برسوائی
پردۂ ساز کن دریں مستی | بو کہ دستے زنم بہمدستی
پیر زن زیں نوائے سینہ نواز | پائے کوباں بجا نہ آمد باز
مژدۂ خوش دلی بیاراں داد | بر سرِ کشتِ خشک باراں داد
ہر یکے شادمانیِ نو یافت | پیر زن خود جوانیِ نو یافت
باز با ہم بچارہ پردازی | ساز[۳] کردند رسمِ دمسازی
ہمہ گفتند پیشِ مادرِ پیر | ق آنچہ از گفتنش نبود گزیر
کز متاع و خزینہ و اسباب | ۲ وز ہنر ہرچہ باید از ہمہ باب
ہمہ داریم تا بداں مقدار | ۳ کز وے آساں شود ہمہ دشوار
لیکن از دوست بارضا باشد | ۴ واندریں کار یارِ ما باشد

---

۱ اے آتشِ عشق را بآبِ وصال کشی ۱۲ — ۲ پردہ بالا کردن فاش نمودن ۱۲
۳ نب = تازہ

نکند قصدِ ما بحیله گری ٭ پرده پوشی کند نه پرده دری
پیرزن باز شد بانو زود ٭ گفتنی هرچه بود گفت و شنود
چون بنا ہاے عہد محکم کرد ٭ وز دل آشوبِ فتنه را کم کرد
بازگشت و دل از سخن پرداخت ٭ گفت سازید هرچه باید ساخت
میهمانان زمهربانیِ دوست ٭ بر شگفتند همچو گل در پوست
شب فراهم شدند روے بروے ٭ مشورت ساختند موے بموے
باز گفتند هر یکے کم و بیش ٭ هنرِ خود بقدرِ دانشِ خویش
باغبان گفت کز دلِ دمساز ٭ هرچه میداشتم نمودم باز
و آنچه دیگر دهید فرمانم ٭ کنم آن هم چنانکه بتوانم
نقب زن گفت خاکِ راه نهفت ٭ ق ٭ زیر زیرا چنان توانم سُفت
کان ستونے که سر کشیده بماه ٭ در تہِ آن ستون کشایم راه
تیشه زن رو بنقب گیر آورد ٭ شرح داد آنچه در ضمیر آورد
گفت اگر نقبِ تو رسد بستون ٭ در ستون من روم بحیله درون
گفت بازارگانِ دریا دل ٭ ق ٭ که چو ما را یکی ست دل با دل
از شما رنج بردن اندر کار ٭ وز من افشاندنِ زر و دینار
کمر از بهرِ کار چست کنیم ٭ سکّهٔ دوستی درست کنیم
یا همه مال و جان دهیم بباد ٭ یا رسانیم دوست را ابراد

ہم بدیں اتفاق و رای صواب　　شب نہادند سر ببالیں خواب
چوں ز نقبِ زمیں برآمد مہر　　کرد بیروں سر از رواقِ سپہر
خاست بازارگاں بعزمِ درست　　وز پئے کار کرد دامن چست
مدتے کارِ آب و گل پرداخت　　واندراں کوی[1] خانۂ نو ساخت
خاکش از بوی خوش[2] عبیر سرشت　　صحنش از خرمی چو باغِ بہشت
گونہ گوں صفہ[3] گونہ گونہ رواق　　تا فلک برکشیدہ طاقِ نطاق[4]
حجرہ در حجرہ بیست اندر بیست　　رازِ آں کس بروں نبرد کہ چیست
چوں عمارت بلند گشت تمام　　کام جویاں شدند در پئے کام
در یکے حجرہ کاں دروں نے بود　　ق　راہِ او سوے رہنمونے[5] بود
نقب زن بازوے ہنر بکشاد　　خانہ را در ببست و سر بکشاد
کرد رہ تا بجاے گاہ رسید　　زیر زیرِ زمیں بماہ رسید
گِل بپولادمی شگافت چناں　　کہ ز اندیشہ میر بود عناں
تا رسانید نقب را بدرست　　در ستونے کہ دست گہ می جست
داد نوبت بمردِ چوب تراش　　تا کند چوب را درونہ خراش

---

[1] اے در آن کوچہ کہ قریب ستون ماہرو بود یک مکان تعمیر ساخت ۱۲　[2] ج = گل
[3] طاق نطاق اے متعدد و متوالے ۱۲　[4] گویند کہ بت دربست نقشی ست کیمیا اثر و از عاملان کامل الفن کسے او را مدید اندو و راز او سر مکتوم ست ہمچنیں حجرہا در آں قصر نو قرار دادہ بود کہ ترکیب آن بفہم مردماں نمی آمد ۱۲
[5] اے راہ او سوے آں ستون بود کہ مطلوب شاں بود ۱۲

رفت در رخنه تیشه زن حالی — تا بصنعت ستون کند خالی
آهنِ تیز را بکار آورد — چوب را دل به خار خار آورد
نقش در مغزِ چوب زانسان بست — که برآن گونه نقش نتوان بست
اوّل اندر ستون کشاد درے — پس بهر تخته کرد نو هنرے
نردبانے درون درون تا بام — پایه بر پایه راست کرد تمام
چون بدان پایه شد هنرپرداز — ق — که کشاید بسقف روزنِ راز
بازگشت وز حجره[1] بیرون راند — ماجرا پیشِ پیرزن برخواند
گفت رو پیشِ ماهِ سیمبران — بین که عهدی که کرده هست برآن
گر برآن گفته هست ثابت رائے — گو ز نامحرمان تهی کن جائے
تا کشائیم روزنِ مقصود — ورنه لب را به بند و باز آ زود
پیرزن رفت و شد مزاج شناس — وقت خوش دید دور کرد هراس
چون بناهائے عهد محکم بود — ق — وانکه در خانه بود محرم بود
لکدے زد برو[2] روزن سخت — که کشاد از درون دریچهٔ بخت
نازنین چون نگاه کرد ز بام — آمد از زیر تیشه زن بسلام
پاسخش داد کای ز دانشِ خویش — ق — در خورِ صد هزار تحسین بیش
با چنین دستکاریِ که تراست — عذرِ دستت چگونه دانم[3] خواست

---

(۱) حنب = حفره (۲) حنب = فراز (۳) نب = یارم

گر نهی دل بمهمانئ من — بهره یابی ز میزبانئ من
در بهم صحبتاں گرائی باز — من خود آیم بوقتِ خویش فراز
پاسخش داد مردِ شیریں کار — ق — کاے سمن عارض و شکر گفتار
گرچه تو زاں کرم که می دانی — ۲ — میهمانِ خودم همی خوانی
لیک بر چیں ز دیگراں دامن — ۳ — کآشنائے تو دیگرست نه من
چوں دو عاشق شوند باهم جفت — من دعائے ز دور خواهم گفت
ایں سخن گفت و بازگشت ز پیش — وآمد از رخنه سوئے منزلِ خویش
نازنیں کرد رخنه را سر سخت — بر فرازش نهاد جامه و رخت
پس زمیلِ دروْنه کرد رواں[1] — پیرزن را بسوے سرو چماں
دادش انگشتریِ خاص ز دست[2] — کیں سلامم[3] رساں بعاشقِ مست
گو من امشب در انتظارِ توام — دوست نادیده - دوستدارِ توام
اگر آئی[4] چو خواجگاں بکنیز — بنده ام پیشِ میهمانِ عزیز
گلفروش از خوشی چو گل بشگفت — رفت وایں قصه[5] را بیاراں گفت

---

[1] در فارسی میل دبر وزن پیل میخ آهنی یا مسی که بر سرگنبد نصب کنند یا منار که بجهت علامت فرسنگ در راه سا
الا درین شعر از میل درونه مراد آں راه مخفی که درجوف همان ستون ساخته بوده ۱۲

[2] جب = بدست — [3] ح = سلامے

[4] جب = گر بیائی — ح = گر گرائی

[5] جب = ماجرا

سوئے عاشق دوید یارے زود | بردش از دست مژدۂ مقصود
چوں بگوشِ وے ایں سخن در شد | بے خبر بود بے خبر تر شد
ماند حیراں در آں حکایتِ نغز | جوشے از دل در او فتاد بمغز
خاست چوں بیدلانِ جاں داده[۵۱] | دلِ دیوانه را عناں داده
پائے کوباں بوجد و حال آمد | در نہاں خانۂ[۵۲] وصال آمد
خانۂ دید چوں بہشتِ ارم | در و دہلیز و بارگاه و حرم
اولش سوئے حجرۂ بردند | در نوا سازیش پے افشردند
غسل دادندش از گلاب و عبیر | تازه کردند کسوتش ز حریر
وانگہے ہر چہ باید از ہمہ باب | پیش بردند نان و نقل و شراب
وانطرف رفت پیرزن بنہفت | گفت با بانو آنچہ باید گفت
پیش[۵۳] ازاں آں غزالِ مست[۵۴] و دلیر | خواب خرگوش داده بود بشیر
کہ ہمی خواہم از طریقِ نیاز | در طاعت زنم بہ پردۂ راز
امشب آں بہ کہ باشی از من دور | در بوم دور داریم معذور
باورش داشت شاهِ ساده ضمیر | رفت و بگذاشت سرو را بہ سریر
شب چو با آسماں قرینی کرد | ق | ماه با زہره ہمنشینی کرد

---

۵۱ اے عاشقان فدائی ۱۲ ۵۲ مراد از تعمیر و قصر نو ۱۲ ۵۳ جب = پیش آں خود غزاله
۵۴ مراد از غزال مست بانو و از شیر پادشاه یعنی پیش از آمدن پیرزن ماہرو پادشاه را از فریب جاے دیگر بخواب

نازنیں باز کرد روزنِ خواب | تا ز روزن درآیدش مهتاب
نزدباں دُور کرد و در[1] بابست | درِ پوشیده را کشاد و نشست
پاسے از شب چو برگذشت بدیر | در چراگاهِ آهو آمد شیر
دو مه[2] از پرده روشنائی داد | دو دل از دوستی گوائی داد
آنکه نادیده دل بهم بستند | هر دو نا دیده وار پیوستند
جانِ عاشق که روی جاناں دید | تشنه گوئی که آبِ حیواں دید
در کنار آنچناں کشیدش تنگ | که طبرخوں[3] شدش نهالِ خدنگ
چاشنی خواست اوّل از می[4] شیر | پس جُدا کرد حلّه را ز حریر
پسته را بر شکر خراج نهاد[5] | میل در سرمه دانِ عاج نهاد
همه شب تا بگاهِ بانگِ خروس | گردنِ شاه بود و زلفِ عروس
صبح چوں بر کشاد روزنِ نور | شد ز هر روزنے سیاهی دور
ماند ماهِ چهارده در کاخ | اژدها باز رفت در سوراخ
روزِ دیگر که خانه شد خالی | عیشِ دوشینه تازه شد حالی
هم بریناں بوقتِ فرصتِ کار | گرم بود آں دو[6] فتنه را بازار
گاه شه بر شدی بروزنِ ماه | گه مه از روزن آمدی سوی شاه

---

[1] حجب = در بربست [2] دو مه یعنی ماه رو و شاهزاده ١٢ [3] طبرخوں بید سرخ و درخت دار چوبیست سرخ رنگ تلخ مزه و در مجموع اللغات و فردوس اللغات بمعنی صندل سرخ ١٢ [4] از مے مراد لب و از شیر پستاں حاصل بیت اینکه بعد بوس و کنار از وصال محبوبه لذت اندوز شد ١٢ [5] مراد از عاشق و معشوق ١٢

چوں بدیں گونہ رفت روزے چند گشت محکم دو دوست را پیوند
بادشاہ زادہ گفت با یاراں کآفریں بر شما وفاداراں
کز رہِ لطف ہر یکے آں کرد کہ ہمہ عمر شرح نتواں کرد
پختہ گردید کارِ من چو تمام باز کوشید تا نگردد خام
پیشتر زانکہ پردہ را بدریم بروِیم و عروس را ببریم
گفت بازارگاں کہ دل خوش دار جگرِ دشمناں بر آتش دار
ما کہ بہرِ ترا بچندیں جہد پردہ بر ماہ بر زدیم ز مہد
تا ندانی دریں خجستہ سواد رخت بندیم بے متاعِ مراد
نسزد نیز راسے والا را کہ بدزدی بریم کالا را
آنگہے بر زنا بمردی نام کہ بمردانگی کنیم خرام
آشکارا نشاط گاہ کنیم ماہ را میہمانِ شاہ کنیم
گنج را چوں بمار بنمائیم مار مائیم[1] و گنج بربائیم
شب بدیں اتفاقِ خوش خفتند روز را قصہ با صنم گفتند
نازنیں گفت آنچہ فرماں ست کنم ارخود[2] حدیث بر جاں ست
ماجرا چوں درست شد با ماہ رفت بازارگاں بحضرتِ شاہ
برد ہر جنسِ قیمتی چنداں کہ شہ انگشت ماند در دنداں

---

[1] اسے بگذاریم ۱۲
[2] آنچہ فرماں ست بجا خواہم آورد اگرچہ در وخطرۂ جاں باشد ۱۲

گفت چندیں متاعِ گوہر و گنج ق کہ نیاید بوہم گوہر سنج
پیشکش کردن از برای چہ راست خواست باید ہر آنچہ باید خواست
گفت بازارگاں کہ بختِ بلند باد زاکلیلِ شاہ دولتمند
من کہ بازارگانِ شہرِ خودم واندریں رہ رواں زبہرِ خودم
ہر کجا رہ گرفتم از پۓ سود سودِ من صحبتِ بزرگاں بود
کشورے راکہ زیرِ پا کردم میرِ آں کشور آشنا کردم
دید چوں میہماں پرستی من گشت مہماں بزیرِ دستی من
ہم بداں بندگی ست میلم باز کہ شود رنجہ شاہِ بندہ نواز
شاہ چوں دید گرمِ خوئیِ او شرمش آمد ز مہر جوئیِ او
گفت رو کن ہر آنچہ دانی ساز کہ من آیم گہے کہ خوانی باز
میزباں باز شد بخانۂ خویش کرد ترتیبِ آشیانۂ خویش
داشت در خانۂ نشاط سرشت ہفت منزل بسانِ ہشت بہشت
از یکے زاں خجستہ بزمے ساخت کہ دلِ زہرہ ز آسماں پرداخت
چوں شب آمد بمجلس آرائی جام بر داشت چرخِ مینائی
رفت مردِ کشادہ پیشانی داد شہ را صلاے مہمانی
نقل و مے یک بیک مہیا کرد خانہ از موجِ دُر چو دریا کرد

لہ اے باوجود زیر دستی من میرِ آں کشور مہمانم گشت ۱۲ لہ جب = منظر

شاہ بایک دو خاصگانِ حضور — حاضرِ بزم گشت بادستور
شب فروہشت پردۂ ظلمات — بادہ در دور روان چو آبِ حیات
بانگِ طنبور[1] خرگہے در گوش — می ربود از دماغِ مستاں ہوش
چوں شد از جوشِ بادہ سرہا خوش — گشت ہر دل کشاں بہر دل کش
ماہِ بالانشیں فروخواندند — قصہ در گوش او فرو راندند
راست کردند تا بہ نیم شباں[2] — پیکرش چوں خیالِ بوالعجباں[3]
شاہدِ دلفروز دیدہ نواز — شد خراماں بصد کرشمہ و ناز
ہم بد انساں کہ در شب آید ماہ — فرق تا پاے در حریرِ سیاہ
غمزہ غارت کنِ خردمنداں — تشنۂ خونِ آرزومنداں
روئے خوبش کہ بے نقابے بود — در شبِ تیرہ آفتابے بود
شد بگفتار آں طرب سازاں — ساقیِ بزمِ شاں خوش و نازاں
چوں درآمد پیالہ برکفِ دست — ہر کہ دیدش خراب[4] گشت نہ مست
شاہ را کآمد آں صنم در پیش — ق — گم شد اوّل در وپس اندر خویش

[1] طنبور خرگہے قسمے از طنبورہ است کہ او را آہستہ می نوازند و آواز بلند نمی دہد ۱۲
[2] در شباں الف و نون زائد است چنانکہ بامداداں و بہاراں ۱۲
[3] مراد از شعبدہ بازاں، بازیگراں یعنی تا نیم شب از زر و زیورہا ہمچون شعبدہ بازاں پیکر ماہ را راست کردند
[4] گویند کہ مستی چند مرتبہ دارد، اوّل سرخوش، دوم تر دماغ، سوم سیہ مست، چہارم خراب و ایں انتہاے مرتبہ مستی ست کہ شخص از خود گذشتہ باشد ۱۲

گفت یارب کہ ایں ہماں ماہ است | یا دلم کور و عقل گمراہ است
اگر ایں اوست کے دلیر آید | ماہ[۱۱] کے ز آسماں بزیر آید
وگر او نیست خود چنیں ماہے | زیبد اندر برِ چو من شاہے
عاقبت چوں دلش قرار نکرد | خاطرش ترکِ خار خار نکرد
محرمے پیش جست و کرد رواں | تا کند جست و جوی سروِ جواں
او از آنجا دوید ہمچوں باد | ویں ازیں سو قدم بحجرہ[۱۲] نہاد
رفت در کاخ و جامہ دیگر کرد | رخنہ بر بست و سر بہ بستر کرد
چوں فرستادہ در رسید شتاب | ماہ را دید در نہانی خواب
باز شد تا خبر بشاہ برد | رازِ خرگہ[۱۳] بہ بارگاہ برد
پیش ازاں رفتہ بود قبلۂ حور | بر کشیدہ سواد را بر نور
جام بر کف بہ بزم در می گشت | ہر کہ می دید بے خبر می گشت
شخصِ بینندہ زاں تماشا گاہ | آمد و گفت ہر چہ بود[۱۴] بشاہ
شاہ را دل براں قرار گرفت | خاطرش ترکِ خار خار گرفت
نوش می کرد بادہ پے در پے | ساقیش مست کردہ بود نہ مے
در تمنائے آنکہ چوں سازد | کاں گل از بوستاں بپردازد
زاں تمنا کہ گردِ جاں می گشت | ہر دمش آب در دہاں می گشت

---

۱۱ جب = چوں | ۱۲ جب = حضرہ | ۱۳ خرگہ یعنی خیمہ و اینجا مراد محلسرائے شاہی ۱۲
۱۴ جب = دید

تا برانداخت بادِ شبگیری[51] | ق | از رخِ صبح پردۂ قیری
شاہ رغبت ہنوز باقی داشت | | مست بود و خمارِ ساقی داشت
عاشق و مست و بادشاہِ جواں | | صبر کردن بگو چگونہ تواں
می گسست ارچہ شیرِ نر زنجیر | | ہم نیفگند پنجہ بر نخچیر
خاست از جائے خویش مستانہ | | دل رہا کرد و رفت در خانہ
ایں طرف مہ بہ برجِ خویش آمد | | شاہ چوں پیش رفت پیش آمد
خضر گم گشت چون بچشمۂ خویش | | چشمہ خود زآشنائی آمد پیش
ساقیِ کش بناز در بر جست | | پیشِ او بود جاے دیگر جست
یار در پیشِ او زہجر بہ رنج | | فاقہ می کرد و پاے بر سرِ گنج
آبِ حیواں بجام واو درسوز | | بود در انتظارِ شب ہمہ روز
شب چو از مہ گرفت جامِ شراب | ق | ہر کسے برد سر ببالشِ خواب
میزبانِ شبانہ باز آمد | | شاہ را دل در اہتزاز آمد
بہ بہانہ شکرِ[52] لبِ چینی | | ساخت خود را ترش ز شیرینی
کرد شہ چاپلوسی بہ نفاق | | پس ز خلوت ببزم شد مشتاق
باز عیشِ شبانہ گشت بکار | | تازہ تر شد نشاط را بازار
ساقیِ شب لمونہ دیگر کرد | | فرق تا پاے زیب و زیور کرد

---

[51] بادِ شبگیر بادیکہ قریب سحر وزد ۱۲
[52] مراد از ماہرو ۱۲

شب سیہ بود پوششِ خورشید — جامہ امشب چو زہرہ کرد سپید

گرچہ شمعِ شبانہ بود آں ماہ — خویشتن را دگر نمود بشاہ[1]

شہ کہ دید آں جمالِ نورانی — باز ماندش دہن[2] ز حیرانی

ساقیِ نوچنانش برد ز ہوش — کش فراموش گشت مستیِ[3] دوش

دل ازو برگرفت و ایں را داد — چمنِ[4] لالہ یاسمیں را داد

دیدہ در لعبتِ خراماں داشت — جانش میرفت و چشم بر جاں[5] داشت

ہم بر آں گونہ تا سحرگاہاں — بود زاں ماہ نُقل و مے خواہاں

روز چوں کرد سوی خانہ شتاب — دید خورشیدِ خویش را در خواب

دید کاندر نظر خطاش نمود — ماہِ پیشینہ اژدہاش نمود

خفت لختے و خاست بیدل واک — نازنیں ہم ز خواب شد بیدار

ابروے نازرا پُر از چیں کرد — شاہ را از کرشمہ مسکیں کرد

ہر طرف کز عتاب راہش بود — شہ بصد لابہ عذر خواہش بود

بروزاں[6] گونہ شاہ را از رہ — دزد بیباک و پاسباں ابلہ

شب چو خورشید روی پنہاں کرد — آسماں سبزہ را گلستاں کرد

میہماں باز شد بمہمانی — میزباں برکشاد پیشانی

---

[1] امشب بنوعے خود را آراست کہ پادشاہ دانست کہ ایں معشوقہ دوشینہ نیست بلکہ غیر اوست ۱۲

[2] جحن = دہان بحیرانی [3] جب = ساقی [4] مراد از چمن لالہ دل واز یاسمیں معشوقہ سفید پوش ۱۲ [5] مراد از جان ثانی معشوقہ یعنی ساقی سفید پوش ۱۲

[6] حجب = زیں

ساقیِ شب رسید خنداں خند | سبز پوشید ہمچو سرو بلند
باز شہ از نظارہ بیخود گشت | آرزوے دلش یکے صد گشت
گفت بایں طرب فزائیِ خویش | شرم بادم ز بادشائیِ خویش
خواجۂ را بجانانہ چنداں حور | من کہ شاہم بہ پیکرے مغرور
گر ستانم بزور بیداد ست | ورنہ صبرم گسستہ بنیاد ست
ہمہ شب تا بگاہِ بانگِ خروس | بادہ میخورد با ہزار افسوس
بامداداں کہ سوی خانہ شتافت | ماہِ شب گرد[۱] را بمنزل یافت
ہفت روز آں صنم بزیور و زیب | گونہ برگونہ بود شاہ فریب
شاہ مشغولِ عشقبازیِ خویش | واں جواناں بکار سازیِ خویش
بود زاں جائگاہ تنگا تنگ[۲] | آبِ دریا بقدرِ یک فرسنگ
ہرچہ تدبیرِ راہِ دریا بود | پیش او یک بیک مہیا بود
چوں ہمہ راست کرد برگِ جہاز[۳] | بوداعِ ملک شدند فراز
گفت ہر یک کہ شاہِ دولتمند | باد جاوید بر سریر بلند
ما کہ از بندگانِ درگاہیم | عذر خواہِ نوازشِ شاہیم
تا دریں منزلِ رضا بودیم | غرقِ احسانِ بادشا بودیم
ویں زمانے کہ رو بہ رہ داریم | توشہ نیز از عطاے شہ داریم

۱؎ مراد از ماہرو ۱۲ ۲؎ در تنگا تنگ الف اتصال ست ۱۲ ۳؎ جحیب = گشت

نقدِ بازارگاں خطاست بہ بند | سودِ دریا کشیم[١] ماہی چند
چونکہ مارا ز لطفِ منعمِ دہر | ناگزیر ست بودنِ ایں شہر
ہر چہ داریم مال و نعمت و چیز ق | وانکہ شہ دید ساقیانِ عزیز
میگذاریم امانت اینجا باز | تا کہ آرد خدائے مارا باز
یادِ ما بہ کہ در ضمیر بود | واں امانت اماں پذیر بود
ملک آں نامِ ساقیاں چو شنید | گشت شاد واں کہ جامہ خواست درید
گنجہا داد عذرہا درخواست | کرد شاں توشۂ کہ باید راست
پس نظر داشت کاں جوانمرداں | بسفرے شوند سرگرداں
تو[٢] کند گنج خانہ را تاراج | شہرِ نو را درآورد بخراج
در گرفتش ہوائے دل بشتاب | خود بدریا روانہ گشت چو آب
پیش زاں پردہ بود صاحبِ راز | کرد پنہاں عروس را بجہاز
چوں مسافر بسوئے کشتی رفت | پنج رضواں[٣] بیک بہشتی رفت
کشتی آں سوے می پرید چو باد | شاہ زیں سو عناں بمرکب داد
با دلِ تشنۂ و دہاں پُر آب | شد ز دریا رواں بسوی سراب
آمد اندر سرائے مہماناں | در ہوائے پری فسوں خواناں
چوں دروں رفت خانہ خالی دید | عشق را تیغِ لا اُبالی دید

١ح جب = کنیم   ٢ح = کہ   ٣ مراد از پنج رضواں پنج یار و یک بہشتی یعنی ماہرو ١٢

گشت کاخ و رواق و حجرہ و بام — زاں تدرواں یکے ندیدہ بدام
حجرہ در حجرہ جستجو میکرد — سر بہر روزنے فرو میکرد
در یکے حجرہ ہفت دیگر دید — طرفہ غارے بزیرش اندر دید
تا سوِ حجرۂ فتادش راہ — کز چہِ او طلوع کردے ماہ
گام میزد دروں دروں گستاخ — تا برآمد ز نرد باں بر کاخ
رفت در برج و برج بے مہ دید — زہرہ بشگافتش کہ ناگہ دید
او ز حیرت درآں تمنا مرد — واں دگر رفت و آں تمنا برد
شاں چو رفتند سوی خانۂ خویش ق — خورم از بختِ شادمانۂ خویش
ماہ با شاہِ نوجواں شد شاد — کش نیامد ز شاہِ پیشیں یاد
در دل انچہ از گذشتہ جوششش بود — خار خارے ز گلفروشش بود
بودے اندر نشاطِ بادۂ و جام — در غمِ زالِ گلفروش مدام
کردہ بود از وفاداری او — جامہ گلگوں بیادگاری او
بود چوں ترکِ آسماں بجہاں — زیرِ گلنار گوں پرند نہاں
رنگِ گلنار دلکشاے بود — چوں مے لال جانفزاے بود
زیبِ باغ ست گونِ گلناری — چوں شفق بر سپہرِ زنگاری
ہر کہ شد بخت او دوستے یارش — رخ بسرخی بود چو گلنارش

ح = لون

هست گلنار همچو نارِ کلیم | گلِ نار ست باغِ ابراهیم
ماهِ[۵۱] گلنار چهره چون تمام | گفت افسانه خفت با بهرام

گلگشت نمودنِ بهرام روزِ چهارشنبه در بهشتِ ششم و گنبدِ بنفشه فام از دستِ آهوی بنفشه مویِ رومی شرابِ بنفشه بوی کشیدن

چارشنبه که برکشید نوا | مرغِ صبح از بنفشه زارِ هما[۵۲]
خواست گردد شهِ سریر افروز | بلباسِ[۵۳] عطاردِ فیروز
لیک آن گونه موجبِ غم بود | که کبودی لباسِ ماتم بود
با قبای بنفشه بوقلمون | رفت در گنبدِ بنفشه درون
ماهِ رومی کشاد ابرو چین | رفت در پیشِ شاهِ روی زمین
بزمین بوسِ شاه رای آورد | شرطِ تعظیم را بجای آورد
جام پر کرده ماهِ جان افزای | ماند بر رسمِ ساقیان برپای
درزمان کرد شاهِ عشرت کوش | آبِ حیوان ز آبِ[۵۴] حیوان نوش

---

۵۱ حجب = گشت
۵۲ حجب = هوا
۵۳ لباس عطارد کبود ست ۱۲
۵۴ یعنی جام شراب از دست معشوقه رومی نوش کرد ۱۲

آں طرب تا بشام باقی بود | مہ[1] غلام و ستارہ ساقی بود
روز چوں ساخت کسوت از پرِ زاغ | میلِ خفتن نمود نرگسِ باغ
شاہ بہرِ فسانۂ چو شکر | کرد رو اندر آں شگوفۂ تر
سروِ آزاد بندہ وار بہ پیش | کرد خم چوں بنفشہ قامتِ خویش
پس دعا را گذارشش نو داد | گفت باشی ز بخت و دولت شاد
ہر چہ خواہی ز ماہ تا ماہی | پیش بادت ہر آنچہ می خواہی
در حضورت کہ خسروِ زمنی | بندۂ را چہ جائے ہم سخنی
لیک بر اعتمادِ حضرتِ[2] شاہ | گویم آنچہ بسینہ یابد راہ
چوں تہی شد ز معذرت سینہ ق گفت در روزگارِ پیشینہ

بنفشہ شدنِ سروِ آزاد در سجدۂ بندگی پیشِ بہرام وآں متعطش را بدیں افسانہ شربت دادن

بود بازار گانے اندر روم | نعمتش را شمار نا معلوم
پسرے داشت ہوشمند و عزیز | زیرک و کاردانِ با تمییز
در عجب ہاسے عالمش ہوسے | وآزمونِ زمانہ دیدہ بسے
خانۂ داشت چوں بہشتِ بریں | ہر طرف ذہ نگار خانۂ چیں

[1] مراد از مہ بہرام و از غلام محکوم و از ستارہ معشوقہ ۱۲
[2] ح = رخصت

هر مسافر که آمد از جائے ۔ کرد حالی بمنظرش پائے
سوئے مہماں سرای خویشش برد ۔ میوۂ نقل و بادہ پیشش برد
چندگہ داشتے بمہمانی ۔ میزبانِ کشادہ پیشانی
باز جست از وے آشکار و نہاں ۔ کز عجب ہا چہ دید گرد جہاں
آں جہاندیدہ از شگفتِ سفر ۔ گفتے یک یک ز ہر چہ داشت خبر
سالہا در چنیں تمنّائے ۔ بخت با ہر روندہ سودائے
تا یکے روز بامداد پگاہ ۔ ناگہ آمد مسافرے از راہ
در زمانش بخانہ مہماں برد ۔ ارجمندش بسوے ایواں برد[۱]
خوانے از مرغ و برّہ پیش آورد ۔ نعمتے از قیاس بیش آورد
گشت چوں رغبتِ خورش باقی[۲] ۔ مہر بکشاد شیشہ را ساقی
بادۂ لعلِ ارغوانی رنگ ۔ جلوہ گر گشت در ترنّمِ چنگ
چوں گذشت از شراب دورے چند ۔ درجِ لبہا کشادہ گشت ز بند
ہر کرا بود قصّۂ بنہفت ۔ پیشِ پرسندہ یک بیک میگفت
چوں بمہمانِ نو رسید سخن ۔ ق ۔ گفت بسیار زیر چرخ کہن
گشتہ ام بس کہ داشتم ہوسے ۔ وز شگفتِ زمانہ دیدہ بسے
واں عجبہا کہ در جہاں دیدم ۔ ہر چہ کس دید بیش ازاں دیدم

---

[۱] اسے بعزت تمام ۱۲ ۔ [۲] باقی اینجا بمعنی قیام دارندہ اسے رغبت خورش سکون گرفت ۱۲

لیکن از ہرچہ دیدہ ام نخست | زاں عجب تر ندیدہ ام بدرست
کز دیارِ فرنگ[51] شش مہ راہ | ہست شہرے و مردماں چوں ما
نیمہ گویا و نیمہ خاموش | خامشاں کسوتِ بنفشہ بدوش
من ز گویندہ باز جستم راز | کز خموشاں خبر چہ گوید باز
کیں ہمہ خلق را خموشی چیست | چوں بنفشہ بنفش پوشی چیست
پاسخم داد مردِ کارشناس | ق کاندریں کارگاہِ پُر وسواس
ہست گرمابہ[52] ز صنعِ[53] حکیم | سیمیا خانۂ عجب تقسیم
گنبدش را شمار ناپیدا | گم شد آنکس کہ شد درو شیدا
آدمی کاندرو درون آید | از پسِ چندگہ بروں آید
یا بمیرد در آمدن[54] در حال | یا بماند خموش تا دہ سال
اندر آں خامشی بود بیہوش | بہرِ ماتم[55][56] بنفشہ کردہ بدوش
چوں سخن را گرہ کشاید باز | ہمہ گوید مگر فسانۂ راز
تا کسی کاں طرف بود درایش | خود نہد روے در تماشایش
وانکہ در شد بداں[57] تماشاگاہ | بارِ دیگر بروں نیابد راہ
گرچہ سالے بود دروکم وبیش | در نیابد نشانِ رخنۂ خویش

---

[51] ح = فرنجہ [52] گرمابہ بمعنی حمام ١٢ [53] ج = وضع [54] حجب = بآمدن
[55] حجب = جامہاے بنفش [56] ن = پرنیان بنفشہ
[57] حجب = درآں

من که در دل در آمد این هوسم — خاست از بهر دیدنش نفسم
خواستم کآن طرف کنم پرواز — برگشایم گره ز پردهٔ راز
لیکنم دل نکرد دمسازی — که دهم جان دران هوس بازی
راهروکان فسانه بروے خواند — باز پرسنده[1] را قرار نماند
تا شب آن روز عیش سازی کرد — خوشی و میهمان نوازی کرد
شب چو دریای چرخ بزد زنگ — چشمهٔ مهر شد بکامِ نهنگ
مرد سوداگرے هوس پیشه — ق — چشم برهم نزد ز اندیشه
بامدادان که صبح جامه سپید — پرده برداشت از رخِ خورشید
ناشکیبا ز خوابگه برخاست — خاست و کرد برگِ رفتن راست
از متاعِ زر و غلام و کنیز — کرد با خود روان فراوان چیز
پدرِ مهربان شنید خبر — بے سر و پا دوید سوے پسر
دم همیداد و هیچ دود نداشت — کرد زاری بسے و سود نداشت
عاقبت دست بر جهان افشاند — از ولایت جمازه[2] بیرون راند
وان مسافر که داشت آگاهی — همعنان ساختش بهمراهی
هر دو باهم ز عیش فرد شدند — شهر بر شهر ره نورد شدند
در تموز و بهار و تابش و تاب — می نوشتند راه را بشتاب

---

[1] مراد از پرسنده پسر بازرگان است جهاں میزبانِ میهمان و مسافر نواز ۱۲
[2] جمازه = وز

تا درآن کارگاہِ پر زخیال　　　در رسیدند از پسِ یک سال
در سرای شدند رخت کشاد　　　خود بشہر آمدند خورم وشاد
خلق دیدند بیشتر خاموش　　　وز حریر بنفشہ کسوت پوش
گردِ ہر کوی وخانہ می رُفتند[۵]　　　رازِ پوشیدہ باز می جستند
زان شگفتی کہ داشت سر بنہفت　　　خبرے کس چنانکہ بود نہ گفت
چارہ ناچار مردِ شغیدہ جوے　　　سوئے گرما بہ راند پویا پوئے
ہمہ ہش بازداشت اسرارے[۶]　　　کہ حذر بہتر از چنیں کارے
او ہمہ میلِ فتنہ در سر داشت　　　عاقبت دل زمیل سر برداشت
بغلامانِ خاص گفت کہ من　　　راہ زاں برگرفتہ ام ز وطن
کانچہ در خاطر آرزو دارم　　　دیدۂ آزموں درو دارم
یا ببینم تمام وگردم باز　　　یا دہم جاں درونِ پردۂ راز
ق از شناہر کہ استوار ترست　　　راست اندیش و راست کار ترست
بہ کہ دائم امینِ مال بود　　　تا نمک خوردنش حلال بود
من چو بر خود کشم حجابِ خیال　　　انتظارم کشید تا بدو سال
گر بیایم دفینہ بر شمرید　　　ورنہ رختم بخانہ باز برید
شور برخاست از غلامانش　　　دست بردند سوی دامانش

---

[۵] گرد رفتن کنایہ از تردد وکثرت آمد ورفت کہ ہندی خاک چھاننا گویند ۱۲ جوہر　　[۶] حجب = بسیارے

کیں چه دیوانگی و خود رائی ست | در دیوان زدن نه دانائی ست
کام دلداری و جوانی هست | همه اسباب کامرانی[۱] هست
روزگار نشاط را دریاب | زانچه دادت خدای روی متاب
زیں نمط ماجرا گذشت سبے | بر نیامد رمیده را نفسے
عاقبت بر مراد خاطر خویش | سوی گرما به ره گرفت به پیش
رفت و در شد در آں طلسم آباد | عالمے دید هر درے که کشاد
سقف هر گنبدے که کرد نگاه | سر گنبد رسیده دید بماه
هفته گشت بے طعام و شراب | راه بیروں شدن ندیده بخواب
شد پشیماں ز خامکاری خویش | خواند بخشنده را بیاری خویش
چوں سراسیمه گشت بے سر و پاے | ناگهش رو[۲] نمود راه نماے[۳]
دید ناگه درے فراخ ز دور | آفتاب اوفگنده در وے نور
رفت زاں سو دویده همچوں باد | روضهٔ دید پر گل و شمشاد
لاله بر کف گرفته جام شراب | نرگس از مستی اوفتاده بخواب
گشته باد از شگوفه عنبر بوے | سبزهٔ[۴][۵] نودمیده بر لب جوے
سو بسو از درخت میوه قطار | شاخ سر بر زمیں نهاده زبار

۱؎ ح = زندگانی   ۲؎ حجب = ره   ۳؎ مراد از هادی مطلق جل مجده ۱۲

۴؎ ح = سبزه ها ۵؎ حجب = سروها

ماند حیران جوانِ بینندہ | شکرہا گفت[لہ] زآفرینندہ
شکمے داشت از خورش خالی | خورد ہر گونہ میوۂ حالی[ٹہ]
بر لبِ جوئے رفت و آبے خورد | سایۂ سرو[لاہ] و دید خوابے کرد
خاست از خواب و رفت میلے چند | دید قصرے برآوریدہ بلند
شد شتابندہ تا رسید آنجا | منظرے چوں بہشت دید آنجا
باز کردہ درے بلند و فراخ | رفت یکسر درونِ وے[ٹہ] گستاخ
ہر کجا گام زد جہانے دید | پیشِ ہر صفہ بوستانے دید
ہر نمونہ عمارتِ پُرکار | گلشنے پُر ز صد ہزار نگار[نہ]
کردہ[لہ] زاں گونہ سو بسو تمثال | کآدمی را نگنجد آں بخیال
بوستانے تہی ز مردم دید[ٹہ] | چشمِ نظارگی در و گم دید
خواجہ زامیدِ زندگانی طاق | تا بشب گشت گردِ کاخ و رواق
چوں جہاں رخ نہفت در پرِ زاغ | ق شد فلک پُر ز صد ہزار چراغ
دل ز تنہائیش پریشاں گشت | رفت بر منظرے و پنہاں گشت
چوں[ٹہ] ز شب رفتہ نیم پاس تمام | ق ماہی و مرغ یافتند آرام
دید کآمد بروں ز گوشۂ باغ | آفتابے بکف گرفتہ چراغ

لہ جب = کرد
ٹہ بمعنی شتاب ۱۲
لاہ ن = خوب
ٹہ جب = در
نہ ح = بہار
لاہ ن = دید در باغ
ٹہ جب = بود
نہ جب = تا

صد ہزاراں ستارہ گرد و پیش | خود چو خورشیدِ شمع اندر پیش
زاں فروزش کہ قصر گلشن گشت | شب تاریک روزِ روشن گشت
تا بداں منظر آمدند فراز | کہ درو بود خواجہ خلوت ساز
تخت کردند پیشِ صفہ بپاے | شد بدیبا نہفتہ صحنِ سراے
چوں شد آرایشِ نشاط ہمہ ق | پُر مہ و زہرہ شد بساط ہمہ
میرِ خوباں نشست بر سرِ تخت | وز دو سو ہمنشینِ دولت و بخت
نازنیناں دو سوے صف بستند | پیشِ مسند بناز بنشستند
خاست ساقی و بادہ گشت رواں | خوردنی در رسید خواں بر خواں
چوں کشیدند پیشِ ہر کس خورد[1] | از رقاقِ[2] سپید و گردۂ زرد
گفت خنداں نگارِ تخت نشیں ق | کہ دریں کاخِ آسماں تمکیں
آدمی زادہ ایست بیخود و خواب | گشتہ از کوبِ[3] روزگار خراب
دور گرد ونش کردہ سودائی | ماندہ بیخویشتن ز تنہائی
ہست برنا[4] غریب و مہماں نیز | چارہ نبود ز میہمانِ عزیز
خواندہ باید بلطف اندر پیش | مہربانی نمودن از حد بیش
تا سرش را خرد فراز آید | دل کہ رفتش ز جاے باز آید
شمع برداشت لعبتِ چو چراغ | رفت بر منظرِ بلند ز باغ

---

[1] خورد بمعنی خورش ۱۲ [2] نان تنک ۱۲ [3] کوفت و رنج ۱۲ [4] ح = برما

دید تنہا نشستہ مسکینے   کرد بابخشش آسماں کینے

دادش آواز۔ خواجہ رفتہ زجاے   لرزہ در روے فتاد سرتا پاے

سرو سیمیں بمہر دل داوش   کرد ز اندیشہ خاطر آزادش

گفت خیز اے جوانِ زیبا چہر   کہ درِ دولتت کشاد سپہر

بانوی ما کہ گنجِ لطف[1] در وست   آدمی سیرت ست و مہماں دوست

برخوری زاں صنم کہ در ہمہ ساز   تو غریبی و او غریب نواز

خواجہ را کاں سخن بگوش آمد   لختے از بیہشی بہوش آمد

گفت[2] بخرام ہر کجا خواہی   کہ منت بندہ ام بہمراہی

شمع را پیش برد قبلۂ حور   او چو پروانہ در حوالی نور

پیشِ تخت آمدند ہر دو زکاخ   در تحیر جوانِ ناگستاخ

چوں بدید آں جمالِ نورانی   سود بر خاک تیرہ پیشانی

از سرِ[3] لطف ماہِ شکر خند   خواندش از خاک بر سریرِ بلند

گفت عیب ست میزباناں را   کہ نپرسند میہماناں را

کے روا باشد ایں کہ مانم دیر   من ببالا و میہماں در زیر

بر سریر آ و باشش ہمتا یم   ورنہ من نیز بر زمیں آیم

خواجہ گفتا کہ من کیم بارے   تا بداں پایہ باشدم کارے

---

[1] جب = مہر   [2] فاعل گفت سوداگر بچہ ۱۲   [3] جب = رہ

خاکِ مسکیں کہ پائمال بود — بر فلک بردنش محال بود
باشد آں جاے درخورِ چو تو ماہ — دیو بر آسماں نیابد راہ
زیں نمط گفتگو فراواں رفت[۱] — خواجہ جائے بشد کہ نتواں رفت[۱]
آمد از تخت نازنیں در زیر — کرد با خود بمردمیش دلیر
دستِ او را گرفت و بالا برد — شاند بر جا و ہوشش از جا برد
نازنیں رو بمیہماں آورد — پوزش و لطف درمیاں آورد
پیشِ او داشت خوردہائے غریب — ہر یکے جاں نواز و مشکیں طیب
از نسیمش کہ گرد جاں می گشت — خواجہ را آب در دہاں می گشت
بود زاندوہِ فاقہ سودائی — یافتش چشمِ تیرہ بینائی
دست در خورد بر سرِ شرم گزاشت — خورد چنداں کہ میلِ خوردن داشت
رفت چوں خواں بکارِ خانۂ خویش — ساقی آورد جامِ مے در پیش
ہر طرف لعبتے بریشم ساز — گشت زآہنگِ خوش حریف نواز
مجلسے چوں بہشت عالمِ نور — رفت رضواں بمیہمانیِ حور
گر فرشتہ درآمدے در باغ — ہمچو پروانہ سوختے بچراغ
روے در روے یارِ جانی بود — درمیاں دورِ دوستگانی بود
بانوے با نواں چو سرمستے — ہر زماں بذلۂ برد بستے

۱؎ ح ـــ شد

چوں سرِ خواجہ گرم شد ز شراب   آرزو[1] را ز سر بروں شد خواب
شد ز سر زندہ شہوتے کہ بمرد   رغبتِ دل عناں ز دستش برد
عاشقانہ بپائے یار افتاد   کار با بوسہ و کنار افتاد
ز آنِ او شد عروسِ شیریں کار   دزد ناداں و پاسباں طرّار
او در آویخت در دو زلف چو شست   گردنِ خود بطوقِ مشکیں بست
روئے بر رو نہاد و دوش بدوش   خرمنِ گل کشید در آغوش
برد غارت بدرجِ مروارید   ایں ہمی چید و او ہمی بارید
شور و رفتلدانِ ناز افگند   شمعِ بے دود را بگاز[2] افگند
تشنہ بود آبِ زندگانی یافت   مایۂ عمرِ جاودانی یافت
خواست تا در رود بحجلۂ ناز   قفلِ گنجینہ را کشاید باز
ماہِ ابلہ فریب و عشوہ فروش   بوسہ دادش بعذرہائے چو نوش
گفت آہستہ ترکہ ز آنِ توام   نوش کن مے کہ نقلدانِ توام
چاشنی باری از نمک برگیر   تا دہن خوش کنی بشکّر و شیر
شربتے کار ز دست زود نہ دیر   وانکہ خوردی وے و گشتی سیر
تشنہ کز آب سیر شد جانش   میل نبود بآبِ حیوانش

---

[1] یعنی آرزوے خفتہ از مستی شراب بیدار شد ۱۲   [2] جب = زیبا

[2] گاز یعنی مقراض و اینجا عبارت از میانہ ہر دو زانوے بانو ۱۲

چون زهم خوابه گشت مرد صبور　　داغ[1] زنگی نهد بجبهٔ حور

ور نیاری ز میل و رغبت خویش　　ق　　که دهی گوشمال شهوت خویش

زین همه لعبتان زیبا روے　　که کنیز من اند سوے بسوے

هر که زیباتر آیدت بنظر　　خاصهٔ تست دست گیر و ببر

رقیه[2] چند ازین نمط برخواند　　کاتش خواجه را فرودنشاند

وانگه از غمزه گفت[3] پنهانی　　بانگارے چو سرو بستانی

آمد و با هزار لابه و لوس　　داد بر دست و پاے برنابوس

زان خود کردش از فسون و فریب　　تا دلش را نماند جاے شکیب

خاست از پیشگه بدستورے　　رفت در جایگاه[4] مستورے

در برآورد یار زیبا را　　کرد خوش جان ناشکیبا را

یافت آن آرزو که در سر داشت　　کام دل دید و کام دل برداشت

همه شب با بت بهشتی خویش　　راند در جوے شیر کشتی خویش

صبح چون کرد جیب ظلمت چاک　　سایهٔ خاک رفت هم در خاک

مرد شب زنده داشته بشراب　　رفته بود از نسیم صبح بخواب

چون ز خواب نشاط سر بر کرد　　نظر اندر رواق و منظر کرد

---

[1] یعنی زن در حسن و جمال گرچه حور وش باشد لیکن بعد صبوری زنگی معلوم میشود ۱۲

[2] سحر و افسون ۱۲　　[3] فاعل گفت سردار پریان ۱۲

[4] حجب = جلوه گاه

دید فردوس راز خوباں طاق | نے بمنظر بتے و نے بر واق
زاں پری صورتاں ندید کسے | غمزۂ بیکسی کشید بسے
زاں تحیّر کہ جاں خراب شود | بیم بودش کہ زہرہ آب شود
تا شب اندر خیالِ مجلسِ دوش | چوں پری دیدگاں نبودش ہوش
در پرِ زاغ چوں نہاں شد مہر | پرِّ طاؤس باز کرد سپہر
باز کبکاں رواں شدند ز جائے | پرِّ طاؤس گشت صحن سرائے
شمع از ہر طرف روائی یافت | عالمِ تیرہ روشنائی یافت
شد پیاپے شرابِ نوشیں بازہ | تازہ شد بزمگاہِ دوشیں باز
نازنیں رفتہ بر سریر بلند | مہر برداشت از خزینۂ قند
بہ یکے زاں شکر لباں فرمود | کہ بیار آں غریبِ مارا زود
شد کنیزی و خواند پیشش برد | رنجِ دوری زجانِ ریشش برد
بانوش چوں بدید خاست ز پیش | خاص کردش بہمنشینی خویش
کرد جانش بردمی تازہ | عذرہا خواست بیش ز اندازہ
دوستگانے بدستِ خویشش داد | طَبق و نقل و میوہ پیشش داد
چوں زمے دودِ معدہ شد پرکار | مائدہ[1] پیش برد خواں سالار
با نوا زراہِ لطف و سرمستی | کرد با او بکاسہ ہمدستی

---

[1] دسترخوان ۱۲

چوں شد از خوردنی شکمها سیر　　مطبخی برد خواں ز تخت بزیر

ساقیاں را رسید نوبتِ مے　　دورِ گردنده گشت پے در پے

خواجه کافروختش ز مے سینه　　تازه گشتش نشاطِ دوشینه

خویش را کرده بود لعبتِ سیم　　برِ او حریفِ خود تسلیم

او بدنداں عقیق را می سُفت　　قند می خست و انگبیں می رُفت

زاں لبِ لعل می کشید شراب　　نقل هم پسته[1] بود و هم عنّاب

باز چوں وقت شد که خورم و شاد　　سوے قفل آورد کلیدِ مراد

گفت کز چوں منے خطا باشد　　که بهر جستنم عطا باشد

زن کز اینساں کند جوامردی　　پرده بالا کند برخ زردی

در پیم بود هر[2] که بود بسے　　دست بر دامنم نسود کسے

هر که بود از خبر شنیدنِ من　　مرده[3] هم در هواے دیدنِ من

چوں تو بر ما غریب و مهمانی　　محرمِ ما شدی بآسانی

لیک مشتاب تا کنیزانم　　نشناسند رازِ پنهانم

که چرا گوهرے بدیں پاکی　　هم بیکبار شد چنیں خاکی

بکنارے و بوسه دو سه روز　　گر شوی سینه را شکیب اندوز

---

[1] مراد از پسته دهن و از عناب لب ۱۲

[2] اے کیکه تا مدت دراز در محبت من خراب بود آں هم در بیم بود و قدرت مس کردن دامنم هم نداشت ۱۲

[3] هر که خبر حسن و جمالم شنید　در آرزوے دیدار جاں داده و بعد مردن هم هواے نظاره داشت ۱۲

من باندیشهٔ که وانم کرد　　دلِ شان را دگر توانم کرد

چون دل از کارِ شان بپردازم　　کارِ تو بر مرادِ تو سازم

این سخن گفت بازکرد نگاه　　در یکے زان شکرلبانِ چو ماه

آمد آن ماه و پا بهر فشرد　　دستِ برنا گرفت و با خود برد

تا دمِ صبح مردِ عشرت جوئے　　بود خوش با نگارِ زیبا روے

آسمان چون ز چشمهٔ خورشید　　کرد پیراهنِ زمانه سپید

باز برخاست مردِ خفته زجائے　　زان عروسان ندید کس بسرائے

شد ز بے مونسی و تنهائی　　بیشتر زانچه بود سودائی

تا بیک هفته مردِ شعبده سنج　　بود شب در نشاط و روز برنج

هر شب آن نازنینِ عشوه فروش　　بر دگر عشوه ها نهادی[1] گوش

سوئے آهوئے خود فگندے چنگ　　لیک صیدے دگر زدے بخدنگ

تا شبے شد ز جوشِ شهوت مست　　رفت یکبارگی عنانش[2] از دست

ماند در پائے دلبر افتاده　　چون گیا زیرِ سروِ آزاده

گفت دستم بگیر بهر خدائے　　که شکیبِ ترا ندارم پائے

چند ازین عشوهٔ جفاسازی　　با غریبے چو من دغابازی

انگبینم نمودن اندر جام　　وانگہے سرکه ریختن در کام

---

[1] اے گوش پسر تاجر را خاطب افسانه فریب نو کردے ۱۲　　[2] حجب = عنانش زدست

یا لب از جامِ وصل کن سیرم — یا ببینداز سرِ بشمشیرم
یا ببخش داد شوخِ عالم سوز — کامشب اندر برِ توام تا روز
همه شب پاسِ کار در پیش ست — این چنین صد هزار در پیش ست
خواجه کین مژده یافت از لبِ دوست — در نگنجید همچو پسته بپوست
بس که جانش بخود دلی بشگفت — بادۀ چند خورد و برجا خفت
نوبت صبح زد چو نالۀ زار — مرغ و ماهی ز خواب شد بیدار
چشم بکشاد مردِ[۵۱] دوشینه — خارِ[۵۲] دوشش خلید در سینه
خویش را دید در بیابانے — که نبودش سرے نه پایانے
خاکے از ناخوشی هلاک انگیز — خارها برکشیده دشنۂ تیز
خونش[۵۳] از بیخودی[۵۴] بتن بفسرد — ماند بیخود فتاده گوئی مرد
چون نبود آن خرابه جاے قرار — در خرابی روانه شد ناچار
بقضا کرد خویش را تسلیم — دشت بر دشت می شتافت ز بیم
پویه میزد براهِ بے راہاں[۵۵] — تا بدیہے رسید ناگاہاں
شد به ده اندروں به بدحالے — کرد منزل بخانۂ زالے
زال را بود دخترے عیار — دلفریبے چو صد ہزار نگار

---

۵۱ جب = مست — ۵۲ جب = ریگ و تیش — ۵۳ خونش از بیهوشی بسته شد ۱۲
۵۴ جب = بیهشی — ۵۵ اے بطریق گم کردهٔ راه ۱۲

دزدِ دلها دو چشمِ پرفنِ او | خونِ صد نگینه به گردنِ او
گشت چون یکدگر نظرها گرم | نازنین سر فرو فگند ز شرم
روے پوشید و کرد آں سو پشت | میهماں را بیک کرشمه بکشت
خواجه کز تیر تیز تر می راند | ناوکِ غمزه خورد و برجا ماند
زال را با هزار آزادی | بنده گشت از خیالِ دامادی
برسرِ کشتِ پیرزن لرزاں | کار میکرد چوں کشاورزاں[1]
خانه گهگه که یافتے که خالی | بر شکرلب درآمدے حالی
زار نالیدے از گرفتاری | کآں صنم سوختے ازاں زاری
تا دلِ ماه مهربانی یافت | طبع با میل هم عنانی یافت
خاطرِ هر دو ز اتفاقِ ضمیر | ساخت باهم چو انگبیں با شیر
خانه[2] هر گه که بے مگس دیدے | شکرے از قمطره[3] برچیدے
گه درآویختے بزلف چو شست | گاه بر گنجِ ساده[4] سودے دست
چوں شدے گاهِ آں که از پیوند | درجِ سربسته را کشاید بند
وارمیدے عروسِ کبک خرام | که میالاے دامنم بحرام
جست باید رضاے پیرزنت | تا دهد ره بجلوه گاهِ منت

---

[1] بمعنی دہقانان وکاشتکاران ۱۲   [2] نجب = خواجه هرگه که فرصتے دیدے
[3] قمطره بکسر اول بمعنی شتر فربه وخریطه کتاب واینجا بمعنی ظرف قند که عبارت از لبهاے شیرین ست ۱۲
[4] مراد از پستان ۱۲

خواجه در پیشِ پیرزن ناچار — بیش کردی ازانچه بودے کار

روزی از خویش یافتش خشنود — آرزوئے که داشت بازنمود

پاسخش داد پیرزن که رواست — گل ز گلبانگِ بلبلاں بنواست

چوں تو با ما بمهر پیوندی — من پذیرم قیمت ِ[۱]فرزندی

دلِ مهماں بدیں حدیث نواخت — وانگهے برگِ میهمانی ساخت

بست کابین[۲] عروس را باشاه — کرد پیوندِ مشتری با ماه

چرخ چوں زلفِ شب فگند بدوش — ق — ماه گشت از ستاره زیورپوش

شه[۳] درآمد بخوابگاهِ عروس — که شود شادتا بهانگِ خروس

سیمبر بر سرِ پشمینه — مے زلب داد نارش[۴] از سینه

دست[۵] بر ناردان و سیبش داد — بلے و میوهٔ فریبش داد

خازنِ گنج چوں بر آں شد باز — که کند دست بر خزینه دراز

چاپلوسی بسے نمودش جفت — ق — بزبانِ شکر فشانش گفت

که من اینجا ز چشمِ مادرِ خویش — می نه بینم حجاب بسترِ خویش

کلبه تنگ و دو[۶]لتے به پهلویم — چوں بنزدِ همنشینی شویم

۱؎ بکسر باء موحده و یاء معروف زری که بهنگام نکاح ذمه شوهر مقرر کنند یعنی مهر ۱۲

۲؎ عروس را روز کتخدائی نوشه گویند ازیں رعایت پسر تاجر را شاه و شه گفته ۱۲ — ۳؎ جب = خواجه

۴؎ نارش مخفف انارش الف بضرورت شعر حذف گشته ۱۲

۵؎ دست بمعنی قدرت ۱۲ — ۶؎ جب = او

چوں ترا جفت گشتم از تقدیر — نایدا از خدمتِ تو ہیچ گزیر
روازیں تیرہ تنگنائے بروں — ماہ را بہرِ عقد جائے بروں
خانۂ گیر در دہِ دگرم — تا کشی بر مرادِ خود ببرم
خواجہ لعلش بدیں[۵۹] فریب بسفت — در برش کرد تا بروز و بخفت
روز کے چند خویش را زاں حور — گاہِ شہوت بحیلہ داشت صبور
زال را رفت روزئے اندر پیش — گفت دارم ہوائے خانۂ خویش
گر بر فتن دہی بسیم دستورے — زحمتِ خویش را دہم دورے
خیزم و راہِ خانہ پیش کنم — جفتِ خود ہم عنانِ خویش کنم
زال بگریست از غمِ فرزند — گفت دل چوں کشایم از دل بند
آنکہ[۶۰] شد جفتِ او بعقد جواز — جفتِ خود را کجا[۶۱] گذارد باز
گفت زینہار چوں نبودش سود — کرد ناچار ہر دو را پدرود
خاست در دم عروسِ فتنہ سگال — کرد گریاں وداعِ مادرِ زال
وانگہے گفت شوئے را نالاں — کہ خرک را بہ پشت نہ پالاں
سوئے خر شد جوانِ تیز آہنگ — کرد پالاں و برکشیدش تنگ
خواست تا دست سوئے دم یازد[۶۲] — پاردم[۶۳] را بدم در اندازد

۵۹ اے خواجہ بدیں فریب ہم بستر نشد و ازالہ بکارت نکرد ۱۲ ۶۰ حجب = زانکہ
۶۱ حجب = چرا ۶۲ یازد فعل مضارع از مصدر یازیدن بمعنی دست درازی کردن و بقصد کارے دست دراز کردن ۱۲ ۶۳ دمچی زیں اسپ و خر ۱۲

جفتہ[1] زد خر از کمیں ناگاہ — کہ بچشمش جہاں نمود سیاہ
لرزہ در[2] شخصِ نازنیں افتاد — شد بصحرا و در زمیں افتاد
چوں بہوش آمد از چناں خطرے — کرد ہر سو بتجربت نظرے
دید خود را بروے کہسارے — در بنِ[3] کوہ در تہش غارے
کوہِ گرم از بلندی آتش پاش — آسماں را بہ تیغ[4] کردہ خراش
باز ازاں حیرت او فتاد ز پاے — زندگی را نماند در وے جاے
بود فصلِ تموز و نیمۂ روز — جوش در مغزش او فتاد ز سوز
از بلندے کوہ کرد نگاہ — غرفۂ دید سر کشیدہ بماہ
رفت و آنجا رسید گرما گرم — سایۂ سرو دید و سبزۂ نرم
بر سرِ غرفہ شد کہ بیند چیست — صاحبِ غرفہ را بداند کیست
دید پیری لبانِ پارۂ نور — کردہ خود را از مردماں مستور
تیرِ بالاش چوں کماں شدہ کوز — بر کمانِ کہن برآمدہ توز[5]
چونکہ آوازِ پاے او بشنید — چشم پوشیدہ باز کرد و بدید
دید آزادۂ چو سروِ بلند — گل او زعفراں شدہ ز گزند
زو طلب کرد ماجراے نہفت — کہ گلت از کدام باغ شگفت

---

[1] جفتہ یعنی لگد ہندی پشتک ۱۲ [2] جب = بر [3] بُن تحجب ـ بیخ کوہ در تہش غارے
[4] تیغ کوہ قلہ کوہ را گویند ہندی چوٹی ۱۲ [5] توز بالضم بواو مجہول نام پوست درختیست کہ مثل نے بر کمان و زین بکار برند ہندی بھوج پتر گویند و در شرح خاقانی نوشتہ کہ قسمے از کتان ست ۱۲

خواجه از سرگذشتِ ناخوشِ خویش | کرد خالی دلِ مشوشِ خویش
پیر را کامد آن فسانه بگوش | زان تحیر شدش درونه بجوش
گفت کین خاک پُر ز دیو و پری ست | تشنهٔ خون آدمِ گذری ست
هر چه پیشِ تو باغ و ایوان بود | آن همه سیمیائے دیوان بود
وان عروس جوان و مادرِ پیر | غولِ دشتند و دیوِ مردم گیر
زندگانی هنوز بود بجائے | که بایں سو رہت نمود خدائے
ورنه جانت که[۱] انداز نقد[۲] و تاب | چون[۳] شدی در چنیں خرابه خراب
پس ازیں گر شوی ز بخت نژند | ق بگیاهے و میوهٔ خورسند
تا مراد تو ترا روان به تن ست | حالِ تو آن بود که حال من ست
ور دولت را برفتن ست نیاز | دل دلِ تست من ندارم باز
بوسه بر پائے پیر داد جوان | گفت کای از توام حیات و توان
من گم گشته ره کجا دانم | کز حضور تو رو بگردانم
زیں پس ار جائے باشدم برِ تو | سرم و آستانهٔ درِ تو
پیر گفتش که چوں نهادی دل | که کنی هم بکوئے ما منزل
تا ازیں بادیه بگام فراخ | نخرامی بهر طرف گستاخ
کیں طرف هر کجا کهُه و غارست | پر ز مرغان آدمی خوارست

---

[۱] جب = یقین که [۲] جب = بشدے [۳] جب = نادیه

چوں گہ طعمہ بال بکشایند — گور و آہو ز دشت برباید
گفت برنا کہ از تو نیست گزیر — گو بیا ہرچہ باشدم تقدیر
ہم بریں دل نہاد و کرد سکون — دیر دیر آمدی ز کلبہ بروں
روزے از دستِ غم شدہ بستوہ — گشت می کرد بر کرانۂ کوہ
سوئے او تاخت مرغِ مردم خوار — ناگہاں در ربودش از منقار
کوہ بر کوہ می پرید چو باد — تند می رفت از گزند آزاد
تا رسید از ہوا بغارِ تنگ — کرد در تنگنائے غار آہنگ
مرغ دیگر ز کوہ بروے تاخت — چنگل از خشم سوئے او انداخت
مرغ با مرغ جنگ در پیوست — درمیاں خواجہ از شکنجہ برست
کر۱؎ د در تنگنائے غار دوید — پیش پا مینگند و پس میدید
چوں دروں رفت تیر پر تابے — دید ہر سو ز روشنی تابے
رہ نہ تاریک بلکہ روشن بود — خاکِ رہ سبزہ زارِ گلشن بود
خاک۲؎ را می۳؎ نوشت میل بہ میل — گاہے آہستہ ؤ گہے تعجیل
تا پس از ہفتۂ دو بلکہ فزوں — آمد از تنگنائے غار بروں
دید در پیشِ غار صحرائے — لالہ ؤ گل دمیدہ ہر جائے
کشت بر کشت روضۂ چو بہشت — جوئے بر جوئے بر کنارۂ کشت

نب۱؎ = گرم — ۲؎ حجب = خاکِ رہ — ۳؎ طے می کرد ۱۲

بر سرِ سبزہائے مینا رنگ　　نائے گنجشک بود نغمۂ چنگ

خواجہ چوں یافت بوئے آبادی　　سینہ چوں گل شگفتش از شادی

پاسے در رہ نہاد و می شد راست　　تا بداند کہ ایں سواد کراست

ز اوّلِ چاشت بود در تگِ خویش　　تا درآمد سیاہیِ شب پیش

چوں پس[۵۱] افگند زاں زمیں بہرے　　دید جوشیدہ ز آدمی شہرے

سوئے دروازۂ حصار شتافت　　راہ زانبوہِ خلق خالی یافت

پیشِ دروازہ در رسید فراز　　تختۂ در ہماں زماں شد باز

سو بسو مردم ارچہ بود بسے　　پیشتر زو دروں نرفت کسے

لشکرے ماندہ بود چشم براہ　　در دویدند مہترانِ سپاہ

بوسہ بر دست و پائے دادندش　　تاجِ زرّیں بسر نہادندش

حلّہ بستند بر تنش ز قصب　　پیش بردند توسنے چو صبا

ہمچو شاہاں سوار کردندش　　گوہر و زر نثار کردندش

رفت زاں گونہ شاہِ نوشاداں　　تا کند قصرِ دولت آباداں

بہ بزرگی چو بر سریر نشست　　ہر بزرگے میاں بخدمت بست[۵۲]

خواند زاں مہتراں یکے را پیش　　داد بیروں خیالِ خاطرِ خویش

ایں چہ نیرنگ و سیمیا کاریست　　یا رب ایں خواب یا کہ بیداریست

۵۱۔ طے نمود ۱۲　　۵۲۔ حجب = بست

زانکه بر تختِ ملک بنشینم | خویش را نسبتی نمی‌بینم
این خیال از دلم بباید برد | ورنه من زین شگفت خواهم مرد
پاسخش داد مردِ کارشناس | گفت کز سینه دور دار هراس
کایزد از رحمت آفرید ترا | که بدین پایه برکشید ترا
آنکه تاج ز تخت بر سرِ اوست | هر کجا میرود برابر اوست
دولت از دولتی گذر نکند | سوی بیدولتان نظر نکند
زآهن آنان که مغفرِکان خارند | زر ستانند و سنگ بگذارند
گرچه بلّور روشن ست بتاب | کے نشینند بجائے دُرِّ خوشاب
آنچه پرسید شاهِ گیهانم | باز گویم چنانکه میدانم
هست رسمے بدین زمین مشهور | که رود چون چراغِ ملک ز نور
بر درِ شهر بامداد پگاه | حاضر آیند سرورانِ سپاه
هر که اوّل درآید از درِ شهر | یابد از تختِ پادشاهی بهر
ما چو از نقلِ پادشاهِ کهن | تازه کردیم رسمِ کهنهٔ خویش
پیشِ دروازه مردم از حد بیش | کس ز تو پیشتر نیامد پیش
لابد این ملک شد بتو تسلیم | دیر زی کانِ نشستِ این اقلیم
شاهِ نو زین حدیثِ شادی زای | در نگنجید در میانِ قبا ...

۱؎ یعنی صاحب اقبال ۱۲   ۲؎ جیب = درِ بے   ۳؎ کنایه از پدر شاه ...

بود چون آفتابِ نورانی　　تا گہِ شام در زرافشانی
چرخ چون پاره کرد چادرِ روز　　روی بنمود ماہِ چرخ افروز
در رسید از حرم وکیلِ سرای　　خاک بوسید و ایستاد زپای
خواند شہ را بمہمانیِ ناز　　شہ روان گشت سوی پردهٔ راز
خادم از پیشِ شمعِ زر بر دست　　شہ بدنبالِ او ز شادی مست
چون درون رفت بُتستانی دید　　پر مہ و زہره آسمانی دید
ماه رویان بہ ہر طرف جمعی　　آفتابی بہ پیشِ ہر شمعی
چون بدیدند روی فرخِ شاه　　لعل و یاقوت ریختند براه
روی تعظیم بر زمین سودند　　نطعِ گلگون بگل برآمودند
ہفت بت بود شاہِ پیشین را　　ہر یکی قبلہ ماه و پروین را
ہر شب آن را کہ نوبتی بودی　　شاه با او نشاط فرمودی
آنکہ زایشان بپایه والا بود　　دلفریبی کشیده بالا بود
آمد و دستِ شاه را بگرفت　　ماند شہ در جمالِ او بشگفت
رخ بزیبائی از گل افزون بود　　پای تا سر لباسِ گلگون بود
دستهٔ گل بدستِ شاه سپرد　　سوی خلوت سرای خویشش برد
ره نمودش نخست در حمام　　تا بمشک و گلاب شست اندام
پس لباسِ سزای تاجوران　　بلطافت سبک - بہ نرخ گران

پیش بردند تا کشید به بر — کرد زانجا بسوی بزمگاه گذر

ازبخور و گل و طعام و شراب — و آنچه دیگر نشاط را اسباب (ق)

همه در بزم گه مهیّا بود — وز بتان خانه چون ثریّا بود

شاه مشغولِ شادمانی گشت — مے بجامِ آبِ زندگانی گشت

بادهٔ تلخ و بوسهٔ چو شکر — نقل و بادامِ خشک و پستهٔ تر

نیمهٔ شب بدوستگانی رفت — نیمهٔ دیگر بکامرانی رفت

شاهِ انجم برسم هر روزه — چون درآمد به تختِ فیروزه

شه زخلوت به تخت بار آمد[۵۱] — در شهی چون شهان بکار آمد

تا بشب دادِ بادشاهی داد — هر چه خواهی بهر که خواهی[۵۲] داد

باز شه رفت در سرای حرم — جُست سروے ز بوستانِ ارم

ماهِ دوشیں که تا بنوبتِ روز — بے و میوه بود بزم افروز (ق)

نوبتے خود بدیگرے بسپرد — نوبتی آمد و ملک را برد

بر کفش داد دستهٔ زسمن — رونق انگیزِ صد هزار چمن

باز بندِ قبا کشودندش — سوئے گرمابه ره نمودندش

رفت و تن شست از گلابِ روان — رست در پیرهن چو سرو روان

---

[۵۱] شه زخلوت به تخت باز آمد — در شهی چون شهان بناز آمد

[۵۲] اے هر چیز که خواهش کنی و برائے هر که تجویز نمائی که این کس لایق آن چیز ست بهان کس همان چیز داد ۲

سوئے مجلس شتافت با دلِ شاد | باده می خورد با بتِ نوشاد
همه شب تا به بامداد پگاه | بود باہم قرانِ زہره و ماه
ہم بریں گونه شاهِ ہفت اورنگ | دیدشش باغ تازه زنگار رنگ
ہر بہارے[۱] که آمدے بنشست | دستهٔ دادے از گلیش بدست
چوں بہفتم فگند[۲] قرعهٔ فال | بود ماہے زاخترانِ وبال
کاردانِ حرم نمودش راز ق | که همه پرده ها چو کردی باز
زاں یکے پرده به که درگذری | تا نبینی ز چرخ پرده دری
کاں لعیں خسروے که مارا بود | راز ایں برو حجب[۳] آشکارا بود
کردے اندر نہاں شکرخندے | ویں فسانه بروں نیفگندے
سے نے بنوبت درا سرے آں ماه | سے نے نوبت بدو رسیدے شاه
شاه گفت ایں حدیث پنہانی | باز گو با من آنچه میدانی
خورد سوگند با وکیلِ سرائے | که من آگه نیم ازیں سر و پائے
زیں سخن بیش گشت رغبتِ مرد | رفت و آں گفته را بگوش نکرد
چوں دروں شد در آں ارم خانه | دید ارم خانهٔ جداگانه
صحنے دید آفتاب درفش[۴] | شقهٔ بر تن از حریر بنفش

---

۱ باعتبار حسن وجمال پری پیکران گل عذاراں را بہار گفته ۱۲ | ۲ جب = فتاد

۳ حجب = پرده | ۴ بمعنی روشن ۱۲

دستۂ از بنفشہ داشت بدست | شاہ را داد و کردش از بو مست
چشمِ شہ چوں بنازنیں افتاد | زاں عجب خواست بر زمیں افتاد
نیکواں گرچہ دیدہ بود بسے | زاں نکوتر ندیدہ بود کسے
دلش از عاشقی نماند صبور | زو چو پروانہ خویش را بر نور
ترکِ جادو گرِ فریب انگیز | گفت کآبے بزن بر آتشِ تیز
گردِ میدانِ بارگہہ برنشست | تنِ شاہانہ را بباید شست
تا نگرود چو گیرمت بکنار | نازک اندامِ من بگرد فگار
کہ مرا نام مردمِ دیدہ است | گرد بر دیدہ ناپسندیدہ است
شاہ گفتا کہ چوں بود ہیہات | تشنہ را صابری ز آبِ حیات
سیمبر گفت کز پئے دلِ شاہ | من بگرما بہ می شوم ہمراہ
تا ہما نجا برہنہ روے بروے | ہر دو با ہم شویم موے بموے
در زماں خاست شاہ زیں شادی | داد تن را ز کسوت آزادی
نازنیں را گرفت ساعد نرم | عزم گرما بہ کرد گرما گرم
نازنیں جامہ را[1] چو بیروں کرد | ہوش بینندہ را دگرگوں کرد
روبرو ہر دو چوں شدند بناز | ہر دو جعدِ فگن[2] دو والک باز
خواست شہ تا درو درآویزد | آب و آتش بہم بر آمیزد

---

[1] حجب = نیز جامہ   [2] حیلہ ساز و بیحیا و اینجا مراد از تسمہ بازی کہ قسمے از قمار ست ۱۲

صنمش گفت صحنِ[1] حلوا پیش | جز چشیدن نہ ماند دیگر بیش
بارِ اوّل ز بوسہ بستاں داد | پس تو دانی و گنجدانِ مراد
شہ دہن بر د سوے پستۂ[2] نوش | بوسہ داد و ز ذوق شد بیہوش
چوں ز خود زندہ شد بہ بیحالی | دید عفریت خانۂ خالی
ماند منزل تہی و ماہ شدہ | زیر و بالا ہمہ سیاہ شدہ
دستش اندر دہانِ خنداں ماند | باز و سے حسرتش بدنداں ماند
گشت ز اندوہِ سینہ سودائی | باز دیوانہ شد ز تنہائی
از بسے غم کہ اشک ریخت ازو[3] | دیو گرما بہ میگریخت ازو
از تحیر چناں شکست تنش | کہ سخن بستہ گشت در دہنش
خاست از جایگہ چو مدہوشاں | گشت میگرد سو بسو جوشاں
زیرِ ہر گنبدے دواں میرفت | زیں بروں آمد و دراں میرفت
ہمہ شب تا جہاں منوّر گشت | بود گنبد بگنبد اندر گشت
گنبدِ آسماں چو شد بے دود | گشت روشن جہانِ دودآلود
مرد رہ گم ز روشنائے نور | درِ گرما بہ را بدید از دور
رفت چوں پیش در ہماں دربود | کہ نخستش بگفتہ رہبر بود
بندگانش کہ درگہ و بیگاہ | بہ سر او بودہ اند چشم براہ

---

[1] طبق و طشت ۱۲   [2] حجب = چشمہ   [3] ح = بدو

چوں بدیدند روئے منعمِ خویش — در دویدند خواجہ را او پیش
ہر یک از بندگاں بآزادی — گریہ می کرد لیکن از شادی
بندہ وارش بپا در افتادند — بوسہ بر دست و پائے او دادند
او زبس بیخودی و بیہوشی — برلب افگند مہرِ خاموشی
پائے تا سر برہنہ بود تنش — پیش بردند از رہ پیرہنش
نستد آں جامہ زار زار گریست — و آگہی نہ کہ گریہ از پئے چیست
سوئے ماوائے خویش بردندش — ہر نمط جامہ پیش بردندش
زاں ہمہ جامہائے رنگا رنگ — کرد در جامۂ بنفش آہنگ
جامہ پوشید و برگ رفتن ساخت — رخت بربست و خانماں پرداخت
شہر بر شہر شد بخانۂ خویش — بیخود از خویش و زفسانۂ خویش
پدرش رفتہ بود و مادر نیز — وز پئے او گذاشتہ ہمہ چیز
چند گاہے بپردہ بود نہاں — واز ہمہ گفتگوئے بستہ دہاں
بعد وہ سال در خروش آمد — رازِ او خلق را بگوش آمد
کسوتش زاں پس از کلہ تا کفش — بود پیوستہ پرنیانِ بنفش
ہست رنگِ بنفشہ نادرہ وش — دیدہ را نغز و سینہ را دلکش
ترکِ زیبا کہ رو بود چو مہش — در حریرِ بنفش[۱] کن نگہش

---

۱ اے معشوق ماہرو را بلباس بنفش نگاہ کن کہ چوں زیبا آید ۱۲

باغ کو نقش کم ز دیبا نیست | بے خیالِ بنفشہ زیبا نیست
خندۂ برق با ہزار درفش | بیں کہ چوں خوش بود در ابرِ بنفش
چوں نگارِ بنفشہ زلف طراز ق | گفت ایں داستانِ عشرت و ناز
شہ چناں در برآوردیش تنگ | کہ گلش را بنفشہ کرد برنگ
رفت زاں سروِ سیم زلف بہ تاب | درمیانِ گل و بنفشہ بخواب

صندلی نہادن بہرام روزِ پنجشنبہ در بہشتِ ہفتم در گنبدِ صندلی و نخلِ صندل اندامِ عرب را چوں صندلِ تر بر سینہ مالیدن و جامۂ صندل فام پوشیدن

پنجشنبہ کہ صبحِ صندل سائے | صندل آلود چرخ را سر و پائے
روز سعد و زمانہ فرخ بود | نیتش ہم بمشتری مسعود
کرد بہرام با نشاطِ تمام | مشتری وار جامہ صندل فام
ساخت در برجِ صندلی خانہ | بست پیماں مے بہ پیمانہ
جلوہ گر شد بتِ عرابی زاد | بوسہ بر دست و پائے خسرو داد
شاہ بر روئے آں بہشتی ذات | نوش می کرد سلسبیلِ[۵] حیات

۵؎ نام نہریست در بہشت و اینجا مراد از شراب حیات پرور و مست افزا ۱۲

چوں ہوا در نوشت چادرِ نیل | سرمہ گوں شد زمانہ میل بمیل
داد بیروں برمزِ جادو بند | کہ پری روئے جادوئے پیوند
شب بافسانہ کند کوتاہ | خواند افسونِ چشم بندیِ شاہ
بہ تواضع نگارِ سیمیں ساق | بازمیں کرد جفتِ ابروطاق
گفت شاہا فلک سریرِ تو باد | دشمن آماجِ زخمِ تیرِ تو باد
ہمہ عمرت ز عید دلکش تر | روزت از روز و شب ز شب خوشتر
آنچہ در گوشِ چوں توئی سنجد | چوں منی را بہوش کے گنجد
لیک چوں ابر پارہ بارانی | پیشِ دریا کنم دُرافشانی
ریخت زیں ساں بسے چو دُرِّ یتیم | ق | گفت وقتے بروزگارِ قدیم

پیچیدنِ بہرام اژدہا وش در قامت چوں درختِ صندل و افسانہ گفتن آں شجرۂ معطرۂ نسیم

بود فرماں دہے بہ ملکِ یمن | کار فرمائے خسروانِ زمن
راستکارے چو صبح نورانی | راست گوے چو صبح نورانی
پسرے داشت ہوشمند و جواں | دل چو دریا و کف چو آبِ رواں
مردمِ چشمِ پادشاہیِ او | ملک روشن ز روشنائیِ او

---

(۱) حبیب = تازہ (۲) حجب = بروشنائی

در هنرهائے روزگار تمام | رام[1] او روزگار و رامش[2] نام
مادرش رفته بود در پرده[3] | پرده بر دیگرے رها کرده[4]
گشته در پردهٔ مادر و گرمش | جلوه گر در عماری پدرش
روزے از محرمے چو فرزندان | رفت در پردهٔ پدر خندان
دید بانوے شه به پردهٔ راز | در کنار وزیر خفته بناز
دود خشم از سرش بگردون رفت | دین نادیده کرد و بیرون رفت
آن خیانت گران پنهان خند | چون بدیدند رخنه در پیوند
از مے خورده[5] در خمار شدند | چاره را رهنمون کار شدند
گفت با بانوے ملک دستور | که پسر عاقل است و شاه غیور
تا نگردست چاشت شام کنیم | کار را پیش از[6] او تمام کنیم
چون شه آید ترش کن ابرو را | پس به تلخی[7] خراش کن رو را
چهره پر خون کن و دو دیده پر آب | گو جهان[8] را نگر که گشت خراب
پسر بد زند بما در چنگ | ز آسمان چون فرو نبارد سنگ
آن جگر گوشه را چنان نه خار | که شه از خون[9] خود شود بیزار
چون فسون خوانده فسون آموخت | شمع را کشت و شعله را افروخت

---

[1] یعنی مسخر و فرمان بردار ۱۲ [2] حجب = نامش رام [3] اے مرده بود ۱۲ [4] در مصرعه ثانی از پرده مراد پرده خلوت اے پدرش زن نو خواسته ۱۲ [5] مے خورده مراد از آن لطف مواصلت و عشرت گذشته و در خمار شدن مراد رنجش پیدا کردن ۱۲ [6] حب = ازاں [7] ج = به ناخن [8] ح = جهانے

رفت زانجا بسوئے مسندِ خاص | مخلصِ شاہ[۱] گشت بہرِ خلاص
ماہچو ابروئے خود سر افگندہ | وابرواں را گرہ بر افگندہ
شاہ گفت اے بکد خدائیٔ من | رونق انگیزِ بادشائیٔ من ق
درچنیں دولت و فراخی زیست | ایں ہمہ تنگئے دل از پئے چیست
جبہ را سود بر زمیں دستور | گفت کاے جبہۂ تو مطلعِ نور
تاجہاں ست بر جہاں سر باش | کار فرمائے ہفت کشور باش
منکہ چوں بندگانِ دولت خواہ | پرورش یافتم زنعمتِ شاہ
نمکت چوں نگیرد م گردن | کہ بدل دارم ایں جگر خوردن
کہ جگر گوشۂ تو بر خوانت | دست برد[۲] ہ سوئے نمکدانت
آنچہ درگوشم آمد از کم و بیش | من نمودم دگر تو دانی بیش
زاں نفس کاندراں چراغ اُفتاد | دودش از سینہ در دماغ اُفتاد
درحرم شد برخ زدہ چیں را | دید پژمردن سروِ سیمیں را
خونے از ہر مژہ رواں میریخت | آبِ نرگس بر ارغواں میریخت
مو پریشاں ورو خراشیدہ | سمن[۵۳] از برگِ گل تراشیدہ
قصہ پرسید شہ بغصہ و سوز | گفت با او فسونِ بد آموز
پارہ پارہ فسرود و خواند درست | آنچہ تعلیم کردہ بود نخست

---

[۱] جب = خاص [۲] جب = بازد ۵۳ ۔ اداز سمن رخسار سیمیں و از برگ گل ناخن انگشتہائے حنائی ۱۲

ملک آں ماجرائے ابلہ گیر — کرد باور چو ابلہاں بضمیر
مانَد حیراں کہ حیلہ چوں سازد — کز دل آں غصّہ را بپردازد
گفت گر تیغ برکشم ز نیام — بقصاصِ پسر شوم بدنام
دگر ایں غم فرو خورم در دل — در گدازآردم چو نم در گل
چوں دلش تنگ شد ز غصّۂ خویش — ہم بدستور گفت قصّۂ خویش
خواجہ کاں سوزناکی از وے بود — بدمیدن زیادہ کردش دود
تا رضا داد شاہِ آزادہ — کہ مسافر شود ملک زادہ
سوئے وے با ہزار مخموری — رفت دستور برد دستوری
کرد روشن جوانِ روشن رائے — کز کجا گشت فتنہ بال کشائے
آں[1] بر آں گفتہ ہیچ در نفزود — در جہاں سر زد و رواں شد زود
کوہ می سود و دشت می مالید — در کُہ و دشت زار می نالید
قطع شد چوں حوالیٔ شاہش — سہ مہندس شدند ہمراہش
ہمرہاں را باتفاقِ ضمیر — درہم آمیختہ چو شکّر و شیر
یکد گر گشتہ ہمدمِ جانی — ہم در آباد و ہم بہ ویرانی
ہر یکے گنج خانۂ ہنرے — ہیچکس را نہ زاں ہنر خبرے
تا یکے روز با فراغِ تمام — خلوتے بود شاں بہ نقل و بجام

---

[1] حب = او

بادہ در سینہ ہا بکاوش بود — راز با بادہ در تراوش بود
رام نیز از جراحتِ دلِ ریش — می ترا وید حالِ مشکلِ خویش
دوستاں کاں حدیث بشنیدند — یارۂ دوست مصلحت دیدند
گفت یک شخص زانچہ[1] من دانم — سرمہ در دو چشمت افشانم
گرچہ خلقے بہم نشینندت — ہمہ رابینی و نہ بینندت
سرمہ چوں در حجابِ دادت جاے — ہر کجا ہست بیحجاب درآئے
با بد اندیشِ خود تباہی کن — ہر چہ خواہی بہ ہر کہ خواہی کن
چشم زاں سرمہ چوں سیہ داری — گریہ و دود را نگہ داری
رام گفتش کہ اے پسندیدہ — بدہ آں سرمہ گفت کز دیدہ[2]
مردِ بینا کشاد حقۂ نور — سرمہ در چشم کرد و شد مستور
سرمہ را شست و باز پیدا گشت — ہر کہ نظارہ کرد شیدا گشت
رام را سرمہ داں بہ پیش نہاد — منتش بر دو چشمِ خویش نہاد
دو دلی گفت من زراہِ صواب — دانم افسونِ چشم بندیِ خواب
زاں فسوں ہر کرا بخسپانم — بر نہ خیزد مگر بہ فرمانم
گر بیاموزی[3] آں فسوں خوانی — آں کنی بر عدو کہ بتوانی
رام گفتش کہ ہر چہ گوید مرد — گفتۂ خود تمام باید کرد

---

[1] ج ب = کانچہ
[2] اے بسر و چشم لطف لفظ دیدہ بر ارباب ذوق سلیم مخفی نیست ۱۲
[3] ح = بیاموزم

کاروان رقیه هم چنان برخواند | که در افتاد رام و خفته بماند

چون شد آن خوابش از دماغ برون | پیش دانا درست کرد افسون

سیومین گفت کآنچه من دارم | بر تو ناید من ارچه بسپارم

بر تو[51] بنمایم آن فسانۂ کار | تو خود آنجا برو بپاؤ بیار

در حدِ مصر خانه ایست ز سنگ | کرده در روے نگارش از نیرنگ

نقشِ هر جانور که گیری[52] نام | در روے از تیشه کرده اند تمام

جادوے کاوّل آن رقم دادش | در زمانے نهاد بنیادش

که شگفتی ز رازهائے جهان | کرده در زیرِ هر خیال نهان

هر که خواهد که از کفایت و راے | گرد آن پرده را طلسم کشاے

چشم بر پیکرے نهد یک سال | تا بجنبیدن آید آن تمثال

نقشِ سنگیں چو جلوه در گیرد | پیکرش را نمونه برگیرد[53]

چون نشاند نمونه را بر موم | راز[54] آن خانه خود شود معلوم

گرت آن[55] سکّه هم نفس باشد | در همه کارهات بس باشد

رام زان ماجرا که دانا گفت | آنچنان شد که تا بروز نخفت

صبحدم چون ز گنبدِ بے سنگ | جلوه گر گشت پیکرِ ارژنگ

---

۵۱ نجحب = لیک بنمایمت نشانہ کار ۵۲ حب = دارد ۵۳ اے ہرگاہ نقش سنگیں در جنبش آید نقش آں تصویر بر موم برگیرد ۱۲ ۵۴ ج = راز خود را ازاں کند معلوم

۵۵ اے اگر آں نقش کہ بر موم گرفتہ ہمراہ باشد ہمہ کارہاے ترا ہماں یک نقش کافی بود ۱۲

مردِ جوینده راه پیش گرفت — ره سوئے آرزوئے خویش گرفت
جان ز رنج ارچه می بیازردش — دل گریبان گرفته می بردش
گام میزد به شهر و ویرانه — تا رسید اندر آن صنم خانه
چون بهر پیکرے فگند نظر — دید عفریت پیکرے منکر[۱]
نظر از وہم بر گماشت برو — تا بہ یک سال چشم داشت برو
چون نجنبید آن نمونۂ چیست — گرمش از موم بر کشید درست
چون برون آمد از درونِ سرائے — دید آہرمنے ستادہ بپائے
گشت لرزان ز ہول درونۂ رام — کرد پرسش کہ کیستی و کدام
گفت آنم من ار کنی معلوم — کہ ز سنگم نشاندۂ بر موم
رازِ من گر ترا نہ معلوم ست — کوہِ سنگیں ز دستِ من موم ست
ہر چہ دشوار تر ہمیدانی — حکم کن تا کنم بآسانی
ہر چہ کم گنجد اندر اندیشہ — نزدِ من ہست کمتریں پیشہ
حاضرم با چنیں توانائی — تا کنم پیشت آنچہ فرمائی
رام گفت ایں زماں ہمی خواہم — کہ بشہرِ پدر بود راہم
دیو گفتش کہ چشم بر ہم پوش — چون بپوشید بر نشاند بدوش
گفت بکشائے۔ چون کشاد نظر — دید خود را درونِ شہرِ پدر

---

[۱] سہمگیں ذرشت ۱۲

شب نہاں شد بکنجِ پیرزنے — زالے درستمے واہرمنے

چوں سیاہی شد از سپیدی دور — روز بکشاد روزنامۂ نور

شد بدیوان وزیرِ کار آگاہ — کامراں گشتہ در ممالکِ شاہ

رام در چشم کرد سرمۂ ریو — شد بدیواں ہم عنانی دیو

کرد اشارت بدیو تا برخاست — دست را کرد بہر سیلی راست

زد قفائے بخواجۂ دیواں — کہ بلرزید زاں طراق ایواں

کارداراں ز جائے بر جستند — سرّ آں حال را ہمی جستند

اندریں گفتگوئے بُد ہر کس — کاہرمن باز در دوید ز پس

زد چناں سیلیٔ دگر ناگاہ — کز سرِ خواجہ در فتاد کلاہ

چوں[۵۱] ہمی خواست آں کلہ کف کرد — تا ستاند قفائے دیگر خورد

حیرتے در نہادِ خلق افتاد — دوست آزردہ گشت و دشمن شاد

مردماں از خجالتِ دستور[۵۲] — دور گشتند یک بیک ز حضور

ایں[۵۳] ز سودائے سیلیش خنداں — واں[۵۴] دگر پشتِ دست در دنداں

خواجہ جست از خجالت سیلی — با رخِ زرد و گردنِ نیلی

رفت در خانہ ہمچو تنگ دلاں — رخ ز مردم نہفت چوں خجلاں

---

۵۱ ن = کلہ گرد خوردہ راز آں گرد

۵۲ وزیر ۱۲

۵۳ اشارہ ایں بسوئے دشمن وزیر ۱۲

۵۴ اشارہ آں بسوئے دوست وزیر ۱۲

چوں قفا کرد بہر بالیں ساز | دیوش اندر قفا درآمد باز
بازش از ضربتِ قفا خوردن | در طراق طراق شد گردن
تا شب و روز بے امیدِ خلاص | سیلئے چند شد وظیفۂ خاص
رازِ پنہاں بکوی و راہ رسید | قصہ در گوشِ بادشاہ رسید
شہ عجب ماند کیں چہ شاید بود | کآں تنش نبود و برآید دود
دست بے ‌و قفا شود سوراخ | نبود دیو ایں چنیں گستاخ
داد فرماں کہ ہر کجا کس ست | ق کس بہ نیرنگِ تا(؟)ہا ہوس ست
ہمہ حاضر شوند پیشِ سریر | تا پژوہش کنند رازِ وزیر
ایں خبر گشت در ولایت فاش | گفتگوے فتاد در او باش
ہر کجا بود دیو بندے چست | کرد دیباچہ‌ئے فتنہ درست
آمد و کرد کاردانیِ خویش | داد بیروں دمِ نہانیِ خویش
ہیچ ممکن نشد کزآں حسانہ | دیو بیروں شود چو بیگانہ
چوں بکارش زبوں شدند ہمہ | بخجالت بروں شدند ہمہ
بہرِ کردن وزیر را چارہ | دیو گِردن زنش بنظّارہ
دید چوں کاردانی ہمہ خام | آمد و گفت قصہ را با رام
رام چوں دید حالِ خواجہ چناں | کرد بر خود لباسِ پیر زناں

---

۵۱ اے عمل جن و پری و ساحری میداند ۱۲ | ۵۲ مصرعۂ ثانی صفت دیو بند واقع شدہ ۱۲

صندل آلود روی و برقع بست　　وز شناسندگانِ صورت رست

فرصتے جست و رفت پیشِ وزیر　　گفت بشنو حدیثِ مادرِ پیر

من ہم از دانش ایں قدر دانم　　کز تو ایں فتنہ را بگردانم

لیکن آنگہ بود امیدِ فراغ　　کہ تواں کرد برسرینِ تو داغ

گفت با او بعاجزی دستور　　کانچہ خواہی کن ار بود مستور

رام گفت آنچہ زالِ ۱؎ شوی بکراں　　من نہ گویم تو دانی و دگراں

کرد دستور خانہ را خالی　　پیشِ او چارپاے شد حالی

رام چوں زن اوستادیِ فنِ خویش　　دید زاں گونہ حالِ دشمنِ خویش

برسرین داغہا نہادش گرم　　زیرِ لب می نمود خندۂ نرم

سوخت چوں خواجہ را بطنازی　　دیو را بازداشت زاں بازی

بس نبود آنکہ شد قفایش لعل　　جفتہ را ہم در آتش آمد نعل

خواجہ بنشست با ہزار خوشی　　از قفاروی وز سرین حبشی

گنجے اندر کنارِ رام افگند　　چند گہہ یافت ایمنے ز گزند

رام را مادرِ زبانی خواند　　بہتر از مادرانِ جانی خواند

محرمِ پردۂ نہانش کرد　　کار فرماے خان و مانش کرد

۱؎ رام کہ در پیکر زال بودہ لقب مادر پیر اختیار کردہ بود بوزیر گفت من آں چناں عمل خواہم نمود کہ از یں مصیبت عظمیٰ برکراں
اشارہ بہ ستگار ...

او بغارت شد اندر آن بستان — مگسی در میانِ خوزستان[1]
خانه پر ز صد هزار پری — هر یکی چون ستارهٔ سحری
چون جهان سرمه گون شدی هر شام — سرمهٔ خود بچشم کردی رام
برنشستی بدیو دیوانه — وآمدی سوی آن پری خانه
هر کرا خاص کرده بودی روز — شب شدی بر مرادِ خود فیروز
آنکه بر وی گذشتی آن بازی — بسته گشتی لبش بغمازی
نتوانستی آن حکایت گفت — که درش را درونِ پرده که سفت
کردی اندیشه ز هر بابی — که خیالیست این و یا خوابی
دزد گر کیسه را نگیرد — خواجه چون ننگرد که را گیرد
جا بجا کار نامهٔ شبِ دوش — لب به لب میرسید و گوش به گوش
تا چو شد پاره پرنیانِ[2] همه — سخن افتاد در میانِ همه
پیش کز حجهاے[3] بی سر و پاے — ق — فتنه زائیده اندرونِ سراے
دختران تن به تیغ در دادند — خواجهٔ خانه را خبر دادند
کآفتی شد درین سرا پیدا — تیر پیدا و شست ناپیدا
تا رفتست کار و بار از دست — چاره کن که رفت کار از دست

---

[1] نام ولایت که شکر آنجا در عمدگی مشهور است بعض بمعنی جاے طعام نیز گفته اند ۱۲

[2] مراد از بکارت ۱۲ [3] حج = حیله هاے

خواجه را باز خوں بجوش آمد — جانش از سینه در خروش آمد
گفت با خود که یارب ایں چه بلاست — میهماں نے و خانه پر ز صدا[۱] است
بسکه عاجز شد اندر آں تدبیر — خواست[۲] بازیگری زما درپیر
پاسخش داد رام زیرِ نقاب — کاں خیال ست میرسد در خواب
گرچه نامش بدیو افتاد ست — لیک دانم که آدمی زاد ست
دیده را دیو سرمه کرده است — کز نظرہاے خلق در پرده است
گفته باید که تا ببامِ زمیں — پیشِ هر حجرهٔ کنند کمیں
میهماں چوں دروں خرامد زود — میزباں پیش در برآرد دود
دود چوں سرمه را بشوید پاک — سرمه کش را نقاب گردد چاک
ور ازیں چاره هم عنبر بو کنیم — دیو باشد فسونِ دیو کنیم
لیک باید که خواجه ناید پیش — تا نه بیند دگر قفارا ریش
من هم امشب بکنجِ خانه دروں — دفع ایں فتنه را کنم[۳] بفسوں
ایں سخن گفت و رفت در خانه — گشت پنهاں بکنجِ کاشانه
شب چو پر دود شد سپهر کبود — دیده تر گشت ماه را زاں دود
رام در چشم کرد سرمهٔ راز — اهرمن را فگند در پرواز
رفت در کاخِ دخترِ دستور — گنج پیدا و نقب زن مستور

۱۔ ج = ملا　　۲۔ ج = خواست یاری گرے زما درپیر　　۳۔ حجب = شوم

دود برکرد ماهِ آتش روے   شد کمینها کشان سوے بسوے
سرمهٔ چوں شسته شد ز دیدِ رام   گشت پیدا رخِ چو ماهِ تمام
هرکه آں روے چوں پری میدید   چوں پری دیدگاں همی لرزید
هم دروں ترس شدند با همه بیم   سخت بستند دستهاے چو سیم
مژده بردند سوے خواجه شتاب   خواجه نیز اُوفتاد در تگ و تاب
خواست تا سر بروں کند ز رواق   کز قفایش بیام رفت طراق
هم چو دزداں گریز کرد ز پیش   وز قفا گشت دزدِ گردنِ خویش
گفت تا خونش برزمیں ریزند   خاک با خونِ او در آمیزند
در دویدند خونیاں بستیز   از پےِ خوں کشیده خنجرِ تیز
چوں چناں دید زاد[1] سروِ جواں   رقیهٔ خواب در دمید چناں
آنکه چوں ابلهاں برآشفتند   ابلهی بیں که در زماں خفتند
رام بکشاد بندِ خویش ز دست   همه بندندگانِ خود را بست
هرکه آمد به بند کردنِ او   بندِ او شد دوالِ گردنِ او
وانگهے دست را باستره برد   سبلت و ریش جمله پاک سترد
زاں ظرافت که موی در مو داشت   موی از جا یکی فرو نگذاشت
چوں سزا کرد شاں ظریفانه   به طریقے گریخت در خانه

---

[1] زاد مخفف آزاد یا بمعنی پیدایش ١٢

آسمان چون سترد طرّهٔ تار — خنده بکشود صبحِ سیم عذار
شد دگربار رام برقع پوش — رفت در پرسشِ حکایتِ دوش
چون درآمد به پیش گاهِ وزیر — دید یک خانه پُر ز امردِ[١] پیر
همه را دود[٢] رفته هیچ نمانده — ریش گم گشته و زنخ مانده
پردهٔ هر یکی چو غنچه درید — خود چو گل زیرِ پرده می خندید
باز پرسید خواجه راز آن راز — بر نیامد رمیده را آواز
بفریبش گشاده کرد نفس — گفت کاندیشه نیست زین پس
سرّ این فتنه خواندم از تمیز — کارِ دیو است و دیو مردم نیز
بندم آن دیو را چنان بفسون — که نیاید دگر بخانه درون
خواجه دل شاد شد ز شادی او — کآگهی داشت ز اوستادی او
چند گه بود از گزند آزاد — بخوشی دادِ خوشدلی میداد
چون دلش گشت زان بلا بی بیم — تازه شد بازش آرزوی قدیم
خواست از نعمتِ ملک توشه — حقِ نعمت نهاد در گوشه
رام چون دید کو نهان کردست — دز جوانانِ ناجوان مردست
در سرِ پردهٔ ملک به درست — خیره تر شد از آنچه بود نخست

---

١ ریش و بروت همه هاکه چون پاک سترده بود لهذا امرد پیر گفته ١٢

٢ دود عبارت از ریش و بروت و زنخ از سپیدی چهره ١٢

در شبے کو بید سگالی بود ق خواجہ مہمان خانہ خالی بود
رفت ہم بر ستارِ پشینہ ہمچو گرگے بصید میشینہ
در مقامے کہ دخترِ دستور بود در خوابگاہِ خود مستور
برگرفتش بہ پشتِ دیو نہاد چوں سگِ کش زجار باید باد
خواندہ بودش فسونِ خواب بہ پیش کہ بہ بردن خبر نہ داشت زخویش
در نہاں خانۂ کہ بودے رام بود بر رفتہ[۱] منظرے ز رخام
نشدی مرغ را خرام برو رام بودی و دیو رام برو
دختِ دستور را در آنجا برد زہرہ را ببرجِ جوزا برد
دخترِ نازنیں چو گل بہ بہار خوبرو ہمچو صد ہزار نگار
غمزہ را تیغِ کافری داده ناز را شغلِ دلبری داده
زلفش انگندہ عالمے در تاب نرگسِ مست در کرشمۂ خواب
خانہ ویران کنِ ہزاراں دل گبر زنار بند و سبحہ گسل
چوں در آمد ز خواب چشم کشاد سو بسو از کرشمہ چشم نہاد
دید جائے کہ ہیچ گاہ ندید رہ بجائے کہ ہیچ راہ ندید
غرفۂ بر سرِ کنگرِ ماہ کردہ رہ سوئے آسمانِ سیاہ
رام را دید خانۂ معمور آفتابے ببرجِ خانۂ نور

---

[۱] بر رفتہ بمعنی بلند ۱۲

زاں تحیّر ہراسِ جانش بود | بود بیخویش جائے آنش بود
دید چوں میزبانِ شعبدہ باز | ق میہماں رازِ بے خودی بگداز
زمزمش بدلنوازی گفت | کای شدہ جفتِ تو منِ بے جفت
منکہ پیشِ تو دیو کردارم | آدمی ام نہ آدمی خوارم
دل ہراساں مکن بوہم و قیاس | آدمی را ز آدمی چہ ہراس
میہماں شو دمے بخانۂ من | تا شوی آگہ از فسانۂ من
نازنیں کاں شکرفشانی دید | شربتے ز آبِ زندگانی دید
حیرتِ جاں بروں شدش ز ضمیر | حسرتِ دل[1] شدش گریباں گیر
گشت بر روے رام عاشقِ زار | دلش از دست رفت و دست از کار
رام نیز از نکوئیٔ دلِ دوست | بانکوروی دوست شد در پوست
چوں دو دل را یکے شد اندیشہ | جوشش برزد تنِ ہوس پیشہ
رام کاوّل شد آں صنم را جفت | گوہرِ سفتہ بارِ دیگر سفت
دلِ شاں چوں فراغ یافت ز کام | ق رام را گفت سروِ سیم اندام
کاے گرامی جوانِ زیبا روی | ایں چہ جای است کیستی تو بگوی
من کہ ناسفتہ بود گوہرِ من | رخنہ کردی بلولوئے ترِ من
ویں زمانم ز پردہ کردی دُور | باز در پردہ چوں شوم مستور

---

[1] اے در دل حسرت وصال رام پیدا شد ١٢

صبحدم چوں بپردہ جویندم — گرنہ بینندپس چہ گویندم
مردنِ آدمی بنا کامی — بہتر از زیستن بہ بدنامی
رام گفتش کہ دل مار غمیں — کہ منم شہریارِ روے زمیں
دارم اندیشۂ بکارِ جہاں — کایں چنیں گشتہ ام بپردہ نہاں
چوں برافشد نقابِ امیدم — ہم تو روشن کنی کہ خورشیدم
لیک سوگند می خورم بخداے — ق آنکہ ہستی بامرِ اوست بپاے
کہ چو خسپم بجاے بالشِ خویش — جز تو ناسنجوابہ بجویم پیش
زاں وثیقت عروسِ ترساخوی — کرد اندیشہ از دل یک سوی
ہمہ شب بانشاط و شادی بود — با قبادی وکیقبادی[1] بود
صبح چوں رُخ زپردہ بیروں کرد — پردۂ چرخ را پر از خوں کرد
رام بربست ماہ را در برج — خود بروں شد ز درچو لعل ز درج
صندل آلود روو بست نقاب — در زماں پیشِ خواجہ شد بشتاب
خواجہ باز از درونہ نگراں — نعرہ زد چو سوختہ جگراں
کہ بجاں آمدم ز غمخواری — میرمِ[2] ار مردنم روا داری
جگرم گشت دیو را توشہ — چوں تواں زیست بے جگر گوشہ
دیدہ بے مردم ایں چہ بینائی ست — خانہ بے پردہ ایں چہ سوائی ست

[1] اے با عشرتِ شاہانہ شب بسر برد ۱۲

[2] حجب = مردم

مردمی کن کہ من بچشمِ نیاز | مردمِ چشمِ خویش بینم باز
مادرِ پیر گفت ول خوش دار | سینہ ز اندیشہ ناخوش دار
امشب از جست وجوے مادرِ خویش | باز بینی جمالِ دخترِ خویش
خواجہ از استوارئِ کارش | خاطر آسودہ شد ز گفتارش
شبِ چو شد جامِ مہ شراب[1] آلود ق | چشمِ خورشید گشت خواب آلود
رام در خواب کرد چشمِ عروس | خانہ بر دش بگاہِ بانگِ خروس
مردمِ دیدہ را چو دید پدر | جائے کردش درونِ دیدۂ تر
چند گہ چوں شد از گزند آزاد | باز نو کرد فتنہ را بنیاد
رام گفتا کہ رنجِ من چو از وست | کینش از دیگراں کشم نہ نکوست
بعد ازیں کارِ او ز سر گیرم | پردہ از روے کار بر گیرم
جست دعوی گری مخالف خوی | زیرک و سخت خشم و حجت جوی
داد بیروں بخشم و کینۂ خویش | داغِ دستورِ سوزِ سینۂ خویش
گفت زیں داغہاے دود اندود | خواجہ را داغِ بندگی نہ زدود
شعلہ چوں بر زند ز خامۂ او | داغِ او بس خطِ غلامیِ او
داغِ او از سریں چو بر خوانی | داغدار ت شود بہ پیشانی
گر بکوشش زنی دریں رہ گام | ہر چہ او دارد آنِ تست تمام

---

[1] شراب مراد از روشنی ماہ ۱۲

مرد روزی طلب ز شادی مال | رفت در پیش پادشا درحال
چنگ در زد بدامن دستور | گفت کز من مشو چنیں مستور
چوں غلام منی و حلقه بگوش | خواجه بشناس و خواجگی مفروش
قیمت خود بدامنم رد کن | خواجه را نیز بندهٔ خود کن
کارداران شاه راد[۱] پرست | به پژوهش زدند بروی دست
کانچه ملکیتش روا دارے | ملک تو باشد ار گوا دارے
مرد حاضر جواب گفت که من | شیرخواره خریدمش به ثمن
پرورش کردمش چو فرزنداں | تاش نوروز[۲] عمر شد خنداں
چوں جواں گشت و خویش را بشناخت | با دغا پیشگاں دغا می باخت
کار ایں کز فراخ مزدی بود | حقه[۳] بازی و مهره دزدی بود
چوں بهر جا گرفتمش خفته | کردمش داغ جفته[۴] بر جفته
گر فتد بر گوا حوالهٔ من | داغ او بس بود قبالهٔ من
خلق زاں خارخار[۵] بے آزرم | سر فگندند چوں بنفشه ز شرم
خواجه چوں دید کش بپیرهٔ راز | نامه باز ست و حرفها[۶] غماز
بنده گشتش ز راه دانائی | معترف شد بوهم[۷] رسوائی

---

۱ راد بمعنی سخی و شجاع ۱۲
۲ اے تا آنکه عمرش بحد بلوغ رسید و نشاط انگیز شد ۱۲
۳ اے قمار و غیره مباخت ۱۲
۴ جفته بمعنی سرین ۱۲
۵ خصومت بے صلح ۱۲
۶ مراد از حرفها داغهائے سرین ۱۲
۷ ک حجب = بوهم

درمیان آمدند مردے چند — کاروانانِ مصلحت پیوند
صلح کردند با توسطِ حال — قیمتِ خواجہ را بہ مبلغ و مال
خواجۂ خواجہ ہم بدان خوشنودی — گشت زانجا رواں بخشنودی
چندگہہ رفت و باز خواجۂ خس[۵] — کام دل را بسر فگند ہوس
رفت چوں بادہ بادہ کش می بود — درحرم با حرام خوش می بود
رام گفتا کہ چند کوشیدم — کانچہ پوشیدنی ست پوشیدم
لیک چوں خواجۂ مخالف و شوم — ق کوز شہوت شدہ است نامعصوم
گشت لابد فضیحہ بر جانم — کاں کنم بر سرش کہ بتوانم
چشم میداشت ہم بریں تدبیر — تا برآماج گہہ رساند تیر
تا یکے روز بود ہم درپے — خواجہ با غمگسار و شہ درمے
شحنہ در کوے می شمرد خراج — وزدمی کرد قلعہ را تاراج
فرصتے یافت رامِ فرصت خواہ — برقع افگند و شد بخدمتِ شاہ
پیش ازاں خود ببازئی[۶] دستور — شاہ را گشتہ بود خاص حضور
بارہا در شدی بمجلسِ خاص — گہہ نوازن شدی و گہہ رقاص
گاہ کردے بغمزہ عربدۂ — گہہ نمودے بپردہ شعبدۂ
چوں درآں روز ہم بہ بہروزی — کرد ہر گونہ مجلس افروزی

۵ے خس بمعنی کمینہ ۱۲ — ۶ے حجب = زیاری

گفت شاہا بہ بیں کہ من بفسوں — بازئ میکنم ز پردہ بروں
در فسوں شد عجوزِ شعبدہ باز — دادِ افسونِ خواب را پرداز
تا بخلوت سرائے عیش و سرور — بانوئ شہ بخفت با دستور
پس اشارت بسوئے دیو نمود — کہ بر آں خفتگاں دوید چو دود
خواب شاں خود ربودہ بود چو بخت — دیو ہم در ربودشاں با تخت
پس بہ پیشِ ملک برابر داشت — رام زانجا حرارہ[۱] بر داشت
چوں نگہ کرد شہ چہ بیند باز — حرمش با وزیر خفتہ بناز
از نوائے ترے ترانہ زناں — ہر دو برخاستند نازکناں
چوں کشادند چشمِ بستہ ز خواب — شاہ دیدند و بزمگاہِ شراب
محرماں سر بجیب فرو بردند — مجرماں خود ز خیرگی مردند
شاہ در خشم شد ز مادرِ پیر — گفت کای زرق سازِ پُر تزویر
گر تو در پردہ بازئے بازی — لعبت از پردہ ہائے من سازی
بر تو گر آشکار شد کارے — در نہاں باز گو مرا بارے
نہ چناں کز گزافِ خود رائی — اینچنینم کشی بہ رسوائی
آں کنم بر سرت بپردۂ راز — کت بگرید سپہرِ لعبت باز
رو کنوں تا زکار سازئ خویش — باز مانی ز خواب بازئ خویش

۱؎ حرارہ بمعنی نعرہ و آواز ۱۲

این سخن گفت و کرد اشارت تیغ — تیغ زن تند در رسید چو میغ

چون چنان دید رام برقع بند — برگرفت از قمر نقاب پرند

شه چو چشم اندران جمال انداخت — صندل آلوده بود رخ نشناخت

قدرے آب جست و رخ را جست[1] — تا پدر روشناختش بدرست

نعرهٔ زد چو سوخته جگران — گریه افتاد نیز در دگران

رام برخاست با دو دیدهٔ تر — رفت غلطان بزیرِ پائے پدر

پدرش گرم در کنار گرفت — فرقش از دیده در نثار گرفت

آنکه هجرانِ شان زهم بگسست — هر دو خون گرم بود در پیوست

تا بدیرے بهم در افتادند — بوسه[2] بر دست و پائے میدادند

چون دو دل را به بهترین بختے — داغ شد دادِ آرزو لختے

ماجرائے که بود در دلِ رام — اندک اندک فرو خواند تمام

آن نمادر وبال دیدنِ خویش — وان به تهمت سفر گزیدنِ خویش

قصهٔ کحل و چشم بندیِ خواب — بازیِ دیو آدمی به نقاب

وان بشهر اندر آمدن مستور — حمله بردن بسیلیٔ دستور

وان بداغِ سرین گداختنش — پس بدان داغ بنده ساختنش

سرگذشتے که داشت چون همه گفت — شه ز شادی چو برگِ گل بشگفت

---

[1] حجب ـ شست   [2] حجب ـ بوسه بر روئے یک دگر دادند

آں دو نوخفتہ را بکینِ کہن | ہم بدو داد کانچہ دانی کن
رام زانجا کہ بود با آزرم | بود بر سر فگندہ دامنِ شرم
داد شاں توشۂ فراخورِ خویش | پس بروں کردشاں ز کشورِ خویش
وز جہت خواجہ را نشاندہ بمہد | بر دو آمد بروں ز عہدۂ عہد
شاہ نیزش چو دید کار آگاہ | بولی عہدیش نشاند[1] نگاہ
رام بہ نشست بر سریرِ بلند | کارہا را بنائے تازہ فگند
بود صندل چو سرّ اسرارش | صندلی شد نمونۂ کارش
تختِ والا ز چوبِ صندل ساخت | کرسیش نیز صندلی پرداخت
داشت زاں پس ہمہ بہ صلح و جنگ | علم و چتر و جامہ صندل رنگ
رنگِ صندل لطیف تر باشد | تریش دفعِ دردِ سر باشد
زآبِ صندل بتاں کہ رخ شویند | زو طراوت برنگ و بو[2] جویند
رنگِ خوباں خوش ست صندل فام | خوش بود سروِ صندلیں اندام
چوں زلب ریخت سروِ صندل سود ق | شربتِ صندل و گوارشِ عود
شاہ سینہ بسینہ کردش جفت | صندل آلود سینہ را و بخفت

معطر کردنِ بہرام روزِ آدینہ بہشتِ ہشتم را و در گنبدِ کافوری

---

۱ جب = نہادہ کلاہ   ۲ ج = برنگ ورد

با بزم آرای خوارزمی لباسِ خیر الثیابِ الابیض پوشیدن

روزِ آدینہ کز خزانۂ نور | سر بروں زد شمامۂ کافور
کرد بہرام با ہزار امید | جامہ کافور فام چوں ناہید[۵]
لب پُر از خندہ چوں گلِ سوری | شد بگنبد سرائے کافوری
بہ لطافت نگارِ خوارزمے | کرد ترتیب رونقِ بزمے
خدمتِ خاص رامیاں بربست | ہمچو ہندوئے آفتاب پرست
از لب جام و جام لب بر پے | گاہ مے داد گہ گوارشِ مے
شاہ با آں بہارِ دیدہ فروز | بادہ می خورد تا باخرِ روز
شب چو خورشید بست پردۂ تار | شد فلک پر ز صد ہزار نگار
رونقِ عیش بے مدارا کرد | رغبتِ ہر شب آشکارا کرد
گفت با آفتابِ سیمبراں | تا سگالد فسانہ چوں دگراں
نازنیں چشمہائے خواب آلود | در کفِ پائے شاہِ عالم سود
گفت کای خسروِ زمین و زماں | زیرِ فرمانِ تو ہمین و ہماں
تا سپہرِ بلند برپاے است | ق | نورِ خورشید عالم آرائے است
در جہاں مملکت فزائی کُن | بادشا باش و بادشائی کُن

---

[۵] ناہید ستارۂ زہرہ کہ بر فلک سوم تابد ۱۲

چہ بود تحفۂ مورِ بے جاں را | کہ کند پیشکش سلیماں را
لیک چوں دستِ من تہی ز عطاست | کرمِ شاہ پردہ پوشِ خطاست
نقد کم سکّہ را عیار دہم | کاسدی را رواجِ کار دہم
از بزرگی و دانشِ آگاہی | ق | ایں شنیدم کہ پیش ازیں گاہی

افسانہ گفتن لعبت کافوری بر سقنقور مزاج و آتشِ بہرام را بآبِ کافور اشتعال دادن

درختن بود فیلسوفے چست | رازہائے ستارہ کردہ درست
خامہ بر تختۂ فلک راندہ | واں ہمہ تختہا فرو خواندہ
وقتہائے شناختہ بہفت | کہ درآرد جہاد را درگفت
راست کردے برہمنونِ حکیم | صورتی ز آہن و مس و زر و سیم
گہ نمودی نہفتہائے جہاں | کردی آگہ ز رازہائے نہاں
ساختی مرغ کامدی بہ نوا | بر پریدی چو جانور بہوا
تیزیِ خاطرش کہ موی شگافت | وقتی از وقتِ آسماں دریافت
ساخت از روی و مس یکی تمثال | کہ بجنبد بچیزہائے محال
چوں شد آراستہ نمونہ چست | آزمونش نمود دیافت درست

لہ ن ـ کہ نمودے

پیش فرماندہِ دیارش برد — ہنرش گفت بعد ازاں بسپرد

کرد شہ نیز آزمونِ ہنر — واں ہنر یک یک آمدش بنظر

داد سازندہ را خزینہ بسے — کاں خزینہ ندادہ بود کسے

پس بفرمود کاں صنم بشتاب — برکشیدند پیشِ صفحۂ خواب

چوں زہر کار و بار پرختی — چشم بر روے گماشتی لختی

باز گفتے حکایتے ز محال — در زماں خندہ کردی آں تمثال

خوی آں بادشاہ بود چناں — کز عروساں کشیدہ داشت عناں

خواندہ بود از کتابِ دانایاں — کہ ندارد فریبِ شاں پایاں

خوی شاں خالی از جفا نبود — در دلِ سختِ شاں وفا نبود

ہمچو آئینہ در مقابلِ شوے — آہنیں دل بوند و روشن روے

روزے از میلِ زن شدہ بہ نفیر[۵۱] — ماجرا باز گفت پیشِ وزیر

پاسخش داد مردِ کارشناس — کہ خزینہ خطا بود بے پاس

مرد جائے کہ ہوشیار بود — بازنشس فتنہ را چہ کار بود

عسسِ کوے تا بود بیدار — کفِ دزداں کجا رسد بحصار

چوں ببازار خواجہ مست افتاد — زشت باشد زکیسہ بر فریاد

تو جوانی و طبع پیرت نیست — از نشاطِ حرم گزیرت نیست

---

۵۱ نفیر بمعنی متنفر لیکن دریں بیت بمعنی فریاد آمدہ ۱۲

شاہ کز نسل بے عطا باشد | ملک بے وارثے خطا باشد
بہ کہ جوئی در آرزو راہے | در شبستاں درآوری ماہے
بر یکے نیز بس مکن زنہار | کز یکے[۵] کشت سہل خیزد بار
پادشاہی[۶] تو کم مشو ز خروس | کہ جدا بنود از سہ چار عروس
جفتِ خود کن کسے کہ باید کرد | آزموں کن چنانکہ شاید کرد
آنکہ نیک ست خاص کن بر خویش | دیگراں را بروں کن از درِ خویش
کرد شہ آں فسانہ را در دل | شد بدنبالِ لعبتانِ چگل[۷]
باز می جست در ولایت و شہر | خبر از مردمانِ دانش بہر
تا کہ دارد ز خسروانِ جہاں | روے پوشی[۸] بپردہ ہائے نہاں
چوں نشاں یافت زاں نشانہ کہ خواست | ق | وآگہی راست گشتش از چپ و راست
نامزد کرد کاردانان را | ہوشمندان و مہربانان[۹] را
ہر یکے را بسوئے تاجورے | کاردا از سلکِ نسبتش گہرے
باز روجامہ و جواہر و طیب | خدمتے با چیزہائے غریب
وانگہی زاں نمط کہ فرماں بود | ہر یکے[۱۰] جانبے رواں شد زود
می نوشتند روز و شب راہے | سوئے ہر شہریاری و شاہے

---

[۵] بار سہل خیزد اے غلہ اندک پیدا می شود ۱۲ | [۶] حجب = بادشاہی مباش
[۷] شہریست حسن خیز در ترکستان ۱۲ | [۸] اے دختر صاحب عصمت ۱۲
[۹] ج = خردہ کاراں | [۱۰] حجب = ہر کسے

درپسِ پردہ راز می جستند　　جستۂ[۱] شاہ باز می جستند

تا رواں شد بکار خانۂ بخت　　چار دختر ز چار صاحب تخت

بازگشتند خوش دل و خنداں　　کام حاصل امید صد چنداں

در رسیدند و پیشِ شاہ شدند　　بزمیں بوسِ بارگاہ شدند

تازہ کردند شرطِ مسند بوس　　پیش بردند مہدِ چار عروس

شاہ زاں خدمتِ پسندیدہ　　بارِ منت نہاد بر دیدہ

ہر یکے را بہ زر تونگر کرد　　پایہ شاں زانچہ بود برتر کرد

پس فرستاد با تنعم و ناز　　بانواں را درونِ پردۂ راز

شاہ را بود کوشکے چو بہشت　　کنگرِ او بر آسماں زدہ خشت

راست کردہ بہ نسبت و ہنجار　　چار جانب عمارتے چو نگار

یک طرف باغ - زیرِ سایۂ شاخ　　رودِ آبے رواں بزرگ و فراخ

نردبانے ز کاخ بردہ فرود　　کہ رود شاہ در کرانۂ رود

کرد از جانبِ دگر گذرے　　باز کردہ بپائگاہ[۲] درے

نردبانے بزیر بردہ کہ شاہ　　سوے آخور[۳] شود گہ و بیگاہ

سوی ہی زاں علف سرائے شتر　　اندروں و بروں ز بختی پر

---

۱ اسے مطلوب ۱۲　۲ پایگاہ مرکب از پا کہ معروف ست و گاہ بمعنی جگہہ۔ لے جائے پائے چار پایان فارسیان طویلہ اسپان را پایگاہ گویند ۱۲
۳ آخور بمعنی اصطبل ۱۲

نرد بانے دگر کشیدہ بزیر | تا رسد بر شتر نوازشِ شیر[۵۱]
چار می سوے کار خانۂ مے | ساقیانِ چو مہر و مہ در روے
راست کردند برگِ خانہ تمام | چار بت را درونِ چار مقام
شب چو پیرایۂ عروساں بست | راہِ فریاد بر خروساں بست
خاست از بارگہ ملک بشتاب | رفت سوے نگار خانۂ خواب
داد فرماں بساط بوساں را | کآوریدند نو عروساں را
آمدند آں شکر لباں بہ دو پوش | گیسوئے عنبریں کشیدہ[۵۲] بدوش
مقنعِ[۵۳] ناز در کشیدہ بہ فرق | فرق تا پا میانِ گوہر غرق
ہمہ فربہ سریں و موی میاں | از خرامش میانِ شاں بزیاں
دُر و یاقوت شاں بگوش بسے | لیک یاقوتِ شاں نہ سُفتہ کسے
زلفِ شاں مشک بر سمن بیزاں | زیرِ ہر موے صد دل آویزاں
نرگسِ مستِ شاں بفتنہ و فن | پارسا سوز بلکہ توبہ شکن
ہر یکے شوخے و ستمگارے | خانہ ویراں کنے و خونخوارے
شہ چو دید آں چہار چشمۂ نور | گشت ہوش و صبوری از وی دور
ہر یکے را بہ لطف بالا خواند | پہلوے خویش بر سریر نشاند
کرد لختے بہ لعبہ و بازی | با فسوں خم اندگاں فسوں سازی

---

۵۱ مراد از بادشاہ ۱۲ — ۵۲ حجب = فگندہ — ۵۳ چادر باریک کہ یک عرض باشد ۱۲

پس یکے زاں چہار لعبتِ چیں | از پئے خواب گاہ کرد گزیں
دیگراں خاستند باصد ناز | در شبستانِ خود شدند فراز
شہ چو گل راز خار خالی یافت | وآنچہ صد سال جست حالی یافت
باشکر خندہ شد بشیرینی | در گل افشانی و شکر چینی
گاہ بر سیبِ سادہ سود انگشت | گہ در آورد نارِ تر در مشت
ناگہاں درمیانِ لابہ و لاغ | ق کہ گل و میوہ می ربود ز باغ
داشت لختے بہ کف گلِ خوشبوی | سرِ گل روی را بزد بر روی
نازنیں شد زنازکی بیہوش | شاہ کاں دید بر کشید خروش
زاں عمل کزخرد نبود ش نور[۵۱] | خندہ زد لعبتِ طلسم از دور[۵۲]
شاہ لختے بخویش باز آمد | بارش اندیشۂ فراز آمد
چوں ازاں بیخودی صنم برخاست | نظرے میفگند در چپ و راست
چشم ناگہ فتاد بر زبرش | وآمد آں نقشِ فتنہ در نظرش
دید روئینہ پیکرے بر سر | راست کردہ بکیمیائے ہنر
زیرِ مقنع فرو نہفتہ جمال | گفت نامحرم ست ایں تمثال
آں نوآئیں خیالِ قہقہہ زن | باز و رخندہ باز کردہ دہن
بادشاہ از دلِ خیال اندود | در عجب ماندکیں چہ خواہد بود

---

۵۱ از صدمۂ ضربِ گلہائے تر بیہوش شدن ۱۲
۵۲ تصویرِ طلسم کہ بر محالات می خندید ایں وقت ہم خندہ زد ۱۲

بود تا روز با صنم بہ نشاط | رازِ دل را فرو نوشتہ بساط[1]
گشت چوں لعبتِ فلک خنداں | کرد پنہاں عروسِ شب دنداں
آفتابِ شبانہ را فرمود | جا بہ برجے کہ سوئے آخر بود
وآنچہ نزلے عروس را شاید | شد مہیا چنانکہ می باید
پس بہ فرمود با وکیلِ سرائے | شد بسروِ دگر سر برآرائے
خود چو شاہاں برہنمونیِ بخت | ق | باعروسِ دگر نشست بتخت
دید مردم کشئے بناز و خوشی | بوسہ بازی نمود و زلف کشی
ناگہانش کشید در آغوش | پشتش از شقہ[2] کرد قاقم[3] پوش
باز قاقم چو پشتہ نہاد برو | خار خارے در اوفتاد برو
تہِ دامانِ شقہٗ بے صبر | جست زاں تہ چو برقی از تہِ ابر
گفت کافگار گشت پشتِ مرا | موئے قاقم خلید و کشت مرا
باز شد پیکرِ ہنر خنداں | شاہ را شد خیال صد چنداں
تازہ کرد از طریقِ دم سازی | باغلط بازِ خود غلط بازی
گفت کاحسنت شاد باش آں تن | کہ بود موئے قاقمش سوزن
چوں تنت را لطافت افزون ست | رو در آئینہ بیں کہ تا چون ست

---

[1] اے راز دل در دل نہاں داشت ۱۲

[2] شقہ بمعنی پارچہ وجامہ وکاغذ وغیرہ در منتخب بمعنی جامۂ پیش شگافتہ ۱۲

[3] قاقم بضم قاف دوم جانوریست کہ پوستش بغایت سفید وملایم باشد وازاں پوستیں سازند ۱۲

در صنم در گرفت شیوهٔ شاه — آئینه برگرفت و کرد نگاه

شاه رو برد سوے پہلویش — تا در آئینه بنگرد رویش

چوں صنم عکسِ شه در آئینه دید — ق — بادشاهِ دگر معائنه دید

روی بنهفت کیں کدام کس ست — کش بدیدار چوں منی هوس ست

در چنیں روے کز جہے کم نیست — جز تو عکسِ تو نیز محرم نیست

باز در خنده شد خیالِ حکیم — دلِ شه گشت زاں خیال دو نیم

با صنم هیچ زاں خیال نگفت — کامِ دل راند تا به روز نخفت

قندزِ[1] شب چو مه فگند ز دوش — گشت سلطانِ[2] صبح قاقم پوش

قاقم اندام را اشارت کرد — تا شود سوئے پرده راه نورد

جائیگاهش بمنظرے فرمود — که رہش سوئے ساربانان بود

اتفاقش چناں فتاد آں روز — که بود هم بروز بزم افروز

سوئ ماه را بحضرت[3] خواند — پیشِ خود با هزار ناز نشاند

گلشنے بود پیشِ منظرِ خاص — بلبلے گردِ هر گلے رقّاص

حوضهٔ در میانش بسته ز خشت — هشت در هشت همچو جوی بهشت

---

[1] بضم قاف و سکون نون و ضمه دال مهمله و زاے معجمه نام ولایتے قریب ظلمات و نام جانورے سیاه زنگ مشابه بسگ و مجازا پوست آن را نیز گویند از برهان و سراج و کشف و در لغات ترکی نوشته که قندز نام ولایت ست میان بلخ و بدخشاں و جانور آبی که پوست او بغایت گرم بود ۱۲ [3] نـ جیب = طلسم

[2] معنی مصرع اینکه آفتاب گرم شد ۱۲ [3] نـ جیب = بخدمت

ماہیاں درمیانش بازیگر | ہر یکے را بگوشش حلقۂ زر
کشتیِ ساختہ ز پارۂ عود | چوں مہِ نو در آسمانِ کبود
لعبتے چند کردہ در وے ساز | چوں بدریا مسافرانِ جہاز
گشت لختے بہارِ سوسن بوے[۱] | در تماشائے باغ و سبزہ و جوے
چوں ز گلشن بحوضِ گلشن دید | چشمِ ماہیِ فراخ و روشن دید
در زماں روے زآستیں بنہفت | ق پس بناز و کرشمہ با شہ گفت
کیں ہمہ ماہیاں در آتش ریز | کہ نگہ می کنند بر منِ تیز
من کہ از چشمِ مادہ پر حذرم | آنکہ نر شد چرا کند نظرم
ایں سخن باز کاں خیالی[۲] شنید | خندہ برداشت کاں محال شنید
ملک آں خندہ را غلط نشمرد | لیکنش ہم بخندہ بیروں برد
گشت باز از رہِ فسوں خوانی | با پری چہرہ در سلیمانی
چوں نمود از طریقِ عیش دمے | خندۂ و لاغ با چنیں صنمے
صنمِ لالہ رخ دگر بارہ | بر سرِ حوض شد بنظّارہ
باد ناگہ بسوئے کشتی تاخت | واں ہمہ لعبتاں در آب انداخت
چوں نگہ کرد غرقِ گشتنِ شاں | ق واں ز سرِ آب برگذشتنِ شاں
لرزہ در شخصِ نازنیں افتاد | کز چناں لرزہ بر زمیں افتاد

۱؎ مراد از معشوقہ سوسن بوی ۱۲ | ۲؎ مراد از ہماں پیکر طلسمی ۱۲

باز و رخندہ شد طلسم جناں | کہ ملک رازدست رفت عناں
لیک چوں روئے دل بکارے داشت | وانگفت ار بدل غبارے داشت
زد بروے بتِ رمیدہ[1] گلاب | تا دو چشمش کشادہ گشت زخواب
پس بنقل و شرابِ جاں افروز | بود با او بخوشدلی ہمہ روز
آخر آں ماہ روے روز نشیں | خواست کش منزلے شود تعیین
گشت فرماں کش آورند فرود | در رواقے کہ بود بر سرِ رود
ماہ چوں زد بر آسماں خرگاہ | گشت شب پردہ دارِ خرگہِ ماہ
شاہ در خرگہِ نشاط نشست | ماہِ چارم میاں بخدمت بست
با ہزاراں ہزار زیور و زیب | شد رواں تا بروزِ شاہِ شکیب
دید چوں مسندِ جہاندار اں | خاک بوسید چوں پرستاراں
بر زمیں کرد پایۂ خدمت سخت | تا نخواندش نرفت بر سرِ تخت
سر براہِ فگندگی می داشت | جاں بہ تسلیمِ بندگی میداشت
بود در پایۂ رضا طلبی | نہ چو دیگر بتاں بہ بوالعجبی
تا فروزندہ شد جہاں را ماہ | بود پائیں پرستِ خدمتِ شاہ
صبح چوں برگرفت جامِ شراب | زنگیِ شب زجرعہ گشت خراب
شد بفرمانِ شاہِ سروِ جواں | سوئے برجِ شراب خانہ رواں

---

[1] مراد از معشوقہ بیہوش افتادہ ۱۲

گشت زاں چار ماہِ حور سرشت | کوشکِ چار سو چو ہشت بہشت
پس برافروخت شہ زشادیِ مغز | داد با خویشتن قراریِ نغز
کہ بود بعد ازاں بہر ماہے | ہفتۂ میہمانِ ہمراہے
باسہ ہمخوابہ زعیشش خوش بود | دلش از چارمیں مشوش بود
گفت ہست آں سہ دُرِ زدرجِ گراں | نازپروردِ تختِ تاجوراں
چارمیں تخت رانہ درخوردست | چو گدایانِ رنج پروردست
ہر کرا پرورشش بناز بود | نازنین و کرشمہ ساز بود
وانکہ خود را کسے نداشت عزیز | چاپلوسی کند بسانِ کنیز
دلش آسود بر چنیں غلطے | برخطِ راست برکشید خطے
باسہ بانو سہ ہفتہ بود سے شاد | از چارم گہے نکرد سے یاد
یکشب از جامِ بادہ مست و خراب | خفتہ بود اندرونِ خانۂ خواب
در کنارآں بہارِ دیدہ فروز | کز گل آزردہ شد نخستیں روز
چوں درآمد زخواب یافت تہی | بسترِ خواب راز سروِ سہی
سر برآورد و دید درچپ و راست | چوں ندیدش زخوابگہ برخاست
سوے ہر منظر و رواق دوید | رفت وآنرا کہ دید نیست ندید
ہر عمارت کہ رفت بر سرِ او | دید قفلے نہادہ بر درِ او

لہ حجب = کز | لہ جب = دمے

برورِ نزدباں چو رفته فراز | دید قفلش فتاده و در باز
برگرفت از سرانِ[1] خود شمشیر | وز سرِ نردباں دوید بزیر
خویشتن را نهفته داشت دروں | وز پسِ در نظر فگند بروں
دید خربنده[2] زنگیِ سرمست | ق از سرِ خشم تازیانه بدست
بر تنے کز گلش رسید آزار | میزد آں تازیانه را هربار
بانگ میزد برآهواز شیرے | که چرا ماندهٔ بدیں دیرے
او همی گفت نرم نرم که شاه | تا نخسپد چگونه گیرم راه
شه چو بشنید ماجرائے عروس | رخ گشت از غضب چو خونِ خروس
آمد اندر دلِ خرد بنیاد | خندهٔ لعبتِ[3] طلسمش یاد
خواست کز کنجِ در بروں تازد | هردو را سر بدامن اندازد
لیکن اندیشه کرد در دلِ خویش | ق کیں دو را گر بسر افگنم در پیش
لعبتانِ دگر شوند آگاه | من براسرارِ شاں نیابم راه
بازپس گشت هم بداں تدبیر | رفت و درخواب شد بروے سریر
یافت چوں با نوا زحریف خلاص | آمد او هم دروں به بسترِ خاص
چوں رها شد زدیو[4] ظلمت حور | گشت زاں حور عالمے پرنور

[1] سران اے بالیں ۱۲ [2] خربنده اے خادم و سائیس خر ۱۲ [3] لعبت = صورت
[4] دیو عبارت از ظلوع سحر ۱۲

شاه منزل به برجِ دیگر کرد   ماهِ آں برج را منور کرد
باده میخورد و باشکر لبِ خویش   راز را مهر بست بر لبِ خویش
منتظر تا بشب کے[1] آید روز   کو شود برمرادِ خود فیروز
رفت خورشید چوں بموجِ خاک   مه برآمد به تختۂ افلاک
شاه پیشِ عروسِ شاه پرست   به تکلف نمود خود را مست
بے خبروار سر بیالش برد   درِ دیده بقفلِ خواب سپرد
چوں گذشت از شبِ سیاه دو پاس   نازنیں را بدل نماند هراس
خاست از پهلوے ملک بشتاب   سوئے منظر دوید چوں مهتاب
گشت در دستِ نفسِ فتنه زبوں   درِ بیروں کشاد و رفت بروں
سارباںے درآں سرائے شتر   بود ره چوبۂ آں طویله[2] دُر
آنچناں صیدے[3] آمده بنشاط   وز پلاسِ شتر فگنده بساط
چوں صنم در رسید جست زجائے   زلف بگرفت واو فگند زپائے
پس بزورش درآورید بزیر   برسرِ خارهائے چوں شمشیر
پشت کز قاقمے نگارش بود   تکیه بر دو رباشِ خارش بود

---

[1] اے روز کے شب شود ۱۲

[2] طویله در اصل بیاے معروف ست لیکن فارسیان بیاے مجهول نیز استعمال کنند و آں رسنے دراز باشد که بداں پاے چند اسپاں می بندند و مجازاً بمعنی مکان و عمارت که در آں اسپاں را نگاه دارند و طویلۂ بمعنی سلک و رشته مروارید نیز آید و اینجا مراد از طویله دُر معشوقه دوبیں ۱۲

[3] سارباں دید که آں چناں صید به نشاط تمام می آید پس از پلاس شتر که سخت و درشت باشد فرش طیار کرد ۱۲

شاه آں آفتاب را در حال | رفت پویاں چو سایه در دنبال

چوں تنِ نازکش بدید چناں | گشت مو بر تنش ز غصه سناں

غیرتش گرچه بود پرده شگاف | نیز نشگافت پرده را بگذاف

سر کشید از وفای همسرِ خویش | رفت و در کرد سر به بسترِ خویش

همسرش کز برش جدائی یافت | آمده نیز چوں رهائی یافت

صبحدم کیں عروسِ روشن چهر | آشنا ور شد از محیطِ سپهر

شاه زاں بت رهِ جدائی جست | با بتِ دیگر آشنائی جست

شد سوئے برجِ آب راه گرائے | کرد چوں مه ببرجِ آبی جائے

با نوئے آبدارِ روشن[۵۱] روئے | ریخت در ساغر آبِ آتش خوی

شاهِ گیتی بکارِ آب نشست | در دلِ دشمن آبگینه شکست

خوش کسے کاندریں کهن دولاب | آبِ خوش[۵۲] خورد زیں رهِ بے آب

کآب نه در مجلس یکے کوزه | شیشهٔ آب گونِ فیروزه

بود تا شب مجلس آرائی | بامهِ تنگ چشمِ یغمائی[۵۳]

آرزو در کنار و مے در جام | به ازیں دو لیتے کجا و کدام

ریخت چوں ایں سفالِ ریحاں روئے | ق چشمهٔ آفتاب را لب جوئے

---

۵۱ حجب = آتش   ۵۲ آب خوش خوردن اسے مراد خویش حاصل کردن ۱۲

۵۳ منسوب به یغما که شهریست حسن خیز در ترکستان ۱۲

بازشه پیشِ ماهِ زرق فروش | خویش را ساخت چوں شبِ دوش
سر بہ بالش نہاد بیخود وار | چشم پوشیدہ و دلش بیدار
چوں ز شب نیمہ تمام گذشت | مرد ماں را تگِ خرام گذشت
صنم از خوابگاہ رفت فرود | جامہ بیروں کشید بر لبِ رود
پیش ازاں رفتہ بود گاہِ فراغ | کردہ پنہاں سبوئے اندر باغ
بستہ و زیر کردہ و راند بر آب | چوں گلے کو کند مراغہ[۱] در آب
چوں یک آماج[۲] رفت زآنجا دور | ملک از غیرتش نماند صبور
جامہ بیروں کشید و ہم در پے | شد بدنبال در نظارہ دے
چوں گذارا[۳] رسید لعبتِ سیم | کرد جاں را بکامِ دل تسلیم
ہندوئے چوں سگانِ آہو گیر | در کمیں بود بہرِ آں نخچیر
چوں تمنائے خویش در بر یافت | ق | و آنچناں ماہ بے قصب[۴] دریافت
در وے آویخت چوں مگس در قند | داد مہ را باژدہا پیوند
چوں بدید آں نظارہ خسروِ عصر | بادلِ خستہ باز رفت بقصر
واں پری نیز چوں ز دیو برست | بسلیمانِ خویشتن پیوست

---

۱ مراغہ کردن بمعنی غلطیدن ۱۲ ۲ مقدار یک پرتاب تیر ۱۲ ۳ گذارا آنرا گویند کہ ازیں کنارۂ دریا عبور کردہ بر کنارہ دیگر رسد ۱۲ ۴ در خیابان نوشتہ کہ قصب بمعنی جامہ معرب کسب ست بفتحتین و کاف عربی جامہ ست کہ در ہند مشہور ست نوعے از بافتہائے ابریشمی و اینجا از بے قصب مراد عریاں ۱۲

صوفیٔ صبح خیز چرخ زد دور — چوں پدیدار شد چو پارۂ نور
شہ رواں شد کہ تا شود بقیاس — چار میں سکّہ را عیار شناس
رفت در برج چار میں خورشید — مجلس آرائے گشت چوں جمشید
چوں در آں برج روشنائی یافت — ہمہ سیمائے پارسائی یافت
ہم نشد خوش کہ در دل نگراں — تازہ بود ش جراحتِ دگراں
تا زنیں بر قرارِ خدمتِ خویش — ایستادہ چو بندگاں در پیش
می نمود از طریقِ دلداری — ہم حریفی و ہم پرستاری
بود در و تازہ چوں گلِ سوری — تا سیہ شد جہاں کافوری
شب چو خورشید شد بگوشہ نہاں — ق — وز شغب ماند گوشہائے جہاں[1]
شاہ بر نسبتِ دگر شبہا — مہرِ حکمت نہاد بر لبہا
ساخت خود را چنانچہ دانی مست — وز رُخِ دوست دیدہ برہم بست
چوں بدو رغبتے نداشت خیال — طبع را سوے او نداد عناں
تا ز شب رفت نیمہ کم و بیش — واں صنم دید خوابِ منعمِ خویش
خاست از خواب و شد بگوشۂ برج — گشت مستور چوں دُر اندر دُرج
دور کرد آنچہ زیب و زر پوشید — جامہائے سپید در پوشید
بتضرّع نہاد رو بخدائے — وز پئے طاعت ایستادہ بپائے

---

[1] اے گوشہائے جہاں از شور و غوغا آسود ۱۲

چوں ذلیلاں بعجز مے نالید | دیدہ بر روے خاک مے مالید
شہ کہ بود از کمیں بہ نالش | دید چوں در سلامتی حالش
زاں نہفتہ خدا ے خوانیِ او | بیشتر گشت بدگمانیِ او
بُرد ظن کاں نیایش اندر پوست | از براے فریب ناکیِ اوست
آزموں کرد گاہ و بیگاہش | خارِ غیرش ندید در راہش
داشت در سینہ نیک خوییِ او | دم نزد با وے از نکوییِ او
زآزمونِ تباں چو دل پرداخت | ہر یکے را چنانکہ بود شناخت
بست دل تا کند بپردۂ خویش | ہر یکے را سزاے کردۂ خویش
گفت با خادمے کہ زود خرام | آور از در بروں سبوے خام
رفت پنہاں بباغ زود از زود | خام بنہاد پختہ را بربود
چوں بہنگامِ خویش سرو جوان | بر لبِ رود شد چو آبِ رواں
از تہ سرو بن سبو برداشت | راست در زیرِ سروِ دیگر داشت
آشنا کرد و راہ پیش گرفت | رہ سوے آشناے خویش گرفت
راست کاندر میانِ رود رسید | از دگر عالمش درود رسید
در گداز اوفتاد مرکبِ خام | بوکیلِ اجل سپرد لجام
در تہ آب رفت لعبتِ سیم | چوں بدریاے ژرف دُرّ یتیم

لہ حبب = رواں | لہ اے اجل پیش آمدہ سلام گفت ۱۲

اخترش طالعِ سیاهی یافت | ماه منزل ببرجِ ماهی یافت
او شد و کیست کو چنان نشود | بر فلک نیک و بد روان نشود
هر که از پرده رُخ نمود چو برق | ز آشنائی چنین سبو شد غرق
شاه چون دل ز ریک صنم پرداخت | چارهٔ لعبتانِ دیگر ساخت
آنکه از برگِ گل رسیدش کوب | بس بیازرد چون نبات از چوب
آنچنان زد بتازیانه تنش | که چو گل پاره پاره شد سمنش
هم بجرم بندهٔ که یارش بود | ساخت جفتش که سازوارش بود
تا در آخور[1] که خورده پاک کند | یادِ آن دولتش هلاک کند
خوردنش چون بخانه جو باشد | هر زمانیش مرگِ نو باشد
وانکه پشتیش خراشِ قاقم داشت | ق | دل بدنبالِ ساربان گم داشت
کوفت از خار پائے تا بسرش | تا بهر مو شکست نیشترش
نیل کز نوک خار بر تن بود | راست چون نقش هائے سوزن بود
پس بخواری ز خود گرانش داد | هم در آغوشِ ساربانش داد
تا چو برگیرد اشتران را پشک[2] | یادش آید ز بوئے عنبر و مشک
وان صنم کز دلِ بسامانش | لوثِ شهوت نداشت دامانش

---

[1] یعنی در اصطبل خورده خراں و اسپاں بر دبد از یادِ آن تنعم شاهانه هلاک شود ۱۲

[2] بمعنی سرگیں که هندی مینگنی گویند ۱۲

برکشیدش باحترامِ تمام بانوِ بانواں نهادش نام
کرد عهدے که تا بود عهدش ماهِ دیگر نتابد از عهدش
بسکه آں پاک دامنِ پر نور داشت جامه سفید چوں کافور
شه موافق شد اندراں کارش گشت کافور گوں شبِ تارش
پس ازاں چوں بیاضِ نامهٔ شاں ق بود کافور نام جامهٔ شاں
جامه کافور گوں به است بساز که [۵۲]خیر الثیاب یافت طراز
پاک رنگ ست رنگِ کافوری نامها را بیاضِ مغفوری
چوں شود موئے آدمی کافور موئے او را خدائے خواند نور
روزِ روشن که سر بسر نور ست همه نورش برنگِ کافور ست
شه کز افسانه ماهِ منظورش داد کافور چوں [۵۳]سقنقورش
همچو کافور ماهِ زهره تاب گشت با او یکے و رفت بخواب
بعد ازاں زنده بود تا بهرام همبریں گونه داشت عشرت و کام
هر شب از گنبدے گذر می کرد عیش در گنبدِ دگر می کرد
چند گه زیرِ هفت گنبدِ نور نشد از عیشِ هفت گنبد دور
عاقبت هفت گنبدِ گردوں کرد از هفت گنبدش بیروں

---

۵۱ عجب = زخیر الثیاب سفید (کافوری) ست ۱۲

۵۲ در حدیث آمده است خیر الثیاب ثوب ابیض یعنی بهترین لباس ها لباس

۵۳ جانوریست از حشرات الارض مثل سوسمار یعنی گوه نزد اطبا گوشت آں بغایت مقوی باه است ۱۲

نامِ او چوں زگور نسبت یافت ہم بگنبد سرائے گور شتافت

داستانِ وفاتِ بہرامِ و آہنگ او سوی گور و درپئے گور در چاہ فرو رفتن و در بوستانِ بہشت رسیدن

قصہ پردازِ شاہِ گنبد ساز داد در ہفت گنبد ایں آواز
کہ چو بہرام چندے از دلِ شاد راند گنبد بگنبد اسپِ مراد
عاقبت گنبدِ سپہر بزور شد کشانش بسوئے گنبدِ گور
داد گنبد[1] کناں و گورزناں گورپا را بگورِ دشت عناں
جست چنداں بگور و صحرا راہ کہ در افگند گورِ شں اندر چاہ
روزی از ہیں کہ دل بگورش بُو سوے پہلوے گور شورش بود
بامداداں پگاہ گشت سوار راند بیروں بجست وجوئے شکار
بادپا را بہر طرف در گشت مید وانید ہمچو باد بدشت
کرد ی آں سو کہ گرہ[2] راندی تند پائے آہو زرہ بریدن کند
تیر آہو کُشش زدی بصریر نغمۂ ہندوانِ آہوگیر
زاں سنئے تیر میز داز ہر سو گلۂ گور و جستۂ آہو
اندراں جستۂ و گلہ پیوست اشقرش پائے کوفت دست ببست

[1] گنبد کردن نوعے از جستجو آہو را سپاں ۱۲ [2] بفتحہ اوّل بچہ اسپ ۱۲

از خدنگِ وے ارچہ در ہر جائے | آہواں می شدند کوتہ پائے
لیک ادبیل جز بگور نداشت | گور پیشش بہ پویہ زور نداشت
تا دریں جنبش از سرِ زورے | خاست از پیشِ آہویش گورے
طرفہ گورے دو دیدہ چوں پرِ زاغ | راست چوں در سرانِ گو رچراغ
سخت پے چوں کمانِ محکم ساز | خانہ کوتاہ و گو شہائے دراز
یال آزادہ از عناں تازی | گردنش فارغ از سناں بازی
پہلوش زیر چرم گلناری | چوں کماں زیر توزِ بلغاری
از خرامش خراشِ در سینہ | زدہ با کوہ و دشت سر سینہ
شکم از خطِ سبزہ بردہ برات | از بروں سبزہ و درون چو نبات
خطِ پشتش درست و نسخہ باد | راست با باد باز خواندہ سواد
در کفلگاہ گرد روشنِ او | گِردگشتہ لطافتِ تنِ او
بستہ از خیزراں و صندل طاق | صندلی راں و خیزرانی ساق
جانِ شیراں بہ پیچہائے دمش | کحلِ گوراں بجفتہائے سُمش
کلکِ پائیش چو جامہ چالاک | نصف صفرش رقم تختۂ خاک
تیز گامے چو آسمانِ کہن | تیز پائے زبا دکردہ سخن

لہ جب = آہو ۔ ؎ بضم واو مجہول نام پوست درختیست کہ مثل پے برکمان و زین بکار برند و بلغار بضم اوّل نام شہریست نزدیک ظلمات آباد کردہ اسکندر ۱۲

؎ ل = بے زبانے

بسکہ ہمچون خیال بود بچشم | می نمود و نمی نمود بچشم
دیو نقشے کہ دل کند شیدا | گاہ پیدا و گاہ ناپیدا
نہ بدُ او جا نور بسبزہ و برگ | دیو جاں بود بل فرشتۂ مرگ
گور در پیش می شتافت دلیر | شہ بدنبال میدوید چو شیر
زاشقر ش خوی دراں شتاب چکاں | آتشے میدوید آب چکاں
شہ عناں را بدو رہا کردہ | بادرا زود وال پا کردہ
ہر خدنگے کہ سوئے گور کشاد | گور گنبد[۱] زد و خدنگ اُفتاد
تیر کز مو درست جستی صاف | مو نجستی از و بگاہِ شگاف
شہ بر آں گور میزد ش بشکوہ | در نمی شد در و چو مو در کوہ
زاں خطا ہا سوارِ قادر دست | جست میزد چو تیر شست بشست
ناگہ از پیش چاہے آمد تنگ | در فتادن نداشت گور درنگ
توسنِ شاہ نیز در پئے گور | رفت[۲] در چاہِ گور کور اکور
آنکہ دہ میل زاں دو بینش نور ق | سرہ[۳] کردی زمین تقلب ز دور
از قضا کور شد کہ پیش ندید | چاہ را زیر پائے خویش ندید
ہست در چرخ کحلِ این ہمہ کار | بہرِ بینائی اولی الابصار

---

۱ گنبد زد اے جست کرد ۱۲ ۲ ج = رفت در چاہ و شاہ شد در گور
۳ اے تحقیق کردی ۱۲

گورپویاں که سوئے چاه آمد | گور[1] بود آں که سوئے شاه آمد
آنکش از چاهِ گور شور افتاد | عاقبت هم بچاهِ گور افتاد
ارچه در گور کس بزور نرفت | کیست آں کو بچاهِ گور نرفت
انجمن شد چو گرد رخنه سپاه | مه فرو رفته بود در بنِ چاه
دلوها بسته شد بحبلِ امید | بر نیاید فرو شده خورشید
آفتابے که گشت خاک نشیں | آدمی کے بر آردش ز زمیں
آنکه از چه خیالِ[2] ماه کشید | ماهِ سیماب را ز چاه کشید
آں نه چه بود بلکه غارے بود | تا بنِ چاه میل وارے بود
چوں تنورِ نو از سیه تابی | چوں کهن دوزخے ز بے آبی
در چپ و راست غارهائے کهن | قعرِ هر غار ناپدید از بن
اسپ دیدند پر زکوب و شکن | کوفته باد چرخ در هاون
برگرفتند از زمینش چناں | استخواں آرد بود و در زہاں
باز جستند سو بسوئے بسے | از سوارش نشاں نداد کسے
از شگافندگاں بگردِ مغاک | کاو کاوے درا و فتاد بخاک
هر یکے آهنے گرفته بدست | جگرِ گل درون درون می خست

---

[1] گور در مصرعهٔ ثانیه بمعنی قبر ۱۲

[2] دریں شعر اشاره بسوئے حکمت حکیم مقنع ست که ماهے از سیماب ساخته از چاه آورده بود لیکن بهرام در چاهے که افتاده بود او پایاں نداشت پس چگونه برآید ۱۲

پاره کردند در یکے فرسنگ　　رخنهائے فراخ و فرجۂ تنگ
سر متین[1] بقعر آب رسید　　چشمۂ آرزو نگشت پدید
ز آتش سینها و آں زاری　　چشم سیماب[2] گشت پنداری
ارچہ سیماب[3] ریخت دیدۂ تر　　کیمیا را کسے نداشت خبر
ایں چنیں گنجہا نشستہ[4] بخاک　　کہ تواند کشیدنش ز مغاک
وانکہ[5] ایں اژدہا کشند بدش　　کے تواں برکشیدن از شکمش
آید آں کامدیش ہست براز　　رفتنی را کسے نیارد باز
خورد خونہائے خلق خاک بسے　　کہ یکے خوں ازو نخواست کسے
ساقی آں مے کہ در زمیں ریخت　　چوں کشد چوں بخاک باز آمیخت
گر بغربال کس ببیزد خاک　　بر نیاید نشان مردم پاک
خاک بہرام بیختند تمام　　بہرہ زاں خاک بود نے بہرام
باز گشتند مرداں زاں غار　　دیدہ پر آب سینہ پر زغبار
رفت گوہر ز مشت و خاک بمشت　　زاں عجب ماند در دہاں انگشت
چند روزے بغم خروشیدند　　جامہائے کبود پوشیدند

---

[1] متین بکسر میم و یائے مجہول و کسر فوقانی میخ ست آہنی کہ بداں در سنگ شگاف انداز ند ۱۲

[2] اے از کثرت گریہ چشم مرداں سیماب گشت اے سفید شد یعنی کور گشت ۱۲

[3] سیماب ریخت اے اشک ریخت و در مصرعہ ثانیہ از کیمیا مراد بہرام ۱۲　　[4] ن = بستہ ست

[5] مراد از زمین ۱۲

آخر الامر دل زگم ہوشی — داوشاں داروے فراموشی
بیں دریں چہ کہ بہرِ ما کندند — زیں فراموش گشتگاں چندند
چرخ گورست نیلگوں سلبی[1] — دانی آخر کہ نیست بے سببی
کس زگیتی کجا خبر یابد — مشتِ قلّاب راکہ دریابد
عمر آبست شخصِ[2] مردم دام — کش چو دامست رخنہاے مسام
زو چو رفت آب ہر کجا خواہی — دیر نبود زمردنِ ماہی[3]
کہنہ گورے ست گورباناں[4] را — گورخاں ست گورخاناں[5] را
ایں مقرنسِ[6] رواقِ بے سرِ بن — بر سرِ گور گنبد ست کہن
اندریں گنبد آنکہ محرم گشت — غلغلے کرد چند روز و گذشت
آنکہ او خود گلے ست مقدارے — خانۂ سنگیں چرا کند بارے
زندگاں را بود در و دیوار — مردنی را چہ کار با ایں کار
قلعۂ طینت ارچہ چست افتاد — زود ویراں شود چو سست افتاد
چوں رسد سیلش از محیطِ کبود — مرد بالاش زیرِ خاک چہ سود

---

[1] پوست و لباس ۱۲ [2] اے ذات وجود انساں ۱۲ [3] دریںجا مراد از ماہی روح انسانست ۱۲
[4] گور دوم بواو مجہول بمعنی عیش و عشرت و شراب و بان بمعنی نگاہ دارندہ الف و نون جمع پس معنی گورباناں ارباب عشرت و شاہان جلیل القدر ۱۲
[5] گورخاں لقب بادشاہ خطا و ختن و خان اوّل بمعنی خانہ ۱۲
[6] مقرنس بضم میم و فتح قاف و فتح نون عمارتیکہ آنرا بصورت قرناس ساختہ باشند و قرناس بالضم بمعنی کوہ و مراد از مقرنس عمارت بلند و بناے عالی و رواق بمعنی سقف ۱۲

روزگار اندرونِ این چہ پست　　جاں طلب میکند چراغ بدست
چہ برد دزد تا کہ شمع نمرد　　طرفہ دزدی کہ شمعِ روشن برد
گرچہ مرگ از جفا ستیزہ گرست　　بیوفائیِ عمر ازاں بترست
گلِ ہمیں خشک بر سراچۂ گور　　آں گلِ خشک را نگر تہِ گور
ورقِ گل بگور حسناناں را　　پندنامہ است کاردانان را
لالۂ تر کہ رنگِ خوں دارد　　خوں ز روہاے لالہ گوں دارد
یا رخ از خونِ آدمی شُستست　　یا خود از خونِ آدمی رستست
تن کہ خواہد گذاشت ہر چہ گذاشت　　نیکبخت آنکہ نامِ نیک گذاشت
آن بنا کن دریں کہن بنیاد　　کز تو خلقے کنند بہ نیکی یاد
از پسِ مرگ یادِ نیک برند　　وز پئے مرگِ مرد غم بخورند
آنکہ نامردہست و بے تمیز　　مردہ باشد بزندگانی نیز
بانگِ شورے کہ میزنند برو　　لعنت ست آنکہ می کنند برو
پس چناں باش کز تنِ پاکت　　آفرینہا کنند بر خاکت
دوستاں کز پئے تو در شورند　　یا تو ہمراہ تا لبِ گورند
ہست تا خاک ہمرہِ تو بسے　　نیست در خاک ہمرہِ تو کسے
پس ورا یاد کن کہ جاں بخشد　　مردنت[لہ] عمرِ جاوداں بخشد

لہ حجب = ہر دمت

وانکه زینگونه شد مسیح نفس | درصفِ اہل درد یابی وبس
خسروا پاے نیک مرداں گیر | باسیحانفس زپیش بمیر
بایدت خانۂ حیات درست | ازخضر بایدآبِ حیواں جُست
خواہی ازخاک برسپہر خرام | خاک شوزیرپاے شیخ نظام

درتمام شدنِ عمارتِ ہشت بہشت وسیراب گشتنِ مناہلِ لطائف و برآمدنِ نہالہای نامی ودررسیدنِ میوہای جانی و مُرغانِ بی نوارا آوازدادن وبہارِ عام صلا گفتن و ازشاخ امرودِ خام برشکستن و دوستانِ جانی را بفاکہۂ کثیرۂ لامقطوعہ ولاممنوعہ سراپا برخورداریِ کام ارزانی داشتن و صادر و واردرابدین خلدِ نعیم دعوت کردن

چوں شد آراستہ بنقش ونگار | روے ایں کارگاہ جادوکار
کرد دردیدہ مشتری جایم | وآسماں بوسہ داد برپایم
دیدہ رضواں زہشت خلدِ بریں | ہشت خلدِ بریں بروئے زمیں

از نسیمش کہ مغز پرور گشت — مغزِ روحانیاں معطر گشت
شربتش ذوقِ سلسبیلی داد — خامہ را پرِ جبرئیلی داد
زیں مروق[۵۴] رحیقِ نوش گوار — عقل ہم مست گشت وہم ہشیار
ایں مصفّا ز جا جۂ مے ناب — کہ رود جاں زبوئے او در خواب
از ارم ساغرے ست پر ز نسیم — بل ارم خانہ ایست پر ز نعیم
از مۓ نو بہ نزہت و رونق — مثلہا فی البلاد لم یخلق
خانہ خاکِ او عبیر سرشت — خانہاے دگر درو چو بہشت
ہمہ بیتش بگاہِ عرض شمار — سہ صد و پنجۂ دو و سہ ہزار ۳۳۵۲
سال ہجرش یکے و ہفصد بود — کیں بنا بر د سر بچرخِ کبود
گر بقا را بنائے محکم نیست — چوں من ایں خانہ ساختم غم نیست
زیں ہنر نامۂ ہمایوں ساز — ہر خطے زندگانی ست دراز
ایں نمونہ کہ نقشِ پرکاریست — از طرازِ کہن[۵۱] نمودارے ست
ہر چہ در گنج پیش پنہان ست — ہم عیارش درونِ ایں کان ست
آں زر ار چہ سرہ[۵۲] است معیارش — نیست جز دہ دہی[۵۳] من یارش
پوست گرچہ چو مغز شیریں نیست — بہتر آں مغز۔ پوست بہ زیں نیست

---

[۵۱] مراد از مثنوی ہفت پیکر مولانا نظامی ۱۲ [۵۲] سَرَہ بفتحتین بتخفیف در فارسی بمعنی خالص و پاکیزہ و بے عیب ۱۲ [۵۳] بفتح ہر دو دال و یاے معروف بمعنی خالص و کامل عیار و زریکہ در آتش نہند مطلقاً از آں سوختہ نشود و کم نگردد ۱۲ [۵۴] مروق صاف کردہ شدہ کہ اصلاً غش درد نبود و رحیق شراب خالص ۱۲

گرچہ ایں دارد انگبیں کارے — سر کہ را ہم بود خریدارے
گرچہ گوہر بقیمت ست عزیز — قیمتی ہست کہربا را نیز
دُرّ بتاجِ ملک بود شایاں — گوشِ ماہی بزعفراں سایاں
ایں رقم کاندرو صفائی ہست — گرچہ زرنیست زرنمائی ہست
نکند گر نشاطِ زیرک تیز — ابلہاں را بود فریب انگیز
گر ہمہ کس گزیدہ باشد و اہل — کس چو من نیز باشد آخر سہل
آنکہ باشد چو من تہی مایہ — بوکہ ریزد بدیں رقم سایہ
خوش بود گل فروش را بستاں — خارکش را ہوائے خارستاں
مرغِ صحرا کہ سنگ خور باشد — سنگش از دُر عزیز تر باشد
نوبتی کز دہل نیاید تنگ — دردِ سر خیزدش ز نغمۂ چنگ
چوں سشتابندہ راگہ و بیگاہ — رفتنی شد ازیں تماشا گاہ
ہست در زیرِ کاخِ فیروزہ — آدمی میہمانِ دہ روزہ
نیکبخت آں کسے کہ در انجام — زندہ جاوداں نہ گشت بنام
آنچہ مقصودِ آدمی زاد ست — نامِ نیک ست و آں دگر باد ست
وانچہ زاں نامِ مرد ماند دیر — سخن ست و نہ خامہ نے شمشیر
گر کسے را بود جواہر و گنج — ق بیش ز اندیشۂ جواہر سنج
یا زند بر بساطِ سلطانی — ملک را سکۂ سلیمانی

یا برآرد بگاہِ سر فگنی   سر بروئیں تنی و تہمتنی
چوں فرو رفت قالبش در خاک   نام او گردد از زورقہا پاک
چند گاہے چو درمیاں اُفتاد   ہیچکس را ازو نیاید یاد
مگر از نامۂ سخن سازے   کہ بماند بعالم آوازے
ایں ورق کز نشاط دارد بہر   یادگارے ست از من اندر دہر
چند بایست سینہ سوزی کرد   کہ شد ایں در بآبِ حیواں خورد
پختگاں را اگر نماید خام   ہست پختہ بکامِ من ناکام
ہر کسے را بکارِ خویش ہش ست   کس نگوید کہ نارِ[۵۲] من ترش ست
زنگی ارچہ سیام فام بود   نزدِ مادرمہِ تمام بود
گر قبولی ز غیب یارش گشت   سکّہ تا محشر استوارش گشت
چوں شد ایں نامہ در زمانہ عزیز   نامِ من زو عزیز گردد نیز
ور گرافتد ز میلِ دلہا دور   خود بماند ز چشمہا مستور
پیشِ بدگوے کو بپیسم[۵۳] باشد   عیب[۵۴] پوشی ہماں بسم باشد
زیورے را کہ گم شد اندر خاک   کس چہ داند زرست یا خاشاک
گوہرے کاں بدرج روے نہفت   جوہری قیمتش چہ داند گفت
کاش کیں بکر روے پوشیدہ   ماند از چار سوئے پوشیدہ

---

۵۱ جب = دروغ   ۵۲ انار ۱۲   ۵۳ اسے پیر من ۱۲   ۵۴ حجب = پردہ پوشی

تا بماند بر روزگار در راز — ناقصاں را بخندہ دنداں باز
شور ایشاں ز من رباید خواب — شاں بغیبت گری و من بعذاب
گفتہ اند آنچنانکہ باید گفت — کز پس مردہ بد نشاید گفت
آنکہ در ما کند بہ بد نگہے — آخر او نیز مردہ خواست گہے
ہر کہ گفت از جفا چو بے ہنراں — بشنود بعد مردن از دگراں
گنبد پر صدائے خالی ساز — ہرچہ گوئی ہمانت گوید باز
چوں بد و نیک را جزائے ہست — گفتہ ناگفتہ را سزائے ہست
گرچہ ایں گلشن مذور کار — ہست در بوستان عقبیٰ جا[1]
لیک گر عفو کردگار بود — خار من جملہ لالہ زار بود
دارم امید رحمت جاوید — چوں تواں گشتن از درش نومید
چوں کند رحمتش مدارائے — چیست حرف سیہ بدریائے[2]
مایہ گر عودی ست دگر بیدی — کفر باشد رضا بنومیدی
چوں امیدم بکف سپردہ عناں — رستم از حربۂ درک[3] فگناں
ہرچہ کردار من ز پیش و پس ست — عذر خواہم ہماں امید بس ست
یارب ایں نو عروس زیبا را — ق — کہ برد آب نقش دیبا را

---

[1] جب = عون   [2] یائے عظمت اے مقابل دریائے عظیم ۱۲

[3] درک بفتحتین طبقہ دوزخ ۱۲

جلوهٔ ده بچشمِ دانایاں | که دل و دیده را بود شایاں
خاص گردانش در دلِ همه کس | هم برین نکته ختم کردم و بس

در شکر گزاری حق تعالیٰ

شکر حق را که از خزانهٔ غیب | ریخت چنداں جواهرم در جیب
که ازاں نقدِ قیمتی بسه سال | کردم ایں پنج گنج مالامال
در هر گنج کش فرو بستم | کیمیائے دگر درو بستم
داند آنکس که سنجد ایں گفتار | کیمیاے مرا بوزن و عیار
نیست اندیشه گر بد اندیشے | رگِ بے رنج را زند نیشے
کز علل هرچه دیدم از تمشیر | چیده ام معنوی و لفظی نیز
راست کردم هر آنچه روشن گشت | راست و[1] روشن دل از خطا نگذشت
وآں خطا کاندرو گماں نرسد | دل ز پوشیدگی بداں نرسد
یک یک ایں پنج نامه تا پایاں | عرض کردم بچشمِ دانایاں
هر کسے را چنانکه روئے نمود | در بد و نیک گفتگوے نمود
هرچه بیننده راست را خم دید | بجوابِ سخن فرا هم دید
وآنکه در گفتن از دلم کژ خاست | راست گو چوں نمود کردم راست

---

[1] دل موصوف و راست و روشن صفت ۱۲

زیں ہمہ ناقدانِ نکتہ شناس — ہر کسے زد دمے بوہم و قیاس

لیکن آں کاندریں خزائنِ پُر — مہرۂ قلب دور کرد ز دُر

نیست الّا کہ آں جہانِ علوم — کہ شدش ہر چہ در جہاں معلوم

آسماں عالمِ زمانش خواند — دہر علّامۂ جہانش خواند

چوں فرو شد درو کمال اندیش — از کمالش فرو شد اندر خویش

بوحنیفہ سراجِ امّت بود — نور افزائے دین و ملّت بود

مجتہد در خلافِ نکتہ کشی — مالکِ فقہِ کوفی و شافعی[۵۱]

بس کہ در علم راست تدبیرست — راستی ہم شہاب و ہم تیرست

راستی ساکن اندرو بصواب — رست ہمچوں الف میانِ شہاب

چوں ازو موج زد کلامِ احد — نَفِدَ[۵۲] الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ

روشن اندر دلِ چو مصباحش — کشفِ کشّاف و فتحِ مفتاحش

رقمِ عنبرینش بر کافور — از بروں سوی دخاں[۵۳] دروں سوی نور

او شہاب و دل و تنش زاخیار — نیّرینِ مشارق الانوار

از تمامِ فنون و فضلِ تمام — غیرتِ[۵۴] بحتری و بو تمّام

گاہِ تحریر گر بہ بیتِ عتیق — ق — یافت اشعارِ تازیاں تعلیق

---

[۵۱] مراد از امام ابوحنیفہ و امام شافعی رحمہما ۱۲

[۵۲] تمام خرچ شود دریا قبل ازاں کہ کلام احد تمام شود ۱۲

[۵۳] دخان و نور نام سورہاے قرآن نیز ہست از کافور مراد صفحات کتاب کہ سفید اند و از رقم عنبریں مراد سواد تحریر ۱۲

[۵۴] غیرت بحر و بر چو خضر ہمام ۱۲

شعر او را که مطلعِ نور ست | جائے تعلیق بیتِ معمور ست

موجِ بحر ست در عطا رقمش | تیرِ چرخ ست بر خطا[۵۱] قلمش

در تشابہ یقینِ او اعلیٰ ست | در تناسخ درستِ بو اعلیٰ ست

چرخ چوں راست کرد دستارش | بست عزّ اللّٰہی بہستارش

گر کند سوئے آں عمامہ نظر | مشتری را فتد عمامہ ز سر

حکمتش داد از بس افزونی | ملکِ بقراطی و فلاطونی

در الٰہی فنش نہ در حدِ کس | حدِ او ہم الٰہ داند و بس

در طبیعی شناختہ تمام | رازِ مولودِ عنصر و اجرام

در ریاضی بیک صریرِ قلم | باز کرد ست گوشِ جذرِ اصم

عقلیش از قیاسِ عقل برون | نقلیش از مقامِ نقل فزون

دُرِّ مبسوط[۵۲] در یکے مشتش | صد اشارات[۵۳] در ہر انگشتش

ہر چہ در دہر نقشِ دانائی ست | دلِ او را براں توانائی ست

او چو ابرِ کرم بفرقِ جہاں | زیرِ کاں چوں صدف کشادہ دہاں

نورِ دل چوں بعالم افگندہ | سایہ بر کارِ من ہم افگندہ

من بہ او عرض کردہ نامۂ خویش | او باصلاح راندہ خامۂ خویش

---

۵۱ حجب = بے خطا

۵۲ مبسوط نام کتاب فقہ نیز ۱۲

۵۳ نام کتاب شیخ بو علی سینا کہ در فنِ حکمت ست ۱۲

دیدہ ہر نکتہ را رقم برقسم — رنج بر خود نہاد و منت ہم
نظرِ تیز کرد موئے شگاف — نے بعمیا نظارۂ بگزاف
گرچہ چوں دوستاں پسندیدہ — لیکن از چشمِ دشمناں دیدہ
دیدۂ خصم عیب کوش بود — دیدۂ دوست عیب پوش بود
دید چوں دشمناں دریں دفتر — تا ہمہ عیب آمدش بنظر
چوں ہمہ عیب دید دشمن وار — شست چوں دوستانِ آئینہ دار
کلکِ او تیرِ راست رانگماشت — کہ دریں روضہ آہوئے نگذاشت
چوں شد آہو ہمہ نشانۂ تیر — چہ غم ست از سگانِ آہوگیر
زیں دقایق کہ شد ز مغزش لوپت — مو بمو شعر سبز کردۂ اوست
شمعِ من یافت ضیا ازوے — مسِ من گشتہ کیمیا ازوے
ہرچہ او گفت من نہادم گوش — برکشیدم مگس ز شربت نوش
وآنچہ بشنود من نجستم پے — عیب آں برمن ست نے بروے
گر بماندہ ز دشنہ اش جائے — بے خسے نیست ہیچ دریائے
جز ہنر ہیں ازو نیاساید — عیب جو راز عیب کم ناید
صد ہزار آفریں برآں دلِ پاک — کہ بروں برد زیں چمن خاشاک
آنچہ او دید تا[1] نہایت دید — خس وخارے ز گلشنے برچید

---

[1] جبا = بے

آنچه ماند از نظر به پرده نهان | ہم نہاں داردش خدائے جہاں

یارب او چوں زپیچ نامۂ من ق | بردہ بیروں خطاے خامۂ من

نامۂ او کہ حرزِ جانش باد | در قیامت خطِ امانش باد

بالخیر تمت